346

# جرمِ وفا

(ناول)

کیا تھا جرمِ وفا لذّتِ سزا کے لئے

یہ دنیا ایک اسٹیج ہے، جاوید اور انجم، اقبال اور اختر کمال اور شیام، رضیہ اور کملا، شہناز اور اوما شاہینہ اور روحی، نشاط اور یاسمین ان سب نے اس اسٹیج پر اپنا اپنا پارٹ ادا کیا،

کیسا ؟ کیونکر ؟ کس طرح ؟ .........

کوئی کامیاب رہا کوئی ناکام، کس نے جان دے دی، کس نے جان بچالی کس نے غم کے تیر سینہ پر ہنس ہنس کر روکے، کس میں خوشی کا بوجھ اٹھا نے کی سکت بھی نہ رہی، کس کے لب خاموش رہے اور دل میں طوفان مچلتا رہا، کس نے طوفان کو للکارا، اور سر بلند فلک موجوں سے کھیلنا شروع کردیا

طبع اول............................... دو ہزار

قیمت ............................[redacted] روپے [redacted]

پریس............................رحمانیہ پریس لاہور

ناشر............................محمد یعقوب خاں

محبت خود ایک مذہب ہے !

قید مقام سے آزاد، نسل و قوم سے
ماورا، رنگ ونسب سے الگ، خاندان
اور مذہب سے جدا، من و تو کی
پابندی سے گریزاں

جاوید نے جو محبت کی وہ ایسی ہی تھی،
جو محبت جاوید کو ملی وہ بھی ایسی
ہی تھی۔ یہ محبت کتنی گھمبیر تھی،
اس محبت میں کتنی سچائی تھی، یہ
محبت کتنی گہری تھی، اسے دنیا والے
سمجھ ہی نہیں سکے، شاید وہ
سمجھ ہی نہیں سکتے تھے ..........

سید هاشم رضا چیف سکرٹری
(مشرقی پاکستان)

کے نام

جو بہت اچھے شاعر بہت
اچھے ادیب اور بہت
اچھے انسان ہیں

★ ★ ★

بسکہ دشوار ہے ہر چیز کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے!!

(۱)

# دوستوں کی محفل

شروع سے اب تک دونوں ایک ساتھ پڑھتے چلے آئے تھے، بچپن سے لیکر نوجوانی تک کا یہ زمانہ دونوں نے ایک ساتھ گزارا تھا، ایک اسکول، ایک کالج، ایک یونیورسٹی، ایک کلاس، یہ ایم اے کا آخری سال تھا، اور اب، ——— جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی تھی، !

چند ماہ بعد دونوں کو بچھڑنا تھا، دونوں کو زندگی کے میدان میں قدم رکھنا تھا، زندگی کی کشمکش میں حصہ لینا تھا، زندگی کی تعبیر کرنی تھی، اب تک باپ کی جیب تھی اور ان کا ہاتھ، اللّے تللّے سے زندگی بسر کر رہے تھے، جو مانگا وہ پایا، جو چاہا وہ کیا، لیکن اب ——— ؟ اب مانگنے کا سوال نہیں، کنواں کھودو، اور پانی پیو، کماؤ اور کھاؤ، پیدا کرو، اور پہنو، دست و بازو کی قوت کام میں لاؤ، اور زندگی کی رعنائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لو، ورنہ پھر جوتیاں چٹخاؤ، صحرا نوردی کرو، آوارہ گردی کرو، بھوکے رہو، پھٹے پرانے کپڑے پہنو، دوسروں کو خوش حال، مسرور، اور کامیاب و بامراد دیکھو، سلاتڑ ہو، ——— پرانی دنیا ختم ہو رہی تھی، اور نئی دنیا ابھر رہی تھی، !

نئی دنیا ——— جہاں جگہ بنائے بغیر زندگی نہیں بدلی، حبا دید

جاوید اور اقبال، دونوں دوستوں کے سامنے یہی سوال تھا، جاوید حساس نازک مزاج، آشفتہ طبع، اور نہایت متفکر قسم کا آدمی تھا، اقبال، بے پروا، بے اور چہ غم قسم کا آدمی تھا ——— مسخرا،

دونوں کی طبیعت میں بعد المشرقین تھا، دونوں کے مذاق، رجحان، اسلوب، ا اطوار، ہر چیز میں اختلاف تھا، ایک اگر اپنے کردار اور سیرت کے اعتبار سے فرشتہ تھا، تو دوسرا شیطان، ایک اگر آسمان کی بلندیوں سے بھی اونچا اڑ ر تھا، تو دوسرا تحت الثریٰ کی پستیوں سے بھی کہیں نیچے جا رہا تھا، ایک اگر زندگی کو خدا کی دی ہوئی ایک مقدس امانت سمجھتا تھا، تو دوسرا، اسے ایک کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا، ایک کے نزدیک اگر زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ بنی نوع انسان کی خدمت کی جائے، تو دوسرے کا نصب العین صرف یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے، اور جس طرح ہو سکے سربلندی حاصل کرو، خواہ اس مقصد کے حصول میں ساری ہی نوع انسان کو قربان کیوں نہ کر دینا پڑے، ایک دوسروں کے لئے تکلیف اٹھا سکتا تھا، ایثار کر سکتا تھا، نقصان برداشت کر سکتا تھا، دوسرا اپنی راحت کے لئے دوسروں کو تکلیف دے سکتا تھا، ایثار پر مجبور کر سکتا تھا، نقصان پہنچا سکتا تھا، ایک کے نزدیک حق، سچائی، دیانت، انمول چیزیں تھیں، انھیں خریدا نہیں جا سکتا، ان پر زندگی کا داؤں لگایا جا سکتا تھا، دوسرے کے نزدیک حق ایک بے معنی لفظ تھا، سچائی، جادو کا وہ بول تھا جس سے سادہ لوحوں کو بڑی آسانی کے ساتھ بے وقوف بنایا جا سکتا تھا، دیانت کا تخیل افلاس فکر کا نتیجہ تھا، ایک کی نظر میں وضعداری، پاس وفا اور نباہ شرط انسانیت تھی، دوسرا نہ انسانیت کا قائل تھا، نہ ان خوب صورت الفاظ کو اہمیت دیتا تھا، ——— یہ تھا جا

لیکن پھر بھی دونوں کی خوب نبھ رہی تھی، دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہیں آتا تھا، دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم سے ہو گئے تھے، جہاں جاوید وہاں اقبال، جہاں اقبال وہاں جاوید، دونوں کو ایک دوسرے سے اس درجہ وابستہ دیکھ کر لوگوں نے ان کے بارے میں رائے بھی کچھ عجیب سی قائم کر رکھی تھی، جو جاوید کے روشناس تھے، لیکن اقبال سے کچھ زیادہ واقف نہیں تھے، ان کی نگاہ میں، اقبال بھی اتنا ہی اچھا تھا، جتنا جاوید، اور جو اقبال کے مزاج شناس تھے مگر جاوید سے پوری طور پر واقف نہیں تھے، وہ جاوید کو بھی اتنا ہی برا سمجھتے تھے جتنا اقبال کو، جو ان دونوں میں سے کسی سے بھی پورے طور پر شناسا نہیں تھے، وہ دونوں کو یکساں سمجھتے تھے،

صبح اتوار کا دن تھا، رات ہی کو مجلس احباب بیٹھی اور اس نے ایک رنگا رنگ پروگرام تفریح و نشاط کا بنا لیا، گویا اتوار کا سارا دن، رنگ رلیوں، اور دلچسپ مشغولیتوں کے لئے نذر ہو گیا، جاوید بھی شریک مجلس تھا، اس نے نہ کسی پروگرام کی تائید کی نہ مخالفت، چپ چاپ بیٹھا دوستوں کی باتیں سنتا، اور ان کی نکتہ آفرینیوں سے محظوظ ہوتا رہا، باتوں باتوں میں، انجم نے اقبال سے کہا،

"پارک کی دلچسپیاں اور رنگ رلیاں ادھوری رہ جائیں گی اگر مس نشاط نے ہمارا بائیکاٹ جاری رکھا!" انھیں منانے کی کوئی صورت ضرور پیدا کرنی چاہیے، ——————

اقبال نے کہا، بھئی میرا فیصلہ یہ ہے، کہ اگر مس نشاط ہمارے ساتھ شریک بزم نشاط نہ رہیں تو پھر ہم بھی بائیکاٹ کر دیں گے سارے پروگرام ... اور

—————— پر رکھا ہے ساغر پہ رکھا ہے مینا۔!

... کے دو بج

اختر نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے انکشاف کیا ... نے، جاوید

پر لا سکتا ہے تو وہ صرف ایک ہستیٔ ناپائیدار جاوید کی ہے،

سب لوگ ہنس پڑے، انجم نے، شوخ نظروں سے اختر کو دیکھتے ہوئے پوچھا،

کیوں جناب آپ نے جاوید کو، ہستیٔ ناپائدار سے کیوں یاد کیا، ؟ ،

اختر نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا، میں نے تو علامہ اقبال کو "کوٹ" کیا ہے، وہی فرما گئے ہیں،۔ "کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا، !"

اقبال بھی موڈ میں آ گیا، "لیکن سوال یہ ہے کہ نشاط پائدار کیوں ہے، ؟ اور جاوید ناپائیدار کیوں ؟ اس کے بارے میں اگر کہہ سکتے ہیں، ——— مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو، !" تو کیا جاوید کے بارے میں بھی نہیں کہہ سکتے، جو کچھ بھی ہو خدا کی قسم لاجواب ہو، !"

پھر ایک قہقہہ پڑا، اور قہقہوں کی گونج میں اقبال نے جاوید سے ایک سوال کیا،

"کیوں جناب۔ ؟ مس نشاط اور آپ ؟ یہ کیا ماجرا ہے ؟ یہ میں کیا سن رہا ہوں ؟ یہ عالم بیداری ہے یا عالم خواب ؟ میرے کان مجھے دھوکا تو نہیں دے رہے ہیں ؟"

جاوید نے جل کر کہا، جو شخص خود اپنے آپ کو نہایت ٹھاٹھ سے دھوکا دے سکتا ہو، اسے کان بیچارے کیا دھوکا دیں گے ؟"

بڑی دیر تک فلک شگاف قہقہے گونجتے رہے، اقبال کچھ جھینپ سا گیا، اختر نے بات بنائی،

"یہ وضعداری ہے کہ مس نشاط کو بھی جاوید کی طرح ادب و انشا سے بہت لگاؤ ہے، تھا، نہ ان خوب ادوار سمجھے، اور چونکہ یہ استاد ہیں وہ شاگرد، لہذا، ان کا

... وہ ؟"

اقبال نے مطمئن لب ولہجہ میں کہا، اگر نشاط کا آنا جاوید کی تحریک پہ منحصر ہے تو سمجھ لو کہ وہ آئیں گی، لیکن سوال ہے شہناز، روحی، یاسمین، اور شاہینہ کا، اس قافلہ کی رہنمائی کون کرے گا؟"

انجم نے جواب دیا، یہ کون سا مشکل کام ہے؟ شہناز، میرے ساتھ جنگل جنگل صحرا صحرا، ماری ماری پھر سکتی ہے، تو نینشل گارڈن کیوں نہ جائے گی؟ رہی روحی تو وہ بے بلائے ہر اس جگہ پہنچ جائے گی جہاں حضرت اختر جلوہ فرما ہوں، یاسمین کا معاملہ بے شک ذرا ٹیڑھا ہے، اس بت بدخو کو رام کرنا اتنا ہی مشکل ہے، جتنا نشاط کا، لیکن خوش قسمتی سے، دونوں میں دوستی بھی بڑی گہری ہے، بالکل ویسی ہی، تم میں، اور جاوید میں، لہذا بڑی آسانی سے، نشاط اسے اپنے ساتھ لے آئے گی، شاہینہ کے بارے میں فکر بیکار ہے۔ بھلا اقبال کا کہا ٹال سکتی ہے وہ؟ ——— ہرگز نہیں،

اس تقسیم عمل پر سب مطمئن ہو گئے، پھر بڑی دیر تک چائے کا دور چلتا رہا، باتیں ہوتی رہیں، گلوکاری کے مظاہرے ہوتے رہے کبھی اقبال نے کچھ شروع ردیا، کبھی اختر نے، کبھی انجم نے، کبھی سب کے اصرار سے مجبور ہو کر جاوید نے، ہر خص کا ذوق نغمہ پرائی جدا جدا تھا، اقبال کو، داغ کا کلام یاد تھا، اختر کو حسرت موہانی ے شغف تھا، انجم صاحب کے حصہ میں، جگر صاحب آئے تھے، ان کی نئی اور انی غزلیں، کوشش کر کے انھیں کے لب ولہجہ میں، دلگداز ترنم کے ساتھ پڑھ رہے تھے، جاوید جب اصرار سے مجبور ہوتا تو بال جبریل، ضرب کلیم، یا ارمغان حجاز کوئی دل آویز، شگفتہ اور روح میں اتر جانے والی نظم شروع کرتا، اور کی آن میں سب کا سحر باطل کر دیتا، غرض اسی طرح رات کے دو بج گئے، پھر اختر اور انجم اپنے اپنے کمرہ میں چلے گئے، جاوید

## (۲)
# امنگیں

دوسرے روز نیشنل گارڈن میں بے تکلف احباب کا یہ مختصر سا قافلہ پہنچا، اور ہر شخص اپنی اپنی دلچسپیوں میں مصروف و منہمک ہو گیا، کہیں کیرم، کسی طرف برج، کہیں قوالی، کسی طرف گپ شپ، کہیں فلمی گانوں کی نقلیں، کسی طرف فقرے بازی، کہیں نغمے کسی طرف قہقہے، کہیں سازشیں، کسی طرف سرگوشیاں،

یہاں تک کہ "لنچ" کا وقت آیا، اور سب بکھرے ہوئے لوگ ایک جگہ آکر پھر جمع ہو گئے، کھانے کے دوران میں بھی پر لطف اور دلچسپ باتوں کا سلسلہ جاری رہا،

دوران گفتگو میں "مستقبل" کا سوال چھڑ گیا، یعنی اب چند ماہ میں کالج سے فراغت کے بعد، کون کیا کرے گا؟ اس سوال کا آغاز خواتین کی طرف سے ہوا،

بات یوں چھڑی کہ ایک آہ سرد کے ساتھ، انجم بول اٹھا،

یہ بھی کیا زمانہ ہے، نہ کسی قسم کی فکر، نہ کسی طرح کا اندیشہ، لیکن چند ماہ بعد، ہمارا یہ کارواں بچھڑ جائے گا، اور پھر، ہم میں سے ہر ایک فکر معاش میں مبتلا

اور اقبال نے بھی سونے کی تیاریاں شروع کر دیں"!

لیکن اقبال کی طبیعت آج ضرورت سے زیادہ حاضر تھی، بستر پر لیٹنے کے بعد بڑی دیر تک اس نے جاوید کو باتوں میں الجھائے رکھنے کی ناکام کوشش جاری رکھی، مگر اس مرد خدا نے کیا مجال ہے جو ایک بات کا جواب بھی دیا ہو، جاگ رہا تھا مگر اس طرح پڑا تھا جیسے سوئے ہوئے ایک عمدی گزر چکی ہے، آخر تنگ آ کر اقبال نے مثنوی زہر عشق الاپنا شروع کر دی،

یاد آتی تمہیں دلاتے جائیں
پان کل کے لیے لگاتے جائیں!

---

ہو جائے گا۔ پھر نہ یہ گلو کاریاں رہیں گی، نہ قہقہے، زندگی کی سنگین اور اٹل
ہوں گی اور ہم ہوں گے، ———

اقبال نے خلاف معمول توجہ سے یہ بات سنی پھر کہنے لگا۔

"ہاں بھئی، یہ تو ہوگا، ——— لیکن زندگی کی سنگین حقیقتیں بہت آ
ہو جاتی ہیں، اگر خود انسان بھی سنگین بن جائے، ——— جیسے ہمارا
ہے، دیکھ لینا ہم سب میں زیادہ کامیاب زندگی اس کی ہوگی،

سب نے رشک کی نظروں سے جاوید کو گھورنا شروع کیا، جیسے وا
زندگی کی سنگین حقیقتوں پر غالب آچکا ہے، اور جیسے اقبال ایک سحرا
کوئی منجم ہے، جو ہاتھ نہیں دیکھتا صرف چہرہ دیکھ کر مستقبل کے پردے ہٹا
لگتا ہے،

جاوید نے اقبال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ——— نہیں میرے
دوست اتنی بے پروائی، اور اتنے یقین سے میرے بارے میں فیصلہ نہ کر دو،
مستقبل ہے، جو ایک آہنی پردہ کے پیچھے جلوہ گر ہے، کوئی نہیں جانتا و
ہے، ؟ کوئی نہیں جانتا اس کی شکل و صورت کیا ہے ؟ البتہ ایک بات ضرور
بارے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں یہ کہ میری زندگی کامیاب ہو یا ناکام،
اس سے ہار نہیں مانوں گا، !"

انجم نے سگرٹ سلگاتے ہوئے کہا،

ایک ڈھیٹ ہمیشہ سے ہو، تم کیا ہار مانو گے ؟

سب لوگ ہنس پڑے، اقبال نے اپنی پہلی رائے میں تھوڑی سی ترمیم کر دی
کہنے لگا۔

"لیکن یار، یہ جاوید، بڑا حساس اور جذباتی آدمی ہے، یا تو ہم سب میں زیا

یاب زندگی اسی کی ہوگی، ورنہ اس سے بڑھ کر ناکام، نامراد، اور ناشاد زندگی بھی کسی نہیں ہوگی، ! "

ان الفاظ کا پھر خیر مقدم قہقہوں سے کیا گیا لیکن جاوید ذرا بھی متاثر نہ ہوا،
"میری زندگی ناکام ہو، یا کامیاب، ناشاد، بامراد، لیکن، بغیر کسی ترمیم کے ایک نبہ پھرا اپنے الفاظ دوہراتا ہوں، میں زندگی کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا، اس سے شکست نہیں قبول کروں گا، میں اسے اپنے اوپر حکومت نہیں کرنے دوں گا، اور میں سمجھتا ہوں اگر میرے یہ الفاظ بے معنی نہیں ہیں، تو پھر میں کامیاب ہوں، ! "

" وہ کس طرح میرے بھائی ؟" اختر نے معصومیت کے ساتھ سوال کیا،
" وہ یوں میرے بھائی ! جاوید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا، کہ کامیابی پیمانہ میرا، اور تمہارا دوسرا ہے، تمہارا پیمانہ سیم وزر کو تولتا ہے، عہدے اور منصب کو تولتا ہے، شخصیت اور سرداری کو تولتا ہے، جاہ و اعزاز اور شہرت دعوت و تولتا ہے، میرا پیمانہ صرف انسانی اقدار کی پیمائش کرتا ہے،
انجم چونک پڑا، "بھئی یہ تو بڑی فلسفیانہ بات کہہ گئے، ذرا پھر سے تو کہنا، !"
اختر نے بھی حیرت سے ایک مرتبہ جاوید کو ٹٹولنے والی نظروں سے گھورا اور گویا ہوا،
"خدا کے بندے کیا دنیا تیاگنے اور راہبانہ زندگی بسر کرنے کا ارادہ رکھتے ہو ؟ "

جاوید ہنسنے لگا، "واہ، دنیا میں رہ کر دنیا کو چھوڑ دوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے ؟ ! "

اب نشاط نے سوال کیا، " اچھا یہ بتائیے جاوید صاحب سوچا کیا ہے آپنے ؟

یونیورسٹی سے فراغت کے بعد کیا ارادہ ہے ؟"

جاوید نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور بولا۔

اس سوال کا جواب ضرور دوں گا، لیکن سب سے آخر میں، پہلے اور لوگوں سے پوچھئے، !"

قبل اس کے کہ نشاط کے لب ہلیں، شاہینہ نے اقبال سے پوچھا،

"آپ بتا ئیے کیا ارادہ ہے ؟"

اقبال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،

"بھئی ہم تو حکومت کریں گے، ——— سپیریر سروس ہمارے انتظار میں چشم براہ ہے، !"

اقبال کے جو اطوار اب تک رہے تھے، اور جس طرز کی زندگی وہ اب تک بسر کرتا چلا آرہا تھا، اس کے لحاظ سے اس کا یہ دعویٰ مستبعد بھی نہیں تھا، خود بخود شاہینہ کی آنکھوں سے فخر اور مسرت کی جلوہ ریزی ہونے لگی،

روحی کی نظریں خود بخود اختر کی طرف اٹھ گئیں، اس نے سوال کیا،

"آپ بھی تو کہیے کچھ؟ !، ——— اس دنیا میں آپ کی جگہ کہاں ہوگی ؟ "

"ہسپتال میں، ——— "

روحی کا چہرہ زرد پڑ گیا،

" خدا نہ کرے، کیسی بے دھڑک باتیں نکل جاتی ہیں آپ کے منہ سے، توبہ ہے، !"

اختر نے ہنستے ہوئے کہا،

" بھائی میں ڈاکٹر بنوں گا، ڈاکٹر کیسی ٹھاٹھ کی زندگی ہوتی ہے ڈاکٹروں کی بھی،

جیسے دیکھئے خوشامد میں مصروف!"

روحی خوش ہوگئی، اچھی تجویز ہے'،!"

شہناز نے زبان سے تو کچھ نہ کہا، لیکن اس کی نگاہیں انجم سے پوچھ رہی تھیں، تم کیوں چپ بیٹھے ہو؟ بولو، بتاؤ، کہو، تم بھی سب پر اپنا سکہ بٹھاؤ، اور اپنے آئندہ عزائم کا ایسا شاندار نقشہ پیش کرو کہ سب دنگ رہ جائیں، انجم نے بے پوچھے بتایا،

" بندہ تو اپنا آبائی پیشہ اختیار کرے گا، ——— تجارت، کاروبار، کوئلہ لگاؤ، سونا کماؤ صرف بلیک مارکیٹ کی طرف رُخ کروں تو بیڑا پار ہے، اور ویسے اور بھی بہت سے صدری نسخے ہیں روپیہ کمانے کے، والد صرف لکھپتی ہیں بس اگر کروڑ پتی بن کر نہ دکھادوں تب کہنا، !"

سب کو یقین آگیا، واقعی انجم بہت جلد ملک التجار بن جائے گا، یاسمین نے نشاط کو ٹھوکا لگاتے ہوئے چپکے سے کہا،

" آخر جاوید صاحب کب تک منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھے رہیں گے، !"

شہ پاکر، نشاط نے پھر اپنا سوال دوہرایا،

" جاوید صاحب آپ نے تو جیسے چپ کا روزہ رکھ لیا ہے' !"

جاوید نے سگریٹ کا ایک زوردار کش لگاتے ہوئے کہا،

" بھئی میں تو ایڈیٹر بنوں گا، !"

یہ سنکر نشاط پر اوس سی پڑگئی، ان لوگوں میں کوئی ملک التجار بن رہا تھا، کوئی ڈاکٹر، کوئی سپیریر سروس کا رکن رکین اور جاوید جو اپنی قابلیت، ذہانت کردار، سیرت، ہر اعتبار سے سب پر فائق تھا، صرف ایڈیٹر بن رہا تھا، لیکن وہ کچھ بولی نہیں، البتہ اختر نے کہا،

(۳)

# دوست

صبح ناشتے کے بعد، جاوید اور اقبال میں، پھر گفتگو شروع ہو گئی۔ اقبال نے پوچھا، "جرنلزم کے بارے میں کیا واقعی تم سیریس ہو، ؟"

جاوید نے جواب دیا، بہت زیادہ، ———— میرے ذوق کی یہی ایک چیز ہے، ویسے اگر چاہوں تو کوئی اور لائن بھی اختیار کر سکتا ہوں، ابھی کل پروفیسر آرنلڈ کہہ رہے تھے، انگلش ڈپارٹمنٹ میں، لکچرر کی پوسٹ خالی ہونے والی ہے، میں تمہارا نام پیش کروں گا، "شیکسپیئر اور اس کا فن" پر جو مقالہ تم نے کالج کے میگزین میں لکھا ہے مجھے بہت پسند آیا، لیکن میں نے کہا پروفیسر صاحب آپ کی اس نوازش کا بہت بہت شکریہ، مگر میں معلمی کا پیشہ اختیار کرنا نہیں چاہتا، مجھے تو صحافت سے دلچسپی ہے،!"

اقبال نے سگریٹ سلگایا، اور ایک زوردار کش لگاتے ہوئے کہا،

"تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ چوٹی کے بے وقوف ہیں، اتنی اچھی اور اتنی بڑی آفر تم نے یوں ٹھکرا دی؟ کچھ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟"

جاوید نے مسکراتے ہوئے جواب میں کہا، ایسا ہی سمجھ لو،!

" بہت اچھے، ——— لیکن یار مجھے پہلے ڈاکٹر بن لینے دو، تاکہ تمہارا دماغ میری نگرانی میں اچھی طرح درست ہو سکے، ورنہ کسی پیشہ ور ڈاکٹر کے ہتھے چڑھ گئے تو وہ پاگل خانہ جانے کے قابل بنا دے گا، !"

جاوید بھی کب چپ رہنے والا تھا، کہنے لگا۔ " ایک بڑے پاگل خانہ سے ایک چھوٹے پاگل خانہ میں چلا جانا کیا تکلیف دہ ہو سکتا ہے، !"

اس جواب پر ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا، اور پھر گفتگو کا موضوع بدل گیا،!

اقبال کچھ چڑ سا گیا، اس نے سوال کیا، آخر کیا دے دیگی تمہیں یہ جرنلزم؟ فاقے کرو گے، یا رئیسوں کی شان میں قصیدے پڑھو گے، یا حکومت پر نکتہ چینی کرو گے، اور جیل جاؤ گے، تنخواہ بہت ملی تو دو تین سو روپے، خود کیا کھاؤ گے بیوی کو کیا کھلاؤ گے؟ بچے تعلیم کس طرح حاصل کریں گے؟ آخر زندگی بھر تو یوں ہی چھٹے چھر بدے نہیں رہو گے'!

جاوید نے اقبال کی باتوں سے لطف لیتے ہوئے

یار تم نے تو بہت سوال کر ڈالے'؟ اب میں سب کا جواب کہاں تک دوں؟ لیکن خاموش بھی نہیں رہ سکتا، تم نے فاقے کرنے کا ذکر کیا ہے تو میرے دوست یہ کوئی ایسی نادر چیز تو نہیں جس ملک میں کروڑوں لوگ فاقے کرتے ہوں، وہاں اگر جاوید بھی فاقہ کرے گا، تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟ رہا رئیسوں کی شان میں قصیدے لکھنا تو کان کھول کر سن لو، جاوید کا قلم کسی دولت مند اور زر دار کے قصیدے سے آلودہ نہیں ہو سکتا، جیل سے بھی تم نے ڈرایا ہے، اور یہ بات کچھ قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ میں کانگرسی خیال کا آدمی ٹھہرا، لہذا، ظاہر ہے، اس کی تائید و حمایت میں، حکومت پر سخت و شدید نکتہ چینی سے گریز نہیں کروں گا، اس کا انعام جیل ہی کی صورت میں مل سکتا ہے، اور ہو سکتا ہے مجھے جیل بھیجنے کی سعادت تمہارے ہی حصہ میں آئے۔ آخر سپیریر سروس کا امتحان دینے والے ہو، اور تم میں لاکھ نقص ہوں، لیکن تمہاری ذہانت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لہذا، کامیاب ہو کر رہو گے تنخواہ اگر دو، تین سو روپے ماہوار مل گئی تو بہت ہے، ورنہ میں تو سو پچاس کی پیش کش بھی قبول کر لوں گا، اور یہ رقم شکم پری کے لئے کافی ہے، شادی کا اس وقت تک ارادہ نہیں جب تک ملک آزاد نہ ہو جائے، اور لیظاہر

میری زندگی میں ملک آزاد نہیں ہو سکتا، لہذا نہ شادی ہوگی، نہ بچے، —— آگے فرمایئے —— ؟

اقبال جاوید کی باتیں سنتا رہا، اور دھوئیں کے مرغولے فضا میں بلند کرتا رہا، پھر اس نے کہا،

"تو نشاط کیا کرے گی پھر؟"

جاوید نے اقبال کے آگے سے سگریٹ کی ڈبیہ اٹھالی، اور ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا،

نشاط کیا کرے گی؟ یاسمین کیا کرے گی؟ شہناز کیا کرے گی، روحی کیا کرے گی؟ ثنا حبیب کیا کرے گی، اور دوسری بہت سی لڑکیاں کیا کریں گی میں کیا جانوں، اور کیوں جانوں؟ ——

اقبال نے حیرت سے جاوید کو دیکھا، اور پوچھا،

"کیا تم میں اور نشاط میں رومان نہیں چل رہا ہے"؟ ——

بلکہ اڑتی ہوئی خبر میں نے تو یہ بھی سنی ہے کہ مس یاسمین بھی امیدواروں میں ہیں،

جاوید نے ہنستے ہوئے کہا، آپ چغد ہیں اچھے خاصے، بے شک میرے اور نشاط کے تعلقات بہت گہرے ہیں، لیکن صرف دوستی کی حد تک، حرف محبت نہ میری زبان پر کبھی آیا، نہ آئے گا، نشاط بھی اتنی بے عقل نہیں کہ محبت کی دریوزہ گری کرتی پھرے، اور پھر اس کا دماغ بھی خراب نہیں ہے کہ ایک ایسے شخص سے زندگی بھر کا پیمان وفا باندھ لے، جس کی جیب آج بھی خالی ہے، کل بھی خالی رہے اور شاید ہمیشہ خالی رہے گی، رہی یاسمین، تو اس غریب پر تہمت کیوں لگاتے ہو؟ وہ بہت اونچے مزاج اور کردار کی لڑکی ہے، اس لغویت سے جسے لوگ محبت کہتے ہیں، وہ ذرا بھی دلچسپی نہیں رکھتی، بلکہ ایسے لوگوں کا مذاق اڑاتی ہے،

اقبال کی دلچسپی جاوید کی باتوں سے بڑھتی ہی جارہی تھی، اس نے محض گفتگو
سلسلہ جاری رکھنے کے لئے پوچھا،
"مگر ایک بات تو بتاؤ، ——— اگر تم نے جرنلزم کا پیشہ نہ اخ
کیا، تو کیا فن صحافت ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا؟ اگر تم نے کانگرس کی تائید و
کے لئے اپنی زندگی وقف نہ کی، تو کیا، گاندھی جی، اور جواہر لال استعفا دے کر گ
نشین ہو جائیں گے؟ اگر تم نے آزادیِ وطن کی جد و جہد میں حصہ نہ لیا تو کیا، ب
کبھی نہیں آزاد ہو سکے گا؟"
جاوید نے حیرت سے اقبال کی طرف دیکھا، اور سوال کیا۔
"اس سوال کا مطلب؟ ——— کیا قومی تحریکیں، اور تعمیری سرگ
کسی ایک شخص کی رہین منت ہوتی ہیں؟ میں جب نہیں تھا جب بھی صحافت کا
موجود تھا، اور آزادی ہند کے نعرے بلند ہو رہے تھے، اور جب میں نہ
رہوں گا۔ تب بھی، کسی طرح کی کمی نہیں واقع ہوگی، اور اگر میں نے کوئی اور
اختیار کر لی تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا، !"
اقبال نے ہنستے ہوئے کہا، اچھا یہ بات ہے، ——— میں ن
اور ہی سمجھتا تھا!" میرا واقعی یہ خیال تھا کہ صحافت کانگرس، اور آزادیِ وط
مستقبل ایک مہدی موعود پر منحصر ہے، اور وہ مہدی موعود صر
تم ہو، !"
جاوید نے چھیڑتے ہوئے پوچھا، "تو کیا میرے ہاتھ پر بیعت
کو تیار ہو؟"
اقبال نے سگریٹ کی ڈبیہ پاکٹ میں رکھ کر اٹھتے ہوئے
"نہیں بھائی ہم جیسے کافر، کس کی بیعت کرتے ہیں

آؤ چلو، پروفیسر بنرجی وقت کے بہت پابند ہیں، کلاس میں پہنچ چکے ہوں گے، اور ہمیں موجود نہ پا کر پیچ و تاب کھا رہے ہوں گے،!"

پروفیسر بنرجی نے اپنے شاگردوں پر کبھی سختی نہیں کی تھی ہمیشہ ان میں گھل مل کر رہتے تھے، لیکن ان کی اپنایت میں بھی اتنا وقار تھا کہ شاگرد، کتنا ہی شوخ اور سرکش ہو ان سے یا ان کے لگے بندھے اصولوں سے ٹکرانے کی کوشش نہیں کرتا تھا،!

---

(۴)

# پروفیسر بنرجی

یونیورسٹی میں وائس چانسلر تک کی اتنی عزت نہیں تھی جتنی محبت اور عقید
کی نظر سے پروفیسر بنرجی دیکھے جاتے تھے، بے انتہا قابل، بے انتہا فیاض
بے انتہا ہمدرد، سراپا اخلاق و تواضع، اور مجسم ایثار و قربانی، ۱۸ سو روپیہ ماہو
تنخواہ ملتی تھی، بیوی مر چکی تھی، صرف ایک لڑکی تھی اوما، وہ ابھی چند روز ہوئے
کیمبرج یونیورسٹی سے معاشیات میں بی اے آنرز کی ڈگری لے کر آئی تھی، بنرجی
اوما کو جا ہے جو کچھ ہر ماہ بھیجتے ہوں لیکن ان کا ذاتی خرچ کسی طرح سو روپیہ مہی
سے زیادہ نہیں تھا، صرف ایک ملازم تھا، جو گھر کا رکھوالا بھی تھا، اور باورچی بھی
اور خزانچی بھی، اور منتظم بھی، اس کا نام عبداللہ تھا، لیکن بنرجی اسے عیلی کہتے
تھے، یہ باریسال کا رہنے والا تھا، اور پروفیسر صاحب اس کی امانت و دیانت
میں ایسے شاندار قصیدے پڑھتے تھے کہ بس سنا کیجئے، تعصب اور چھوت
چھات کا تو پروفیسر صاحب میں نام بھی نہیں تھا، برہمو سماجی مسلک کے پیرو تھے
اور ہر انسان کو بھائی سمجھتے تھے، بہت بڑے نیشنلسٹ بھی تھے، کئی مرتبہ جیل جا چکے
تھے، لیکن طلبہ، اساتذہ، اور ارباب جامعہ کی نظر میں بس اپنی عظمت کے مالک تھے

جس کے دروازہ پر استقبال کرنے کے لئے ساری یونیورسٹی موجود رہتی تھی، نیند کا زمانہ چھٹی میں محسوب ہوتا تھا۔ اور آتے ہی وہ پھر اپنی کرسی پر متمکن ہو جاتے تھے، انگریز گورنر نے جو یونیورسٹی کا چانسلر بھی تھا کئی مرتبہ کوشش کی کہ وہ برخاست کر دئے جائیں، لیکن کامیاب نہ ہو سکا، اس لئے کہ بنرجی کی حمایت میں وہ لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوتے تھے، جو بڑے سرکار پرست، اور انگریز دوست مانے جاتے تھے، اور جن کی رسائی وائسرائے بہادر تک تھی، کھدر کا لباس، معمولی سی چپل، کھانے میں ابلی ہوئی سبزیاں اور ترکاریاں، چائے ندارد، سگریٹ کا کوئی سوال ہی نہیں، ۱۰ بجے رات کو بستر راحت پر سونے کے لئے دراز، اور صبح ۴ بجے بیدار، ۶ میل کی واکنگ، پھر غسل، پھر ہلکا سا ناشتہ، پھر مطالعہ، پھر یونیورسٹی، پھر مطالعہ ــــــــــ یہ تھے پروفیسر بنرجی،

پروفیسر بنرجی کا خاص موضوع پولٹیکل سائنس تھا، اور واقعی اس فن کے وہ ماہر تھے، بدشوق سے بدشوق طالب علم بھی ان کی کلاس میں غیر حاضر رہنا گوارا نہیں کرتا تھا، ایک تو وہ موضوع کو پانی کر دیتے تھے، دوسرے دوران تدریس میں ایسے ایسے لطیفے بیان کرتے تھے کہ ساری محفل کو کشت زار زعفران بنا دیتے تھے، طالب علم گو ان کا بے حد ادب کرتے تھے، لیکن ان سے بے تکلف بھی بہت تھے، درس ختم ہونے کے بعد گپ شپ شروع ہو گئی، بنرجی کا قاعدہ تھا کہ دس پندرہ منٹ وہ طلبہ کو، گفتگو، بحث و تمحیص، اور تبادلہ افکار کے لئے بھی دیتے تھے، اس موقع پر اقبال صاحب سب سے زیادہ چہکتے تھے، کہنے لگے،

آپ نے بہت دنوں سے ہماری دعوت نہیں کی،

بنرجی نے مسکراتے ہوئے کہا،

دعوت کا کیا سوال، جب چاہو آجاؤ تمہارا گھر ہے، لیکن بھائی نہ وہاں بریانی ملے گی، نہ مرغ مسلّم، نہ کباب اور کوفتے، وہی ابلی ہوئی ترکاریاں،

جاوید نے بھی اپنے آپ کو دعوت کا حق دار ثابت کرنے کے لئے کہا، لیکن کباب اور کوفتے، تو روز کھاتے رہتے ہیں ہم لوگ، اکتا گئی ہے ان چیزوں سے طبیعت اب تو، اور سنا ہے ابلی ہوئی ترکاریاں صحت کے لئے بہت مفید ہوتی ہیں، اگر مزے کی لگیں تو خیر، ورنہ سمجھ لیں گے دوا کھالی،

بنرجی نے کہا، مطلب یہ کہ آؤ گے ضرور، ؟

جاوید نے جواب دیا، جی ہاں جی تو یہی چاہتا ہے،

بنرجی راضی ہوگئے، تو آجاؤ۔

جاوید نے سوال کیا، لیکن کب ؟ ———— دن بھی مقرر کر دیجئے،

بنرجی نے جواب دیا، آج ہی سہی، کل اتوار بھی ہے، اطمینان سے کھاؤ، پیو، گپ اڑاؤ، اوما بھی آگئی ہے، لندن سے ڈگری لے کر، اس سے بھی ملو، کچھ اپنی کہو کچھ اس کی سنو، بیچاری دن بھر چپ چاپ پڑی رہتی ہے گھر ہی میں ذرا اس کا جی بھی بہل جائے گا، ————

اوما کا نام سنکر، اقبال، انجم، اختر، سب ہی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اس بت کافر کا چرچا بہت دنوں سے سن رہے تھے، ایک مرتبہ بنرجی کے غریب خانے پر اس کی قد آدم تصویر دیکھ کر بے ساختہ اقبال کے منہ سے نکل گیا تھا۔

"یہ قتالہ عالم کون ہے ؟"

اور انجم نے فوراً جواب دیا تھا،

"فاتنہ عالم ہے اور کون ہے،"

اور اختر نے مداخلت کرتے ہوئے جنبش لب یوں کی تھی،

"ضرور اس کا سلسلۂ نسب ملکۂ قلو پطرہ سے ملتا ہے، بلکہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہی ہے، !"

انجم نے حیران ہوکر اس کی طرف دیکھا، اور سوال کیا،

"دعوے سے کہہ سکتے ہو وہ کس طرح ؟"

اختر نے بڑی سادگی، اور معصومیت کے ساتھ جواب دیا تھا۔

"میں آواگون اور تناسخ کا قائل ہوں، اس لئے اتنے زور شور سے یہ دعوی کر رہا ہوں، !"

انجم نے پوچھا،

"لیکن آواگون اور تناسخ کے کب سے قائل ہو گئے ؟"

اختر نے جواب دیا "اسی وقت سے، جب سے یہ تصویر دیکھی ہے، مخالفین تناسخ کے دلائل ایک طرف، اور میرا یہ مشاہدہ ایک طرف، دلائل توڑے جا سکتے ہیں، لیکن کیا مشاہدہ کو بھی جھٹلایا جا سکتا ہے ؟"

اقبال نے سوال کیا، اچھا مان لیا یہ ملکہ قلو پطرہ ہے، لیکن یہ بھی بتا دو، پہلے جنم میں کیا تھے تم ؟"

اختر نے اسی سادگی اور معصومیت سے جواب دیا،

"اس کا جواب ملکہ قلو پطرہ دے گی، ——— ساری دنیا مجھے جاننے اور پہچاننے سے انکار کر دے، لیکن یہ نہیں کر سکتی، ——— ہم ایک تھے، ہم ایک ہیں، ہم ایک رہیں گے، !"

اقبال، انجم، جاوید، اور اختر نے ایک نہایت تنومند قہقہہ لگایا، اقبال نے انجم سے کہا،

پروفیسر برگی خوش قسمتی سے اس وقت باہر گئے ہیں، اور ہم ان کا انتظار کر

رہے ہیں، بہتر یہ ہے کہ ان کے آنے سے پہلے، اس غریب کو پاگل خانے پہنچادو
یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بنرجی تشریف لائے، انھوں نے اپنے ان سعادت مند
شاگردوں کی طرف دیکھا، اور اپنا ئیت کے لہجہ میں دریافت کیا۔

"ارے تم لوگ کب آئے"!

سب لوگ مؤدب ہو گئے، بنرجی پاس آکر کھڑے ہو گئے بستر پر ایک نظر ڈالی
اور گویا تعارف کراتے ہوئے کہا،

"یہ میری لڑکی اوما ہے"!

پھر مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا،

"تکمیل تعلیم کے لئے ولایت گئی ہوئی ہے آج کل، چند ماہ میں آجائے
گی"!

پھر سب خاموش ہو گئے، کام کی باتیں کر کے چلے آئے، لیکن اوما کی
تصویر خاموش سب کے دل پر نقش ہو گئی، اور اب وہی تصویر، خاموش تصویر
گویا بنکر، اور زیادہ قیامت بلکہ قتالہ عالم بن کر ولایت سے آگئی تھی، اس سے باتیں
ہوں گی، اسے دیکھیں گے، اس کا قرب حاصل ہوگا، یہ بہت بڑی نعمت بے
مانگے مل گئی تھی، سب نے جوش و خوش کے ساتھ یہ دعوت شبینہ قبول کر لی"!

---

(۵)

# اوما

پروفیسر بنرجی گھر پہنچے اور آتے ہی اوما کو پکارنا شروع کر دیا، وہ اپنے کمرہ میں بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی، باپ کی آواز سنتے ہی لپکی اور پوچھا،

پاپا کیا آپ مجھے پکار رہے تھے؟

پروفیسر نے ٹوپی ایک طرف پھینکی، کوٹ ایک طرف پھر اس طرح جیسے کوئی مجرم کسی جرم کا اقرار کرتا ہے فرمایا،

"ہاں بیٹی، آج میں نے اپنے کچھ شاگردوں کو مدعو کیا ہے ڈنر پر!"

اس نے مسکرا کر باپ کی طرف دیکھا، اور کہا،

"بہت اچھا کیا کتنے آدمی ہوں گے؟"

"پروفیسر صاحب نے فرمایا ہم سب ملا کر سات آٹھ آدمی ہوں گے، لیکن عبدل کہاں ہے؟"

اوما باپ کی پریشانی سے لطف لے رہی تھی کہنے لگی،

"وہ تو پندرہ دن کی چھٹی لے کر گیا ہے، اس کی ماں سخت بیمار ہے!"

پروفیسر تڑپ گئے،

"کیا کہا وہ پندرہ دن کی چھٹی پر گیا ہے؟ کیوں جانے دیا اسے؟"

وہ بولی تو کیا کرتی پاپا، وہ تو اپنی ماں کو یاد کر کے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا، مجھ سے اس کی یہ حالت نہ دیکھی گئی، اور میں نہ بھی رخصت دیتی تو وہ استعفا دے کر چلا جاتا۔"

پروفیسر صاحب دھم سے کرسی پر اس طرح بیٹھ گئے، جیسے گر پڑے ہوں، اپنے گنجے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے بولے،

"پھر اب کیا ہوگا؟ —————— وہ لونڈے بغیر کھائے ہوئے تو جانے کے نہیں۔"

اوما کو باپ کی پریشانی مزا دے رہی تھی، اس نے کہا،

"بسکٹ، جام، پیسٹری یہ چیزیں بازار سے لے آیئے میں چائے بنا دوں گی۔"

پروفیسر نے تقریباً روتے ہوئے کہا،

"بسکٹ؟ جام؟ پیسٹری؟ —————— بیٹی میں نے چائے پر نہیں ڈنر پر بلایا ہے۔"

اوما ہنسنے لگی، "تو پاپا آپ اتنے پریشان کیوں ہوتے ہیں، آٹھ ہی آدمی تو ہیں، میں تیار کر لوں گی سب کچھ۔"

پروفیسر خوش ہو گئے، تحسین آمیز نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا، اور یقین نہ کرنے کے انداز میں پوچھا،

"تو تیار کرے گی؟ تو کھانا پکا لے گی؟"

اوما نے جواب دیا، "تو کیا ہوا پتاجی، کیا مجھے کھانا پکانا آتا نہیں؟ یا آپ کا خیال ہے میں لندن جا کر بھول گئی سب کچھ؟ ——————

بنرجی نے فخر سے بھری ہوئی نظر بیٹی پر ڈالی اور گویا ہوئے،
نہیں میں ایسا کیوں سمجھتا، ——— لیکن تو اکیلی ———
ادما نے پُر اعتماد لہجہ میں کہا، "ہاں میں اکیلی کر لوں گی سب کچھ آپ بے فکر رہئے"!
پروفیسر صاحب مطمئن ہو کر اپنے اسٹڈی روم میں چلے گئے، اور ماڈرن ریویو کے لئے ایک مقالہ لکھنے میں مصروف ہو گئے، ادما باورچی خانے کا جائزہ لینے پہنچ گئی،

ادما پروفیسر بنرجی کی اکلوتی لڑکی تھی، ماں کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا، باپ نے ماں کی طرح پال پوس کر بڑا کیا، پڑھایا، لکھایا، اور لندن تک بھیج دیا، کردار اور سیرت میں ادما بالکل باپ کا چربہ تھی، قومیات سے اسے بھی بڑی دلچسپی تھی، جیل جانے کا تو اب تک اتفاق نہیں ہوا تھا، لیکن خیالات انتہا پسندانہ تھے، انگریزی کی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود انگریزوں سے سخت متنفر، ان کی سامراجی پالیسی سے بے حد بیزار، آزادیٔ وطن کی علمبردار، اور اس مقصد جلیل کے لئے ہر قربانی اور ایثار کے لئے تیار، لندن میں بھی جب تک رہی، اس نے کھدر کی ساری ترک نہیں کی، اس کی زندگی صفائی، سادگی، اور کفایت کا نمونہ تھی،
باپ سے جو کچھ پیسے مہینے مل جاتا تھا، اس میں گزر کرتی تھی، بنرجی معقول تنخواہ پاتے تھے، لیکن گھر تک آتے آتے اس کا بڑا حصہ ختم ہو جاتا تھا، کسی کا وظیفہ مقرر تھا کسی کو قرض دے دیتے تھے، کسی کی اعانت کر گزرتے تھے، کسی کو ضرورت مند اور پریشان دیکھ کر اپنی طرف سے "قرض" کی پیشکش کر دیتے تھے، جس روز وہ لندن سے آئی وہ مہینے کی پہلی تاریخ تھی، بنرجی نے یونیورسٹی سے آتے ہی تین سو روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے، اور تمام ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گئے، باقی روپے کے متعلق ادما نے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی، وہ جانتی تھی باقی رقم کار خیر میں ختم ہو گئی، اس رقم میں اس نے

مہینہ بھر کا بجٹ" بنایا اور اطمینان سے اپنے کام میں لگ گئی، بجٹ آسانی سے
بول بن گیا کہ اس کی اور پروفیسر صاحب کی غذا حد درجہ سادہ تھی تنعمات کی قسم
مصارف کی کوئی مد نہیں تھی، یہ بجٹ بنانے کے بعد بھی تھوڑی سی رقم بچ ر
اور آج جب اسے دعوت کا حال معلوم ہوا تو اسے کوئی دشواری لاحق نہیں ہوئی، ا
نے جاکر باورچی خانہ کا جائزہ لیا، اور پھر خود ہی جاکر، ضروری سامان بازار سے خر
لائی اور کھانا پکانے میں لگ گئی،

پروفیسر تو اپنے اسٹڈی روم میں اطمینان سے بیٹھے خطبۂ صدارت لکھ
رہے تھے، اور اوما کھانے پکانے میں لگی تھی۔

عام طور پر ابلی ہوئی سبزیاں اور ترکاریاں اس گھر کی غذا کا سب سے بڑا عنصر
تھیں، اور سبزیوں نے اپنے شاگردوں کو بتا بھی دیا تھا کہ دعوت شیراز ہوگی، لیکن
اوما کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ مہمانوں کی تواضع صرف ابلی ہوئی ترکاریوں اور سبزیوں
سے کی جائے،

گو وقت کم تھا، لیکن اس مختصر وقت میں بھی اس نے بہت کچھ کر لیا، بیگن کا بھرتا
آلو کے کباب، مولی کی بھجیا، مونگ کی بھنی ہوئی دال، تلی ہوئی اروی، مٹر کے ساتھ بھرے
ہوئے چاول، پوری سموسے دہی بڑے، اور دو تین قسم کی خاص بنگالی مٹھائیاں،
مغرب کے قریب اپنے کام سے فارغ ہو کر باپ کے کمرہ میں پہنچی وہ اب تک
خطبۂ صدارت میں مشغول تھے، اس نے جاتے ہی کہا،

ارے آپ اب تک لکھے جا رہے ہیں پاپا؟

پروفیسر صاحب نے سر اٹھا کر بیٹی کو محبت بھری نظروں سے دیکھا، اور کہنے
لگے،

ہاں بیٹی، ——— بس تھوڑا سا باقی ہے، ادھر تم کام سے فار غ

ہو ئیں، ادھر میں نے خطبۂ صدارت ختم کیا،

ادما مسکرانے لگی، "پاپا میں تو اپنا کام کر بھی چکی، !"

پروفیسر صاحب نے قلم ایک طرف رکھ دیا،

"سچ؟ واقعی؟ ——— لیکن بیٹی کوئی ایک آدھ چیز زیادہ پکالی ہوتی، !"

وہ اپنا تبسم روکنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی، "پاپا میں تو بہت کچھ پکا ڈالتی، لیکن کوئی ہاتھ بٹانے والا بھی تو ہوتا، عبدل کی ماں کو بھی اس وقت بیمار پڑنا تھا، اور اسے آج ہی جانا تھا، !"

پروفیسر صاحب نے بیٹی کی مجبوری سمجھتے ہوئے، اور اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا،

"ہاں یہ تو سچ ہے، ——— پھر بھی کیا پکایا ہے تم نے؟"

وہ بولی، "بس پوریاں پکالی ہیں، اور تھوڑی سی آلو کی ترکاری ———"

پروفیسر صاحب اس "مینو" سے کچھ خوش نہیں ہوئے، لیکن مجبوری کا دوسرا نام صبر ہے، کہنے لگے،

"ٹھیک ہے، ! ——— کافی ہے، ! اپنے شاگرد ہی تو ہیں، کچھ غیر تو نہیں ہیں، !"

یہ کہہ کر انھوں نے قلم سنبھالا تھا ادما نے اصرار کے ساتھ کہا،

"چل کر ذرا چکھ تو لیجیے، !"

پکے ہوئے کھانے کو چکھنے میں پروفیسر صاحب کو ہمیشہ سے بہت لطف آتا تھا فوراً آمادہ ہو گئے، لکھتے لکھتے تھک بھی گئے تھے، فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ادما کے ساتھ کچن میں پہنچے، یہاں آئے تو اتنے متنوع قسم کا کھانا دیکھ کر

آنکھیں کھل گئیں، حیرت سے بیٹی کی طرف دیکھا،

"یہ سب تو نے پکایا ہے، ؟ !"

ادما کے خوب صورت ہونٹوں پر تبسّم کھیلنے لگا،

اور کون آگیا تھا پاپا میرا ہاتھ بٹانے، ——— لیکن ذرا چکھ

لیجئے !"

پروفیسر صاحب نے ایک ایک چیز تفصیل سے چکھی، اور خاص طور پر میٹھے

کو تو اتنی تفصیل سے چکھا کہ ادما گھبرا گئی، آخر اسے ٹوکنا پڑا،

"پاپا مہمانوں کو تو آنے دیجئے، !"

پاپا نے ہاتھ کا ٹکڑا منہ میں رکھا، اور شیرہ سے بھرا ہوا ہاتھ دست شفقت

طور پر بیٹی کے سر پر رکھتے ہوئے فرمایا،

"تیرے ہاتھ میں اتنا سواد ہے یہ تو آج معلوم ہوا، ———

ہماری بیٹی بڑے کام کی ہے، ہر فن مولا ہے ہماری بیٹی، باورچی بھی، خانساماں

اور حلوائی بھی، !"

اور پھر بغیر ہاتھ دھوئے، کمرہ میں جا کر خطبۂ صدارت سے الجھ گئے، اد

یاد دلایا،

"وقت ہو گیا پاپا اب وہ لوگ آتے ہی ہوں گے، !"

پروفیسر صاحب نے قلم چلاتے ہوئے کہا، "جب آئیں تو مجھے بلا لینا

اتنے میں اسے ختم کر ہی لوں، !"

پروفیسر صاحب پھر خامہ فرسائی میں مصروف ہو گئے، ادما آکر ڈرائنگ

میں بیٹھ گئی " !

(٦)

# تیکھی باتیں

اوما ڈرائنگ روم میں بیٹھی ریڈیو سے شغل کر رہی تھی کہ کچھ لوگوں کے باتیں رنے کی آواز آئی، وہ اٹھ کر دروازے پر آئی، تو چند نوجوان جو یونیورسٹی کے طالب علم علوم ہو رہے تھے، آتے نظر آئے، وہ سمجھ گئی، یہ پاپا کے شاگردان باتمیز ہیں پاک اور گرم جوشی کے ساتھ ہر ایک سے ملی، طالب علم، طالب علم آپس میں بہت لد بے تکلف ہو جاتے ہیں، تعارف کی رسم بھی ایک دوسرے تے خود ہی انجام ے لی، اوما نے باپ کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے کہا،

" پاپا خطبۂ صدارت لکھنے میں مشغول ہیں، ابھی فارغ ہو جائیں گے، !"

اقبال نے کہا، خدا کرے دیر تک لکھتے رہیں ہمیں تو در اصل آپ سے ملنے شتیاق تھا، اور الحمد و للّٰہ کہ آپ مشغول نہیں ہیں،

اوما ہنسنے لگی، اقبال نے اطمینان سے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا، "کچھ ندن کی خبریں سنائیے ــــــــــــ"

اوما بولی، بڑا اچھا شہر ہے، دھوپ کم نکلتی ہے، بارش بہت ہوتی ہے، کہر کی وجہ سے طبیعت اکتا جاتی ہے، سردی بھی غضب کی پڑتی ہے، !"

انجم نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا، "یہ سب کچھ تو ہمیں معلوم ہے، کوئی نئی
بات بتایئے، !"

اوما نے مسکراتے ہوئے کہا، آپ کے لئے نئی بات کیا ہو سکتی ہے، کیا چیز
ہے جو آپ لوگوں کو معلوم نہیں؟

" اختر کیوں چپ رہتا، کہنے لگا، جی ہاں یہ تو سچ ہے، لیکن شنیدہ کے بود
مانند دیدہ، ؟"

وہ ایک دل آویز تبسم کے ساتھ گویا ہوئی، تو پھر کوئی خاص بات پوچھئے، آپ
نے عام بات پوچھی، میں نے جواب دے دیا، !"

اختر سوچنے لگا کہ کیا پوچھے؟ جاوید نے اسے خاموش دیکھ کر کہا، وہاں کا
نظام تعلیم کیسا ہے؟ "

" بہت اچھا، اساتذہ فرض شناس، طالب علم محنتی، اور اپنی ذمہ داریوں کو
محسوس کرنے والے، کھیل کے وقت کھیلتے ہیں، پڑھنے کے وقت پڑھتے ہیں
کھیل پر، پڑھنے کو ترجیح نہیں دیتے، پڑھنے پر کھیل کو ترجیح نہیں دیتے، ! "

" غربت اور امارت کے درمیان وہاں بھی کشمکش ہے؟ بلکہ اصل سوال یہ ہے
کہ غربت اور امارت کی تفریق وہاں بھی موجود ہے؟"

" کیوں نہیں ہے؟ ایسٹ انڈ میں جایئے، تو غربت اور فلاکت کے سوا کچھ
نظر نہ آئے گا، ویسٹ انڈ کا رخ کیجئے، تو ثروت اور امارت ابلتی ہوئی نظر آئے
گی، !"

" وہاں کمیونزم کیوں نہیں فروغ پاتا؟"

" وہاں کسی ازم کا فروغ پانا بھی مشکل ہے، اس لئے کہ انگریز اپنے روایات
عادات، اصول حیات، اسلوب زندگی، طور وطریق، اور وضع و انداز میں انتہا

قدامت پرست ہے کہ کسی تبدیلی پر رضامند نہیں ہو سکتا، !"

" بے وقوف ہے، !" اقبال نے کہا،

" لیکن آپ سے کم، !" ادما بولی،

سب لوگ ہنسنے لگے، اور اقبال کچھ جھینپ سا گیا، ادما نے اس کی یہ کیفیت محسوس کر لی،

دیکھئے اقبال صاحب بات یہ ہے کہ اگر کوئی ہمیں بے وقوف بنا کر، ہم پر حکومت کرنے لگے، تو وہ ہم سے تو عقلمند ہوا؟ اور ہم اس کے مقابلہ میں بہر حال بے وقوف ہوئے،

اقبال کو گفتگو آگے چلانے کا سہارا مل گیا،

آپ تو سیاسیات پر آگئیں، اور بدقسمتی سے مجھے اس چیز سے ذرا دلچسپی نہیں"!

ادما کی تیوری چڑھ گئی، "کیوں کیا آپ دیس میں نہیں رہتے؟ کیا اس دیس نے آپ کو روٹی نہیں دی؟ کپڑا نہیں دیا؟ دولت نہیں دی؟ گھر نہیں دیا؟ زمینداری اور جاگیرداری نہیں دی؟ جس دیس نے آپ کے ساتھ اتنا کچھ کیا ہے اس سے آپ اس درجہ بے تعلق ہیں کہ اس کی زندگی اور موت سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، ؟

یہ سوال کچھ ایسے تیکھے انداز میں ادما نے کیا کہ اقبال پر گھڑوں پانی پڑ گیا، ادما پر اپنا سکہ بٹھا لینے کی فکر میں تھا، لیکن یہاں معاملہ برعکس نکلا، اس نے بات بناتے ہوئے کہا،

" یہ بات تو نہیں کہ مجھے وطن سے کوئی دلچسپی نہ ہو، ہے اور بہت زیادہ ہے لیکن یہ کام میں نے گاندھی جی، جواہر لال، مولانا آزاد، رفیع احمد قدوائی وغیرہ پر چھوڑ دیا ہے، !"

یہ کہہ کر دوسروں کا انتظار کئے بغیر وہ گویا اپنی داد دیتے ہوئے ہنس پڑ
لیکن اوما کی سنجیدگی بدستور قائم تھی، اس نے اسی تیکھے لہجہ میں سوال کیا،
" اور خود اپنے لئے کیا کام رکھا ہے ؟ وطن کی آبرو سے کھیلنا، وطن ک
لاش پر ٹھوکر لگانا، وطن کی پکار پر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینا ؟ آپ جیسے تعلیم
اور ذہین لوگ اگر اس طرح کی باتیں کر سکتے ہیں تو دوسروں سے کیا توقع کی جا سک
ہے، ؟ لیکن میں نے غلطی کی۔ یہ کمزوری آپ ہی لوگوں میں ہے، ورنہ بیچار
جاہل اور غریب، تو بڑے شوق سے وطن کے لئے پھانسی پر بھی لٹک جا
ہیں، اور جیل بھی چلے جاتے ہیں، اور سر و سینہ پر، لاٹھیاں بھی مردانہ استق
سے کھا لیتے ہیں، ! "

یہ عجیب و غریب باتیں سنکر سناٹا چھا گیا سب پر،

اقبال کی حالت سب سے زیادہ قابل رحم تھی، دل ہی دل میں اپنے آ
کو ملامت کر رہا تھا کیوں اس جھاڑ کے کانٹے سے دامن الجھا بیٹھا ؟ اس موقع
جاوید نے پھر اقبال کی مدد کی، اس نے اوما کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

مس اوما دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، اور ہر شخص اپنے ذوق
رجحان کے مطابق کام کرتا ہے، جسے سیاست سے دلچسپی ہے وہ سیاست
حصہ لیتا ہے، جس کا دوسرے مشاغل کی طرف رجحان ہے وہ ادھر متوجہ ہو
اسی کا نام تقسیم عمل ہے، اسی طرح دنیا کا کام چلتا ہے، ہمارے اقبال صا
سیاست سے بے شک دلچسپی نہیں رکھتے، لیکن، ————

اوما نے بات آگے نہ چلنے دی، کہنے لگی، مانتی ہوں آپ سچ کہتے
لیکن جس بے تعلقی اور بیگانگت، بلکہ میں کہوں گی، جس حقارت سے اقبا
نے سیاست وطن سے بے تعلقی کا اظہار کیا، اس سے مجھے تکلیف ہوئی، !

جاوید نے کہا، "اور اگر میں اقبال کی طرف سے معافی مانگ لوں، ؟ !"

اوما نے مسکراتے ہوئے کہا، "تو میں معاف کردوں گی، !"

جاوید نے خوش ہو کر کہا، تو پھر معاف کر دیجئے، !"

اوما ہنسنے لگی، "معاف کر دیا، !"

فضا پر جو بدمزگی اور تلخی کی کیفیت طاری ہوگئی تھی وہ دور ہوگئی، اسی اثنا میں پروفیسر بنرجی تشریف لے آئے، اگرچہ خطبۂ صدارت ختم کر چکے تھے، لیکن قلم اب تک ہاتھ میں تھا، انھیں دیکھتے ہی سب لوگ سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے، وہ آکر جاوید کے پاس بیٹھ گئے،

جاوید نے سلسلۂ گفتگو شروع کرتے ہوئے کہا،

"سنا ہے آپ خطبۂ صدارت لکھ رہے تھے، !"

پروفیسر صاحب نے جواب دیا، "ہاں ابھی لکھ رہا تھا، لکھ آیا ——————

واقعہ یہ ہے کہ انگریز جب تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر قابض ہیں، اس وقت تک امن و امان کی نعمت میسر نہیں آسکتی دنیا کو، !"

جاوید نے پرزور تائید کرتے ہوئے کہا، جی ہاں اور کیا، اور کتنی حیرت انگیز بات ہے، ایک چھوٹی سی قوم کتنی قوموں کو اپنی حکمت عملی سے غلام بنائے ہوئے ہے، ہندوستان جو ایک پورا براعظم ہے، اس کا غلام، برما، سیلون، ملایا، سنگاپور، عدن، مشرقی افریقہ، قبرص، فلسطین، مصر، عراق، نائجیریا، اور نہ جانے کہاں کہاں اس کی حکومت قائم ہے، !———————— اور اصول وہی لڑاؤ اور حکومت کرو، !"

بنرجی نے اپنے شاگرد کو، اور مس اوما نے اپنے باپ کے شاگرد کو داد و تحسین کی نظروں سے دیکھا، پھر وہ بولی،

"لیکن اگر ہم لڑنا چھوڑ دیں، تو ان کی حکومت خود بخود پکے ہوئے پھل کی طرح زمین پر آرہے گی،!"

بنرجی نے بیٹی کی تائید کی، بے شک بے شک، بالکل یہی بات میں نے اپنے خطبۂ صدارت میں بھی لکھی ہے، لیکن اب انگریز کے ہاتھ ایک نیا لٹکا آگیا ہے جنگ کہتا ہے جب تک اتحادیوں اور محوریوں، یا جمہوریت، اور فاسطیت کی یہ جنگ نہیں ختم ہو جاتی، کچھ نہیں ہو سکتا ——————

جادیبد نے انگریزوں پر لعنت ملامت کرتے ہوئے کہا، لیکن میں تو نہیں مانتا کہ یہ جنگ، جمہوریت اور فاسطیت کی ہے، یہ مفاد پرستوں کی جنگ ہے،

اوما بول پڑی، اور سوال یہ ہے کہ ہم اپنی آزادی کے لئے جنگ کے ختم ہونے کا انتظار کیوں کریں؟

بنرجی نے محبت بھری نظروں سے بیٹی کو دیکھا، اور گویا ہوئے،

"یہی مہاتما جی بھی کہتے ہیں،!"

انجم نے پہلو بدلتے ہوئے کہا،" لیکن، آزادی اس وقت تک نہیں مل سکتی، اور میرا خیال ہے کہ ملنی بھی نہیں چاہئے جب تک ہندو مسلم اتحاد نہیں ہو جاتا،!"

اوما کی تیوری چڑھ گئی، اس نے تلخ لہجہ میں پوچھا، کیوں"؟"

انجم نے جواب دیا، "پھر سول وار شروع ہو جائے گی، پانی کی طرح خون بہے گا۔ ہم سب انسان سے درندے بن جائیں گے، ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچیں گے، گردن کاٹیں گے، —————— کم از کم میں تو ایسی آزادی کا ایک لمحہ کے لئے بھی تصور نہیں کر سکتا، میں تو ایسی آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہوں،!"

اوما نے جواب دیا، " اگر آپ خودکشی کا فیصلہ بھی کر لیں تو کون آپ کو روک سکتا ہے، لیکن اگر خانہ جنگی کے بغیر آزادی نہیں مل سکتی، تو میں خانہ جنگی کا خیر مقدم

کرنے کو تیار ہوں، اگر آزادی کی شرط یہ ہے کہ پہلے ہم ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچیں خون چوسیں، گردنیں کاٹیں، تو میں اسے بھی گوارا کر لوں گی، ! "

انجم نے طنز کیا، " بڑی با ہمت ہیں آپ ——————

بنرجی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، لیکن میاں انجم اگر یہ سب کچھ ہوا بھی تو سوال یہ ہے کہ کب تک ہوگا؟ کیا ہم ہمیشہ ہمیشہ ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچتے اور خون چوستے رہیں گے۔ ایک سال، دو سال، پانچ سال، دس سال، بیس سال، اس کے بعد تو ہم آدمی بن جائیں گے، اس کے بعد تو ہم ایک دوسرے کو سمجھیں گے، ! "

انجم اس دلیل سے متاثر نہیں ہوا، لیکن آدمی بننے اور ایک دوسرے کو اتنی مدت بعد سمجھنے کی یہ قیمت بہت گراں ہے "؟ " —————— کم از کم میں تو یہ قیمت ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، ! "

اوما بولی، " لیکن یہ صرف تصورات، اور توہمات ہیں۔ دیکھ لیجئے گا۔ آزادی ملتے ہی یہ سارے طوفان جو آج قیامت خیز اور ہلاکت آفریں نظر آ رہے ہیں خود بخود جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں گے، ! "

" کس طرح ؟ —————— میری سمجھ میں تو نہیں آتا، ! " انجم نے کہا،

" اس طرح کہ آج ہر شخص یا ہندو ہے، یا مسلمان یا سکھ ہے یا عیسائی یا پارسی ہے، یا کچھ اور، لیکن آزادی کے بعد ہر شخص ہندوستانی رہ جائے گا، ! "

بنرجی نے سر ہلاتے ہوئے کہا،

" ہاں بیٹے آزادی کے بعد ہر شخص صرف ہندوستانی رہ جائے گا، ؟ "

انجم نے اس دلیل کو تسلیم نہ کرتے ہوئے کہا، " ہندوستانی تو اب بھی ہے ہر شخص، ! "

اوما ہنستی ہوئی بولی، " ایسا مسلمان بھی ہے اور ہندوستانی بھی، ہندو بھی ہے

اور ہندوستانی بھی، عیسائی بھی ہے اور ہندوستانی بھی، سکھ بھی ہے، اور ہندوستانی بھی، !"

"انجم نے سوال کیا، "تو کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ پھر ہر شخص اپنی قومی انفرادیت سے محروم ہو جائے گا؟"

بنرجی نے سمجھاتے ہوئے کہا، نہیں بیٹے، قومی انفرادیت، سے کیوں محروم ہونے لگا، لیکن نہ یہ لڑانے والے رہیں گے، نہ وہ لڑے گا، اور قومی انفرادیت کا تعلق تو صرف ذات سے ہے، اور وطن کا، پورے معاشرہ سے تم نماز پڑھو، میں معترض نہیں ہوتا، میں بتوں کی پوجا کروں تم معترض ہونے کا حق نہیں رکھتے، اس طرح تم مسلمان ہو، میں ہندو ہوں، لیکن جب کسانوں کا سوال اٹھے گا، تو دہ ہندوستانی کسان ہوں گے، ہندو مسلم کوئی نہیں، جو قانون بنے گا وہ کسانوں کے لئے بنے گا، ہندو مسلم کسانوں کے لئے نہیں، اسی طرح مزدور، ہندوستانی مزدور ہوں گے، اجرت بڑھے گی تو مزدوروں کی بڑھے گی، نہ کہ ہندو مسلم مزدوروں کی!"

انجم نے پھر ایک طنز کیا، جی ہاں، مزدور جب رکھا جائے گا، تو ہندو مزدور کو مسلمان مزدور پر ترجیح دی جائے گی، ——————

جاوید بگڑ گیا، "نہایت تنگ نظر، اور حد درجہ فرقہ پرست شخص ہو تم"!"

انجم نے برا نہیں مانا، لیکن یہ "تنگ نظری اور فرقہ پرستی، پیدا کس نے کی ہے —————— تم اگر مجھ سے محبت کرو، میں نفرت نہیں کر سکتا، تم اگر مجھ پر احسان کرو، میں تمہیں دغا نہیں دے سکتا، تم میرے حقوق کا خیال کرو، تو کسی طرح بھی میں تمہاری وفاداری سے منحرف نہیں ہو سکتا، لیکن اگر تم نفرت کرو، تو میں بھی نفرت کروں گا، اگر تم مجھ پر احسان نہیں کرتے تو میں شکر گزار کیوں ہوں؟ اگر تم میرے حقوق پامال کرتے ہو، تو ضرور جھگڑوں گا —————— کیا یہ سب کچھ اس لئے جائے

ہے کہ تم مجھ سے طاقتور ہو؟ میرے ساتھی چند ہیں، اور تمہارے ساتھی بہت سے؟"

تم نے مجھے تنگ نظر نہیں کہا، اپنی قوم کو یعنی مسلمانوں کو کہا ہے، تم نے مجھے فرقہ پرست نہیں کہا، اپنی قوم کی سب سے بڑی موثر، فعال، اور بااثر تنظیم مسلم لیگ کو کہا ہے، لیکن میرے دوست گالیاں دینے سے مسئلے حل نہیں ہوتے، !"

انجم کی اس گفتگو نے فضا کا مزاج بالکل بدل دیا، اس طرح کی باتیں آج تک بنرجی نے اپنے کسی شاگرد سے نہیں سنی تھیں، انھوں نے کوشش کی بیڈ ڈرائنگ روم، ڈیبیٹنگ ہال نہ بننے پائے، کہنے لگے،

" سوال کانگریس اور مسلم لیگ کا نہیں آزادی کا ہے بیٹے، ———— اگر ہمیں لڑنا ہی ہے تو آزادی کے بعد نہیں لڑ سکتے؟"

انجم نے ادب سے لیکن نہایت صفائی سے کہا، پروفیسر صاحب، بعض مسئلے ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے وقت حل کئے جاتے ہیں بعد از وقت نہیں حل کئے جا سکتے، پھر تو وہی مثل صادق آتی ہے کہ ہر کہ بعد از جنگ یاد آید، ہر کلمۂ خود باید کرد، !"

بنرجی نے ہنسی میں اس بات کو ٹالنا چاہا،

" ہندو اور مسلمان، دونوں اس دیس میں اب بھی رہتے ہیں، اور آزادی کے بعد بھی رہیں گے، جس طرح آزادی سے پہلے اپنے مناقشے حل کر سکتے ہیں، آزادی کے بعد کیوں نہیں کر سکتے، بلکہ اس وقت زیادہ ٹھنڈے دل سے حل کر سکیں گے کیونکہ انگریز رخصت ہو چکے ہوں گے، جو ایک سے بھائی دوسرے سے بدظنی کرتے رہتے ہیں، !"

انجم بڑا ضدی تھا، یہ بات بھی نہیں مانی، کہنے لگا، پروفیسر صاحب اس دلیل سے مجھے سخت اختلاف ہے، آج کانگریس اور مسلم لیگ دو برابر کی جماعتیں ہیں،

آج ہندو اور مسلمان دو حریف تو ہیں ہیں، لیکن آزادی کے بعد یہ صورت قائم نہیں رہے گی، !

اقبال بنرجی سے زیادہ مس اُدما سے متاثر ہو چکا تھا، اس نے پوچھا،

"آزادی کے بعد یہ صورت کیوں نہیں قائم رہے گی جناب ؟"

انجم نے اس کی طرف مخاطب ہوئے بغیر، بدستور پروفیسر بنرجی سے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"اس لئے کہ اس وقت حکومت اکثریت کے ہاتھ میں ہوگی، ہندو اکثریت میں مسلمان اقلیت میں، پھر اگر مسلمانوں نے سر اٹھایا، تو وہ حریف نہیں، باغی اور غدار تصور کئے جائیں گے، اور جس طرح باغیوں اور غداروں کو بے رحمی سے کچل دیا جاتا ہے انھیں بھی کچل دیا جائے گا، پھر مسلم لیگ کی زبان پر تالا لگ جائے گا، وہ بیک جنبش قلم اسی طرح غیر قانونی جماعت قرار دے دی جائے گی جس طرح، انگریزوں نے کانگرس کے ساتھ کئی بار کیا ہے، لہذا، نمٹنے، مسئلہ طے کرنے، اور مشکل حل کرنے کا پہلا اور آخری وقت یہی ہے، ؟"

ادما نے مسکراتے ہوئے پوچھا، "انجم صاحب آپ ضرور مسلم لیگ کے ممبر ہیں، ——— ہیں نا ؟"

بغیر کسی جھجک کے انجم نے کہا، "جی ہاں ہوں تو، ! اور شاید ابھی تک یہ کوئی جرم نہیں ہے، !"

بنرجی نے ایک قہقہہ لگایا، بڑے تیز ہو بھئی ——— بہر حال تمہاری آزاد خیالی اور آزاد گفتاری مجھے پسند آئی، اپنے عقاید کے بارے میں انسان کو اتنا ہی جری ہونا چاہیئے، !"

پھر وہ ادما سے مخاطب ہوئے،

ویٹی کھاتا، ـــــــ اگر انجم سے کھانے کے بعد بحث کرتیں تو شاید اتنے جارحانہ حملے نہ کرتا، لیکن بھوک نے اسے بیتاب کر رکھا ہے، ؟"

ادما اٹھ کھڑی ہوئی، "ابھی لیجئے، !"

عبدل تو تھا نہیں کھانا اسی نے پکایا تھا، اسی نے ڈائننگ روم میں جا کر سلیقہ سے چنا، پھر آکر حاضرین سے مخاطب ہوئی،

"تشریف لے چلئے، !"

سب ایک دوسرے پر گرتے پڑتے جلدی جلدی ڈائننگ ہال میں پہونچے اندیشہ یہ تھا کہ ابلی ہوئی ترکاریاں اور سبزیاں ملیں گی لیکن، میز پر رنگا رنگ کا کھانا سجا ہوا تھا، سب بسم اللہ کر کے ٹوٹ پڑے، تھا بھی بڑے مزے کا، ہر شخص نے بھوک سے زیادہ کھایا، پھر جب مٹھائی کی باری آئی، اور نہایت لذیذ قسم کی مٹھائیاں کھانے کو ملیں تو سب کے دل باغ باغ ہو گئے، بڑی دیر تک کھانے کی مدح و ثنا میں ـــــــ قصیدے پڑھے جاتے رہے، ادما مسکرا مسکرا کر یہ باتیں سنتی رہی، بمزجی بھی بہت خوش ہوئے بیٹی کی دستکاری کی تعریفیں سن سن کر، باچھیں کھلی جا رہی تھیں، !

---

(۷)

## محمود آباد ہوسٹل

پروفیسر بنرجی کے گھر پر تو خیریت ٹل گئی، لیکن ہوسٹل میں آکر یہ لوگ پھر
دوسرے سے الجھ پڑے، جاوید اور اقبال، محمود آباد ہوسٹل کے مکین تھے،
اختر بٹلر ہوسٹل میں رہتے تھے، یونیورسٹی کمپاؤنڈ میں پہنچنے کے بعد دو دو
کی ٹولی جب اپنے اپنے ہوسٹل کی طرف مڑی تو، اقبال نے تالیف قلب
سے انجم سے اصرار کیا، رات اپنی ہے چلو ذرا گپ کریں گے، وہ جاوید سے کا
اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا نہیں بھائی کافی رات آگئی ہے، لیکن اختر
اقبال کا ساتھ دیا، اور انجم کو گھسیٹتا ہوا محمود آباد ہوسٹل پہنچ گیا، اقبال نے
" پہلے چائے کا دور چلنا چاہیے، !"
اختر نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ اسٹول پر کیتلی رکھ دی، اور پندر
کے اندر اندر چائے کا دور چلنے لگا، جاوید بھی انجم جیسے دوست کو خفا کرنا
اب تک تو وہ الگ تھلگ رہا، لیکن ضبط نہ کر سکا، کہنے لگا،
"بھئی انجم تم تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے، اتنا بھی جذباتی نہیں
انسان کو، !"

اختر نے لقمہ دیا، اور وہ بھی مس ادما کے سامنے، انہیں کی خاطر سے ہاں میں
ں ملا دیتے،

اقبال نے ایک گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے ترنگ میں آکر کہا،
و بھئی، ہمارا جہاں تک تعلق ہے، ہم تو مس ادما کے ساتھ ہیں،

میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھو ہو اب ان نے تو،
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا'!

خدا کی قسم کس غضب کی کشش ہے اس ادما میں، جو بات کہتی ہے دل میں
ں جاتی ہے، جو نکتے آج اس نے بتائے ہیں ان پر کبھی میں نے غور ہی
یا تھا، !"

جاوید نے چائے ختم کرنے کے بعد پیالی الگ رکھتے ہوئے کہا،
تمہارا ایمان بہت کمزور ہے'!'

اقبال بگڑ گیا، "یہ کیوں جناب؟"

جاوید نے جواب دیا، تمہاری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ خود کچھ نہیں سوچتے
دوسروں کی رائے پر چلتے ہو، اور وہ بھی صنف لطیف کی، شاہینہ کی وجہ سے
سلام کے مبلغ بن گئے، اب مس ادما نے کانگرسی بنا دیا، کل مس مارگریٹ برطانوی
زم کا پرستار بنا دیں گی'!"

اختر نے چونک کر پوچھا "مس مارگریٹ؟ ——————— یہ کون ذات
ت ہیں؟"

جاوید نے بڑی سادگی سے کہا، ہیں ایک صاحبہ لندن میں انتظار کر رہی ہیں اقبال
ٹ کرو یہ وہاں جاتے ہی ان کے ہم خیال بن کر آئیں گے'!"

اقبال نے پاکٹ سے سگریٹ کیس نکالا، اور ایک سگریٹ جاوید کی طرف

بڑھاتا ہوا بولا،

"جی نہیں میں اتنا ڈھلمل یقین نہیں ہوں، ——— کہتا ہوں وہی با
سمجھتا ہوں جسے حق، !"

"اختر نے بڑا چبھتا ہوا سوال کیا،" لیکن یہ حق بات اس شان، اور اس لب و لہج
میں شاہلینہ کے سامنے کہہ دو گے ؟"

" اقبال نے تڑ سے جواب دیا،" بشرطیکہ اس وقت تک یہی رائے رہی، !"

اس برجستہ اور بے ساختہ جواب پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا،

اقبال نے اس نازک موضوع سے پیچھا چھڑانے کے لئے ایک نئی تجو ی
پیش کر دی!

"کیا حرج ہے اگر برج کی مشق کرلیں ہم لوگ، ذرا ہاتھ صاف ہو جائے گا"

اختر نے پرزور تائید کی، "واہ بھئی واہ، نیکی اور پوچھ پوچھ، نکالو پتے، !"

جاوید نے انکار کر دیا، میں تو معافی چاہتا ہوں، مجھے اپنے روٹھے دوست
انجم کو منانا ہے، دیکھو اب تک اس کا منہ پھولا ہوا ہے، !"

آخر جب جاوید کسی طرح راضی نہ ہوا، اور انجم بھی منہ پھلائے بیٹھا رہا، تو ا
اور اختر نے بساط بچھا کر شطرنج شروع کر دی، جاوید نے انجم کی طرف سگریٹ بڑھ
ہوئے کہا،

"کب تک روٹھے رہو گے ؟"

انجم نے سگریٹ لے لیا اور کہا،

"روٹھا تو نہیں ہوں، لیکن اس بات پر افسوس ہوتا ہے کہ تم لوگ تص
کا ایک رخ دیکھتے ہو، اور چاہتے ہو دوسرے بھی یہی کریں، مسئلہ کا صر
ایک پہلو تمہارے سامنے ہوتا ہے، دوسرے پہلو پر نہ غور کرنے کی

سمجھتے ہو، نہ کسی دوسرے کو یہ حق دینا چاہتے ہو'!"

"جاوید نے کہا، یہ بات نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ میں وطن کو اس کا حق دینا چاہتا ہوں تم نہیں دینے'!"

انجم پھر چڑ گیا، "یہ یک طرفہ فیصلہ ہے، وطن سے جتنی تمہیں محبت ہے۔ مجھے بھی ہے، وطن کی فلاح و بہبود کا جتنا تمہیں خیال ہے، مجھے بھی ہے، اس لئے کہ وطن جس طرح تمہارا ہے، میرا بھی ہے، لیکن مجھ میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ تم نے اسے بت بنا لیا ہے، اور اس کی پوجا شروع کر دی ہے، اور میں خدا کے سوا کسی کو قابل پرستش نہیں سمجھتا'!"

جاوید ہنسنے لگا، " واہ جناب مولانا، کیا دور کی کوڑی لاتے ہیں آپ، گویا ہم خدا کے منکر ہیں'! جناب اگر آپ خدا پرست ہیں، تو خاکسار خدا رسیدہ ہے کان کھول کر سن لیجئے،

دیکھیو غالب سے گر الجھا کوئی

ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

"میرے دوست کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں مسلمان نہیں ہوں؟ مجھے اسلام سے تعلق نہیں ہے،؟ مجھے مسلمان قوم سے محبت نہیں ہے'؟"

انجم نے جواب دیا، "ہاں میرا یہی خیال ہے'!"

جاوید بگڑ گیا یہ تمہاری زبردستی ہے،

انجم اپنی بات پر اڑا رہا، میں نے سچی بات کہی ہے، ——————

جاوید نے جرح کرتے ہوئے پوچھا، "بات صرف اس لئے سچی ہے کہ تم کہہ رہے ہو؟"

انجم نے دوسرا سگرٹ سلگاتے ہوئے کہا،

"سچ بہر حال پر سچ ہے خواہ کوئی کہے"!

"لیکن کم از کم یہ تو سچ نہیں ہے"!

"ضرور ہے —————— میں نے تم سے کہا تھا، میں اپنے وطن سے محبت کرتا ہوں، اور جھوٹ نہیں کہا تھا، یہاں کے در و دیوار سے مجھے محبت ہے یہاں کے دریاؤں اور صحراؤں میں کشش محسوس کرتا ہوں، یہاں کے پہاڑوں اور ٹیلوں سے مجھے اپنایت کا احساس ہوتا ہے، یہاں کے جنگل کھیت، راستے سڑکیں، پگڈنڈیاں، سب سے میری طبیعت مانوس ہے، وطن سے باہر جانے کا جب خیال آتا ہے تو کسی طرح بھی دل آمادہ نہیں ہوتا، چند روز کے لئے بھی کہیں باہر چلا جاتا ہوں تو دل یہیں اٹکا رہتا ہے، اور جب واپس آتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے، ایک بہت بڑی نعمت چھن گئی تھی، پھر سے مل گئی ہے، لیکن اس شیفتگی، اس تعلق خاطر، اس محبت کے باوجود، میں وطن کو چھوڑنے، اس سے دستکش ہونے، اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخت سفر باندھ لینے کو تیار ہوں،

---

جاوید بیچ میں بول پڑا،

"لیکن کیوں؟، کس نے مجبور کیا ہے تمہیں ترک وطن پر، —؟

انجم نے جواب دیا،

میرے وطن نے، میرے ہم وطنوں نے"!

جاوید نے الجھتے ہوئے کہا،

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ مدعا واضح ہو!؟"

انجم نے بتایا، "اس لئے کہ میرا وطن مجھ سے منافرت کا برتاؤ کرتا ہے، میرے ہم وطن نہیں چاہتے کہ میں یہاں رہوں، وہ اگر مجھے رہنے کی اجازت د

ہیں تو ناقابل قبول شرائط کے ساتھ ——————

جاوید نے پھر مداخلت کی،

"عجیب عجیب باتیں سننے میں آ رہی ہیں، وہ ناقابل قبول شرائط کیا ہیں؟"

انجم نے کہا، وہ ناقابل قبول شرائط یہ ہیں کہ میرے ہم وطن صاف اور واضح الفاظ میں مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میں اپنی قومی و ملی انفرادیت سے دستبردار کیا جاؤں، لیکن کسی قیمت پر بھی میں ایسا نہیں کر سکتا، وہ چاہتے ہیں، اپنی تہذیب اپنے تمدن، اپنی معاشرت، اپنے روایات کو فراموش کر کے یہاں رہوں، یہ بھی میں نہیں کر سکتا، ان کی خواہش ہے کہ میں اپنی خودی کا شیشہ توڑ دوں، ظاہر ہے جیتے جی تو ایسا نہیں کروں گا، ان کا مطالبہ ہے کہ ان کے روایات، ان کی تہذیب، ان کی معاشرت، قبول کر لوں، میں اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کرتا ہوں، وہ اکثریت کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، میں ایسی حکومت کبھی نہیں قائم ہونے دوں گا، ان کے نزدیک جمہوریت یہ ہے کہ اقلیت، اکثریت کے سامنے گھٹنے ٹیک دے، میں ایسی جمہوریت کو دور سے سلام کرتا ہوں، وہ مجھے طعنہ دیتے ہیں کہ میں وفادار نہیں، میں اس طعنہ کو انہی کی طرف منتقل کر دیتا ہوں، اور کہتا ہوں،

ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں،

پھر میں یہاں رہ کر کیا کروں؟ وطن میں رہ کر اجنبی کی سی زندگی کیوں بسر کروں؟ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے فرمایا تھا،

اے مکہ تو مجھے بہت عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے!"

اس طرح میں بھی اس وطن سے رخصت ہوتے وقت، یہاں کے در و دیوار پر حسرت کی نگاہ ڈالوں گا، اور کہوں گا،

اے ہندوستان تو مجھے بہت پیارا ہے، میرا جی نہیں چاہتا کہ تجھے چھوڑ دو
لیکن، مجبور ہوں، تیرے سپوت نہیں چاہتے کہ میں یہاں رہوں، انھوں نے میر
زندگی اجیرن کر دی ہے،؟"

جاوید ہنسنے لگا، "یار تم تو بہت بڑے ڈرامہ نگار، اور اعلیٰ درجہ کے ادا
بن سکتے ہو، ایسے موثر الفاظ کہ میری آنکھیں آب گوں ہوگئیں، ایسی مکمل اداکار
کہ میرا جی چاہنے لگا کپڑے پھاڑ دوں اور صحرا کی راہ لوں لیکن اگر برا نہ مانو تو پوچھ
اہل وطن نے کس طرح تمہاری زندگی اجیرن کر دی ہے،؟"

انجم نے اسی سنجیدگی اور متانت سے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا
"کیوں اتنے بھولے بنتے ہو،؟"

جاوید نے بھی سنجیدہ لب و لہجہ میں کہا،
"بخدا میں نہیں سمجھ سکا کہ تمہیں شکایت کیا ہے برادران وطن سے؟"

انجم نے طنز کرتے ہوئے کہا، پولٹیکل سائنس کے طالب علم ہو، صحافت
اپنا پیشہ بنانا چاہتے ہو، اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ مجھے یعنی میری قوم کو، یعنی
قوم کو برادران وطن سے شکایت کیا ہے؟

جاوید نے جواب دیا، "وہ شکایتیں جو آئے دن اخبارات میں شائع ہوتی
ہیں، یا غلط ہیں، یا مبالغہ آمیز ہیں، رائی کو پہاڑ بنا دینا، پروپیگنڈہ کرنے وال
کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، کوئی ٹھوس بات ہو تو بتاؤ،!"

انجم نے بحث کی طوالت سے تنگ آکر کہا،
"کتنی ٹھوس چیزیں پیش کروں،؟ یہ اکثریت جو جمہوریت کا نام لے کر
حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی تیاریاں کر رہی ہے جب اپنے ہم مذہبوں کے
اتنی تنگ دل ہے کہ کروڑوں آدمیوں کو اچھوت بنا رکھا ہے، تو دوسروں

ساتھ عالی ظرف اور وسیع القلب کیسے ہو سکتی ہے، اچھوتوں کو چھوڑو، خود مسلمانوں کے ساتھ بھی چھوت چھات کا برتاؤ جو قوم اپنا مذہبی فریضہ سمجھتی ہو اس سے کیا توقع کی جا سکتی ہے؟'

جاوید نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا، یار ٹرے نمک حرام ہو، ابھی ایک میز پر، مس اوما، اور بنرجی کے ساتھ کھانا ہڑپ کر کے آرہے ہو، اور یہ باتیں کر رہے ہو؟"

انجم نے ذرا تلخ ہو کر کہا، بنرجی ہندو قوم کے نمائندے نہیں ہیں، ان کی ہندو ویت بھی مشتبہ ہے، ان پر کفر کے فتوے لگ چکے ہیں'——

جاوید پھر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا،

اماں کچھ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ کفر کے فتوے مولوی دیتے ہیں یا پنڈت؟"

انجم کی سنجیدگی اب تک قائم تھی، کہنے لگا، لفظی جنگ نہ کرو، بنرجی بے شک بڑی حد تک بے تعصب، روادار، فراخ دل اور معقول آدمی ہیں لیکن بنرجی کی حیثیت سے، ہندو کی حیثیت سے نہیں'——

جاوید نے پھر قطع کلام کیا، "یہ تو بڑی نازک اور فلسفیانہ بات کہہ گئے تم، ——بنرجی کی حیثیت اور ہندو کی حیثیت میں کیا فرق ہے؟" کیا بنرجی ہندو نہیں ہیں،؟

انجم نے ایک اور سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا،

"اگر بنرجی ہندو ہیں، تو پھر ہندو قوم ہندو نہیں ہے، !"

جاوید کو پھر ہنسی آگئی، "یہ ایک اور نیا فلسفہ ارشاد ہوا!" بھائی آج تمہیں ہو کیا گیا ہے، اگر میں، تمہیں اچھی طرح نہ جانتا ہوتا تو ضرور یہ فیصلہ کر دیتا

کہ شراب پیتے ہوئے، اور بہک گئے ہو، ——— کچھ سمجھ بھی رہے ہو کیا کہ گئے تم؟"

انجم نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا،

"بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے، تم مستثنیات کو کلیات ثابت کرانا چاہتے ہو، یہ حماقت یا سادہ لوحی یا جہالت کی انتہا ہے، اگر کسی مسلمان کو کوئی شراب پیتے دیکھ کر کوئی یہ فیصلہ کر دے کہ مسلمان من حیث القوم شرابی ہیں تو اسے کیا کہا جائے گا؟ ہندو جی کی رواداری، بے تعصبی، اور چھوت چھات سے لا تعلقی ان کا ذاتی فعل ہے، قومی فعل نہیں ہے، قومی فعل دیکھنا چاہتے ہو، تو کسی ہندو رسٹورنٹ میں شیروانی پہن کر جاؤ، اور ذرا کھانا کھا کر سلامت آجاؤ تو جانوں؟ ریلوے کے کس اسٹیشن پر ہندو پانی اور مسلمان پانی نہیں ملتا، کسی اسٹیشن پر ہندو ریفریشمنٹ روم اور مسلم ریفریشمنٹ روم نہیں پائے جاتے، کسی حلوائی سے پوری لے کر دیکھو، مٹھائی خرید کر دیکھو، اس طرح ہاتھ بچا کر سودا دے گا کہ صاف معلوم ہوتا ہے اگر اس کا ہاتھ چھو گیا، تو یہ ناپاک ہو جائے گا ——— کیا انکار کر سکتے ہو؟"

جاوید نے بھی نہ ماننے کی قسم کھائی تھی، کہنے لگا،

"یہ جاہلوں کی باتیں ہیں، پڑھے لکھے لوگ اب ان باتوں سے بہت دور ہیں!"

انجم شاید جاوید کو قائل کرنے پر تلا ہوا تھا گویا ہوا،

"جی ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ چھوت چھات سے اب زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے لیکن انھوں نے اب دوسری قسم کی چھوت چھات شروع کر دی ہے،

"(متحیر ہو کر) وہ کونسی قسم کی چھوت چھات کیا ہے؟ ذرا یہ بھی بتا دو!!"

"قومی تعصّب، !"

"قومی تعصب کس میں نہیں ہے؟ —— کیا مسلمان اس الزام سے بری ہیں'؟"

"بالکل بری نہیں ہیں، ان میں قومی تعصب ہے! اور میرا خیال ہے، ہر قوم میں ہونا چاہئے، لیکن یہ قومی تعصب جب عدل، انصاف، مساوات، اور اقدارِ انسانی کا گلا گھونٹنے لگے تو بڑا گھناؤنا اور قابلِ نفرت ہوجاتا ہے'!"

"مانتا ہوں، لیکن اس سے کیا ثابت ہوا؟"

"یہ کہ اکثریت کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اسی طرح کا تعصب کارفرما ہے'؟"

"ہاں ہے —— لیکن صرف فرقہ پرستوں میں، اور میرے بھائی فرقہ پرست کس قوم میں نہیں ہوتے، لیکن ہندوؤں کا نیشنلسٹ اور قوم پرور طبقہ اس مرض سے پاک ہے'!"

"(قہقہہ لگاتے ہوئے) کیا بات کی ہے واللہ —— اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا'!"

"یعنی آپ کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں بھی تامل ہے؟"

"یہ حقیقت ہی نہیں ہے سرے سے'!"

"پھر کیا ہے؟"

"حقیقت سے گریز —— انڈیا ایکٹ کے ماتحت جب صوبائی خودمختاری عالمِ وجود میں آئی، اور بمبئی، سی پی، یوپی، بہار، اڑیسہ وغیرہ میں کانگرسی حکومتیں قائم ہوئیں تو کیا وہ نیشنلسٹ نہیں تھیں؟"

"ضرور تھیں'! —— وہی تو تھیں نیشنلسٹ؟"

"مگر انھوں نے کیا کیا؟"

"آپ بتائیے انسائیکلو پیڈیا صاحب'!"

"وارد ہا اسکیم کا نام تو سنا ہوگا، کیا وہ تعصب کا شاہکار نہیں تھا؟ آخر کیوں مسلمان لڑکوں کو پرارتھنا میں شرکت پر مجبور کیا جاتا تھا؟ بندے ماترم کا مقدس ترانہ خود آپ کی زبان مبارک پر بار ہا جاری ہوا ہوگا، کیا یہ ترانہ بنگالی کی مسلم حکومت کے خلاف چٹرجی نے نہیں لکھا تھا؟ اردو میری اور آپ کی مادری زبان ہے، اور یہ نہ عرب سے آئی ہے نہ ایران سے، یہیں اسی ملک میں بنی، اور تشکیل پذیر ہوئی ہے، لیکن کالجوں، یونیورسٹیوں، اور سرکاری اداروں سے کان پکڑ کر کس طرح نکال دی گئی، کیا آپ نہیں جانتے، ؟" ——— کیا یہ سب تعصب کی، گھناؤنے تعصب کی مثالیں نہیں ہیں، !؟"

ہیں، ——— لیکن ان کی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا مسلمانوں کے سوا کسی اور پر؟"

"مسلمانوں پر کس طرح میرے دوست؟"

"اگر مسلمان جوق در جوق کانگریس میں شریک ہوتے تو ان کی بھی آواز میں اثر ہوتا، ان کے مطالبہ میں زور ہوتا، ان کی تجویزیں عمل میں آتیں، لیکن انھوں نے تو کانگریس کا بائیکاٹ کر رکھا ہے، ان کی عدم موجودگی میں جو فیصلہ ہوگا، آخر وہ کیوں انہی کے حق میں ہو؟ ان کے خلاف بھی ہو سکتا ہے،!"

"میرے بھولے، نادان، اور بے وقوف دوست! یہ تو بتاؤ، مسلمان، کانگریس سے کیوں الگ ہیں،؟ اور کب سے الگ ہیں؟"

"کیوں الگ ہیں یہ تو تم جانتے ہوگے، ؟ کب سے الگ ہیں اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ شروع سے، ——— سرسید اور آغا خاں نے انھیں کانگریس سے ڈرایا، اور انگریزوں کی وفاداری کی تعلیم دی، وہ کانگریس میں شریک نہیں ہوئے، اور انگریزوں کے گن گاتے رہے،!"

"ان معلومات کے ساتھ اگر تم نے میدان صحافت میں قدم رکھا، تو واقعی لال بجھکڑ
حیثیت سے کوئی تمہارا حریف نہیں ہوگا، !"

"گالیاں دینے سے حقائق نہیں بدلا کرتے، !"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں اسی لئے جی چاہتا ہے کہ گالی دوں، مگر نہیں ہوتا، !"

"تو گویا ان حقائق کو، —— مسلمانوں کی سیاسی غلطیوں، کوتاہیوں
و ہیوں، اور ناعافیت اندیشیوں کو —— تسلیم کرتے ہو؟"

"نہیں بھائی، جب تک میرا دماغ صحیح ہے اتنی بڑی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی
ہے، —— یہ سرے سے حقائق ہی نہیں ہیں، !"

"پھر کیا ہیں؟" "تم ہی بتا دو،"

"جھوٹ کا پلندا، !" "شرمناک جھوٹ، !"

یکایک آواز آئی،

"وہ مارا، ——"

اختر نے اقبال کو، مات دے دی تھی، !

## (۸)

# بزمِ شبینہ

اختر کا نعرہ فتح اتنا مستانہ اور پرجوش تھا کہ جاوید اور انجم چونک پڑے اور دونوں اس طرف دیکھنے لگے، انجم نے کہا، یہ اختر کی دیرینہ عادت ہے، غوغا آرائی کے بغیر اسے کھانا ہضم نہیں ہو سکتا اور آج ضرورت سے زیادہ کھا گیا ہے لہذا اس طرح کے مزید نعرے سننے کے لئے تیار رہیئے،

جاوید ہنسنے لگا، اس نے سگریٹ انجم کی طرف بڑھایا لیکن اس نے معذرت کر دی جاوید نے اطمینان سے سگریٹ نکالا اسے سلگایا، اور ایک بڑا سا کش لگانے کے بعد کہا،

"ہاں انجم صاحب تو آپ میری باتوں کو جھوٹ کا پلندا بلکہ شرمناک جھوٹ سمجھتے ہیں ؟" دیکھے جاییئے اپنی زیادتیاں"!

انجم نے نرمی اور ملاطفت کے لہجہ میں کہا میں اپنے مفہوم کے لئے دوسرے الفاظ بھی تلاش کر سکتا ہوں، کہہ سکتا ہوں، آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ناواقفیت کا نتیجہ ہے،

جاوید ہنسنے لگا، لیکن انجم صاحب بات تو ایک ہی ہوئی، ——— الفاظ کے بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی، میں بہرحال آپ کی نظر میں جھوٹا کا حج

رہا، مگر بندہ ہار ماننے والا نہیں، آج کی گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ کم از کم ہمارے اختلاف کی بنیاد واضح تو ہو سکے، !

انجم نے سگریٹ کیس جاوید کے سامنے سے اٹھا لیا، اور اس سے شغل کرتے ہوئے کہا،

تمہارا خیال یہ ہے کہ کانگرس سے اگر مسلمانوں کے حق میں بے انصافیاں اور زیادتیاں سرزد ہوتی ہیں تو اس لئے کہ مسلمان اس میں شریک نہیں ہیں، اگر شریک ہوتے تو ان کی بھی آواز ہوتی، ان کا بھی اثر ہوتا، یہی نا ؟ "

جاوید نے اقرار کر لیا، ہاں بالکل یہی،

انجم نے کہا، لیکن میرے دوست کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ مسلمان کانگرس سے نکلے کیوں ؟،

جاوید ہنسنے لگا، " کتنا معصومانہ سوال ہے، ارے بھائی، سید احمد خاں اور آغا خاں نے انھیں کانگرس میں گھسنے ہی کب دیا تھا کہ نکلنے کا سوال پیدا ہوتا؟

انجم نے ترش لہجہ میں کہا، " اسی کو میں ناواقفیت کہتا ہوں، !"

" تم اگر سفید کو سیاہ کہنے لگو تو میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں، شوق سے کہو، !"

" لیکن تم اگر سیاہ کو سفید کہو تو کوئی بات نہیں ؟

" (ہنستے ہوئے) یہ تو ضلع جگت شروع ہو گئی، "

" پھر کیا کیا جائے، جیسی کہو گے ویسی سنو گے، !"

" بہر حال تم میرا جھوٹ ثابت نہیں کر سکے، !"

" میں تو تم سے اس طرح کھیل رہا ہوں جس طرح بلّی چوہے سے کھیلتی ہے بھلا تم میرے مقابلہ میں ٹھہر سکتے ہو، ؟ "

خوش فہمی کی انتہا ہے، " حسن اور اس پہ حسن ظن " واقعی ایسے میں کچھ نہیں

کیا جا سکتا، سوائے سر تسلیم خم کر دینے کے'،!"

"اچھا یہ بتاؤ کیا تم نے محمد علی کا نام سنا ہے'؟"

کیوں نہیں سنا ہے،

کون تھے یہ صاحب'؟"

بڑے اچھے اور قابل آدمی تھے، انگریزی بڑی عمدہ لکھتے تھے، کامریڈ ...

ایڈیٹر تھے، ہمدرد کے مدیر شہیر تھے، تحریک خلافت کے روح رواں ...

کئی مرتبہ جیل گئے، نظر بند ہوئے، گول میز کانفرنس لندن میں ایک شاندار تقر...

اور مر گئے، بیت المقدس کی مسجد عمر میں دفن ہوئے، اقبال نے انہی کا مرثیہ ...

خاک قدس اورا بہ آغوش تمنا در گرفت

رفت زاں راہے کہ پیغمبر گزشت'، !

جلوۂ او تا ابد باقی بہ چشم آسیا ست ،

گرچہ آں نور نگاہ خاور از خاور گزشت

یک نفس جان نزار او تپید اندر فرنگ

تا ثرہ بزہم زنیم از ماہ و پروین در گزشت ،

اقبال نے بہت سے مرثیے لکھے ہیں، لیکن اتنا شاندار اتنا زور دار، اتنا ...

مرثیہ کبھی نہیں لکھا، جب بھی یہ اشعار پڑھتا ہوں مجھ پر وجد کی کیفیت طار...

جاتی ہے، ——————

"(مسکراتے ہوئے، تمہارے اندر اچھا آدمی بننے کے جراثیم ہیں،

کافی ہیں،!"

"شکریہ، —————— جی آگے چلئے، محمد علی کا اس گفتگو سے کیا تعلق ...

"بہت بڑا، اور بہت گہرا تعلق ہے'،!" —————— کیا کانگ...

معار اعظم محمد علی ہی نہیں تھا؟ کیا گاندھی جی کو مہاتما گاندی بنانے والا محمد علی کے
وا کوئی اور تھا ؟ کیا وہ محمد علی ہی نہیں تھا، جس نے جواہر لال کو، جو الہ آباد
ونسپلٹی کی چیرمینی پر قانع تھے، فرش سے عرش پر پہنچا دیا، اور صدر کانگرس
وتے ہی انھیں کانگرس کا سکریٹری بنا لیا؟ کیا وہی نہیں تھا جس نے خلافت
ہند سے کانگرس کو مالی امداد رقم خطیر کی صورت میں دی، اور سارے ہندوستان
ا گاندھی جی کو اسی روپیہ سے دورہ کرایا؟ کیا وہی نہیں تھا، جو آخر وقت تک
چینجر (NO. CHANGER) یعنی کانگرس کے اس گروہ سے وابستہ رہا،
س کا اقبال کے الفاظ میں عقیدہ تھا،

مجلس آئین و اصلاح و رعایات وحقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

ب موتی لال، سی آر داس، مولانا آزاد، اور دوسرے بڑے بڑے کانگرسی زعما
نسلوں میں جانے کے لئے زور لگا رہے تھے۔ محمد علی گاندھی جی کے ساتھ
ل کر نعرہ لگا رہا تھا، یہ سب ڈھکو سلہ ہے، جب تک ہم آزاد نہ ہو جائیں، نہ
نسل ہمارے روگ کی دوا ہے، نہ اسمبلی، نہ وزارت، نہ سفارت، کیا وہ محمد علی
ی نہیں تھا، جس نے ایک موقع پر نمائندہ پریس سے کہہ دیا تھا ؛ اگر مجھے نام ساج
ر رام راج میں سے ایک کو منتخب کرنا ہے، تو میں رام راج کو نام راج پر
رجیح دوں گا، کیا وہ محمد علی ہی نہیں تھا، جس نے انگریزوں سے ترک تعاون کی
ریک کامیاب بنائی، گاندھی جی بنارس ہندو یونیورسٹی کو بند نہ کرا سکے، لیکن محمد علی
نے مسلم یونیورسٹی پر تالا لگوا دیا، کانگرس نے اپیل کی کہ انگریزی عدالتوں کا
ئیکاٹ کیا جائے، اور وکیل وکالت چھوڑ دیں، سرکاری ملازم استعفا دیدیں،
ور وزارت کی کرسی خالی کردیں، لیکن گاندھی جی کی بہترین اپیلیں اور کوششیں بھی

موتی لال کو یعنی جواہر لال کے والد کو پریکٹس کرنے سے نہ روک سکیں، لیکن محمد علی
یہ مسئلہ جب ہاتھ میں لیا تو آگ لگ گئی۔ عدالتیں سنسان ہو گئیں، وکیلوں نے وکا
ترک کر دی، بیرسٹروں نے بیرسٹری چھوڑ دی، وزیروں نے وزارت پر لات مار
جو ہزارہا روپیہ ماہوار کماتے تھے۔ وہ فاقے کرنے لگے، مگر ان کی جبین استقلا
پر بل نہ آیا، اور پھر کیا وہ محمد علی ہی نہیں تھا، جس نے، وہ کیا جو کوئی دوسرا بڑے سے
بڑا ہندو مسلم بندہ نہ کر سکا تھا، ——————

"کیا کیا ——— بڑی دلچسپی سے تمہاری باتیں سن رہا ہوں؟"

"شکریہ ——— محمد علی نے براہ راست علی الاعلان، کھلے بندوں
سے اپیل کی کہ بارک سے باہر نکل آؤ، بغاوت کے الزام میں اس پر مقدمہ
گیا، اور اسے سزا دے دی گئی، اس موقعہ پر بے ساختہ مولانا آزاد کہہ ا
تھے، اور وہ ہم سے بازی لے گیا، !"

"واقعی کتنے شاندار اور عظیم الشان کارنامے ہیں، ——————محمد علی
نام پر تم سے اپیل کرتا ہوں کہ کانگرس میں آجاؤ، !"

(ہنستے ہوئے) محمد علی کے نام پر میری اپیل تم سے یہ ہے کہ کانگر
کے قریب بھی نہ پھٹکو، جب کانگرس محمد علی کی قدر نہ کر سکی تو تمہاری کیا کر سکے گی
اتنے عظیم و جلیل کارنامے ہرگز نہیں انجام دے سکتے جو محمد علی نے انجام
تھے، ——————— لیکن پہلے محمد علی کے لازوال کارنامے سن لو، !

"ضرور سناؤ، بڑے شوق سے سن رہا ہوں، !"

"گاندھی جی جیل سے رہا ہو کر ۱۹۲۴ء میں واپس تشریف لائے، یہ بڑا
زمانہ تھا۔ ہندو مسلم فسادات شروع ہو چکے تھے، سوامی شردھانند کانگر
بڑے لیڈر تھے، ان کا بڑے محبت بھرے اور شاندار الفاظ میں جواہر ل

نے اپنی خود نوشت میں ذکر کیا ہے، یہ جیل سے قبل از وقت یعنی میعاد پوری ہونے سے پہلے رہا کر دیئے گئے، لوگ کہتے ہیں انگریزوں سے سمجھوتہ کر کے رہائی حاصل کی، بہرحال جیل سے آتے ہی جنگ آزادی میں حصہ لینے کے بجائے شدھی اور سنگھٹن کی تحریک شروع کر دی"!،

"یہ کیا سوجھی تھی اس پیرِ مرد کو؟"

"کیوں نہ سوجھتی،؟ ——— شدھی کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہندو بنا لیا جائے، سنگھٹن کا مقصد یہ تھا کہ ہندو جسمانی اعتبار سے اتنے مضبوط کر دئے جائیں کہ جب ہندو مسلم فساد ہو، ہندو مسلمانوں کی سرکوبی کر دیا کریں اچھی طرح'

———

"بہرحال وہ کانگرس سے نکل گئے تھے، کانگرس سے باہر رہ کر انھوں نے یہ تحریک شروع کی، کانگرس کا اس سے کیا تعلق؟ کانگرس کا جہاں تعلق ہے، اس نے تو اس تحریک میں حصہ نہیں لیا،!"

"کیسے نہیں لیا،!"

"پھر تم نے بہکنا اور واہی تباہی بکنا شروع کر دیا؟"

"میں جھوٹ نہیں کہتا، جو کچھ کہتا ہوں، اس کی دلیل بھی رکھتا ہوں، ثبوت بھی رکھتا ہوں، ——— تم نے مجھے فرقہ پرست کہا تھا، لیکن بالآخر تمہیں ماننا پڑے گا، سب سے بڑی فرقہ پرست جماعت وہ ہے جس نے نیشنلزم کا پرچم بلند کر رکھا ہے،!"

"وہی بے سر و پا اور جذباتی باتیں، جن کا نہ سر ہے نہ پاؤں،!" ———

اختر نے پھر اقبال کو مات دی، اور پھر ایک مرتبہ غلغلۂ فتح سے سارا کمرہ گونج اٹھا!

———

## (۹)
## آتار چڑھاؤ

اختر اور اقبال کی ہنگامہ آرائی سے تھوڑی دیر دلچسپی لے کر، انجم نے جاوید
کہا،

"یہ صحیح ہے کہ کانگریس شدھی اور سنگٹھن کی موجد نہیں تھی، علمبردار نہیں تھی
اس تحریک سے اسے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن، ملک کی اکثریت سب سے زیادہ
جس جماعت کی مطیع و منقاد تھی، وہ یہی جماعت تھی، ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ جس
جماعت کی سفا کی بے چوں وچرا قبول کرنا تھا وہ یہی تھی، ملک کے عوام کی اکثریت
جس جماعت کا دم بھرتی تھی وہ یہی تھی، لہذا، کانگریس اگر کھل کر اس فتنہ پرور اور تفرقہ انگیز
جماعت کے مقابلہ میں آجاتی، اس کی مخالفت کرتی، تو یہ ایک دن بھی قائم نہ رہ سکتی تھی
——— کانگریس نے اپنا یہ فرض نہیں انجام دیا لیکن محمد علی نے دیا،

"یعنی محمد علی شردھانند سے لڑے؟"

"صرف اکیلے شردھانند ہی سے نہیں، ہر اس شخص سے لڑے جو آزادیٔ ہند
کے راستہ میں پتھر بن کر کھڑا ہوا!" انھوں نے دوستی، تعلقات، عزیز داری
کسی چیز کی پروا نہیں کی، وہ سب سے لڑے، وہ جو مکھی جنگ لڑے، انھوں نے

خواجہ حسن نظامی سے، جن سے ان کے بڑے گہرے روابط تھے اور جو ہمدرد پریس کو ہزاروں روپیہ پہلینہ کا کام دیتے تھے لڑائی مول لی، ــــــــ

"خواجہ حسن نظامی ؟ "

"ہاں، ــــــــ دہلی کے مشہور پیر طریقت اور زندہ جاوید ادیب خواجہ صاحب سے محمد علی اس لئے لڑے کہ انھوں نے سوامی جی کے مقابلہ میں تبلیغ کا مورچہ قائم کر لیا تھا، اور مسلمان شدہی سے مشتعل اور برانگیختہ ہو کر کانگرس سے متنفر اور بیزار ہو کر ان کا ساتھ دے رہے تھے، محمد علی نے خواجہ صاحب کی مخالفت کی، اور ڈٹ کر کی، دوستی ختم، تعلقات منقطع، منفعت کا دروازہ بند لیکن جنگ پوری شدت سے جاری ہے، ــــــــ بالکل اسی طرح ڈاکٹر کچلو سے جنگ عظیم شروع کر دی ــــــــ

"ڈاکٹر کچلو، ؟، وہ تو بڑے بھاری کانگرسی ہیں، پنجاب کانگرس کے صدر بھی ہیں، ! "

"جی ہاں اب ــــــــ "

"اور تب ــــــــ ؟ "

"تب وہ جمعیتہ تنظیم کے روح رواں تھے، جو سنگھٹن کے مقابلہ میں قائم ہوئی تھی، ! "

"ڈاکٹر کچلو اور تنظیم ؟ ڈاکٹر کچلو اور فرقہ پرستی ؟ "

"جی ہاں، ــــــــ اور وہ بھی اتنی شدید کہ محمد علی نے انھیں مجلس خلافت کی صدارت سے مستعفی ہونے پر مجبور کیا، اور ان کی سیاسی زندگی مسلمانوں میں ختم کر دی، تب کوئی راہ فرار نہ دیکھ کر وہ کانگرس میں گئے ۔ ! "

"بہت خوب، ــــــــ عجیب عجیب انکشافات ہوئے ہیں آج تو، ؟ "

" سنتے جاؤ، میرے دوست،

چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے

فسانہ دل زار کا کہتے کہتے ، !

"اور ایک بات اور بھی سن لو، ! "

"سناؤ، سن رہا ہوں، ! "

"یہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو، محمد علی کے بڑے گہرے اور جگری دوست تھے
رفیق زنداں بھی رہ چکے تھے، ان کی قابلیت ذہانت، فراست اور خلوص کے محمد علی
گن گاتے تھے۔ لیکن جب اصول سے ٹکر ہوئی، تو محمد علی نے کچلو کو دشمن بنانے
ایک لمحہ کا تامل بھی نہیں کیا، ساری دوستی بالائے طاق رکھ دی، ! "

"متاثر ہو گیا سچے اور کھرے آدمیوں کا شعار یہی ہوتا ہے، ! "

"محمد علی نے خواجہ حسن نظامی سے جنگ کیوں کی، کچلو کو اپنا دشمن کیوں بن
———— کیا کسی ذاتی غرض کے لئے ؟ " ———— جواب

دو جاوید، ! "

"ذاتی غرض کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا؟ "

" ہاں ذاتی غرض کا کوئی سوال نہیں تھا، یہ جنگ عظیم محمد علی نے اس لئے
کی تھی کہ وہ کہا کرتا تھا، ہندوستان کو پہلے آزاد ہو جانے دو، پھر اپنے آپس
کے تعلقات ہم طے کریں گے، ! "

" بالکل ٹھیک، یہی تو میں کہتا ہوں، ! ———— اس سے زیادہ میں
اور مطالبہ کیا ہے تم سے ؟ "

"عقل کے دشمن سنو تو، ! "

"اب بھی باقی ہے کچھ ؟ "

" ہاں بہت کچھ،" ـــــــــــ محمد علی کا خیال تھا کہ خواجہ صاحب اور ڈاکٹر صاحب یہ تحریکیں چلا کر آزادی کی منزل کو دور کیے دے رہے ہیں، یہی بنیاد تھی جنگ کی، ؟"

"کتنی صحیح اور ٹھوس بنیاد تھی، !"

"لیکن محمد علی نے گاندھی جی سے یہی مطالبہ کیا، محمد علی نے ان سے کہا، میں تبلیغ اور تنظیم کی تحریکوں کا زور توڑتا ہوں، آپ شدھی اور سنگھٹن کے خلاف مورچہ بنا ییئے، تاکہ مسلمان تبلیغ و تنظیم کے جادو سے، اور ہندو شدھی اور سنگھٹن ـــــ کے سحر سے متاثر نہ ہوں، اور دونوں مل کر انگریز سے لڑیں، ہندوستان کو آزاد کرائیں، اور اس کے بعد اپنے معاملات طے کر لیں، !"

"بالکل درست مطالبہ تھا،" ـــــــــــ اور گاندھی جی نے کیا بھی یہی، !"

"میرے دوست المیہ تو یہی ہے کہ گاندھی جی نے یہ نہیں کیا، انھوں نے کہا میں سوامی جی کا احترام کرتا ہوں، ان کے خلاف مورچہ کیسے بنا سکتا ہوں، جب زیادہ زور دیا گیا تو جانتے ہو کیا فرمایا، ؟"

"جانتا ہوں تو بھی تمہاری زبان سے سننے میں لطف ہی اور ہے، !"

گاندھی جی نے فرمایا "میں چھپا ہوا کارتوس ہوں، !" میرا کوئی اثر باقی نہیں رہ گیا ہے، میرے لئے اس وقت گوشۂ عافیت ہی بہترین مسکن ہے، چنانچہ بمبئی میں ساحل سمندر کے ایک پر فضا مقام جوہو پر جا کر بیٹھ رہے، اور معلوم ہے اس کا نتیجہ کیا ہوا ؟"

"بھئی مجھ سے کچھ نہ پوچھو، جو کچھ کہنا ہے کہتے جاؤ، میں دلچسپی اور توجہ سے سن رہا ہوں، !"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد علی کا اثر مسلمانوں میں کم ہونے لگا، وہ بد نام ہو گئے

ان پر تہمت لگائی گئی، کہ کانگرس سے روپیہ لے کر، مسلمانوں کو دبا رہے ہیں
ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ چاہتے ہیں، سارے ہندوستان کے مسلمان ہندو ہو جائیں
اور ہندوستان کے ہندو انھیں ہڑپ کر جائیں، رفتہ رفتہ ان سے عقیدت کم ہونے
لگی، ان کی باتوں کو لوگ اس کان سنتے اس کان اڑاد یتے، ان کی عظمت اور دفعت
ختم ہو گئی، وہ یوسف بے کارواں بن کر رہ گئے، ———— لیکن گاندھی جی
بدستور اپنے مقام پر فائز رہے، اس لئے کہ انھوں نے اس جنگ میں کوئی حصہ
نہیں لیا تھا، ! "

"بہرحال گاندھی جی انسان ہیں فرشتہ نہیں ہیں، ہو گئی غلطی، ! "

"غلطی ہو جانی تو کوئی بات نہ تھی، ہر غلطی معاف کی جا سکتی ہے، خواہ وہ ہمالیہ
جیسی کیوں نہ ہو، لیکن جو غلطی سوچ سمجھ کر کی جائے، اسے نہیں معاف کیا جا سکتا
کم از کم تاریخ اسے معاف نہیں کر سکتی، ! "

"ٹھیک ہے آگے چلو، ! "

" اقبال سے نہیں، تو اس کے کلام سے تو یقیناً تمہیں عقیدت ہے ؟ "

بہت زیادہ میں تو جان دیتا ہوں اس کے ایک ایک لفظ پر، وہ وقت کا
بہت بڑا مفکر، اور ترجمان اسلام ہے، ! "

محمد علی کو بھی اقبال سے بڑی گہری عقیدت تھی، اتنی ہی جتنی پیر سے مرید
کو ہوتی ہے، ؟ "

" مگر وہ بھی ختم ہو گئی ؟ "

ہاں ———— وہ بھی ختم ہو گئی، ! "

" اقبال سے بھی محمد علی لڑ پڑے ؟ "

" ہاں، اقبال سے بھی محمد علی نے سخت جنگ کی، جس طرح اقبال سے محمد علی

عقیدت تھی، اسی طرح اقبال محمد علی کے، ان کے اخلاص، قربانی، ایثار کے پرستار تھے، محمد علی کی نظر بندی اور قید ہی کے متعلق انھوں نے کہا تھا،

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرہ نیساں ہے زندان صدف سے ارجمند

کئی شعر ہیں اور آخر میں کہا ہے،

شہپر زاغ و زغن بستہ و قید صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند

"واہ سبحان اللہ، ——— یار اقبال، اقبال ہے، واقعی ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، !"

"لیکن اس باہمی ربط و تعلق کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے دشمن بن گئے،"

"کس بات پر؟ کیا اقبال نے مجلس تنظیم کی صدارت قبول کر لی تھی؟ خواجہ صاحب کے دست و بازو بن گئے تھے؟"

"نہیں لاہور میں ہندو مسلم فساد کے بعد، اقبال نے محسوس کیا کہ ہندو حکام مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، خطاکار ہندوؤں کو چھوڑ دیتے ہیں، بے خطا مسلمانوں کو ہدف ستم بنا لیتے ہیں، انہیں گرفتار کرنے میں سزا دینے میں، زندگی اجیرن کر دیتے ہیں، وہ غریب بہت نادار ہیں، پریشان روزگار ہیں کچھ نہیں کر سکتے، لہذا پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں انھوں نے تجویز پیش کی کہ اس طرح کے مناصب پر نہ ہندو فائز کیے جائیں، نہ مسلمان، ———"

"بلکہ صرف انگریز؟"

"ہاں،"

"لاحول ولا قوۃ، ——— بزدلی کی انتہا ہے!"

"یہی محمد علی نے کہا تھا، انھوں نے کئی قسطوں میں اپنے ہمدرد میں ایک م
لکھا، جس کا عنوان تھا، "طبیب حاذق سر محمد اقبال کا ایک نیا نسخہ"! " اور ا
مقالہ میں اقبال کی ایسی خبر لی کہ بس کچھ نہ پوچھو! "

" تمہاری طرح گالیاں تو نہیں بکی ہوں گی؟ "

گالیاں میں بھی نہیں بکتا، ——— محمد علی نے کہا تھا، جب اس دیس می
ہندو ہی ہندو تھے اور مسلمانوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا، تب مٹھی بھر آدمیوں ک
ساتھ محمد بن قاسم آیا، لیکن اسے ہندو نہ نکال سکے، پھر جب غزنوی آیا، غوری آ
بابر آیا، تب بھی مسلمان اس عظیم اکثریت کے سامنے وہ حیثیت رکھتے تھے جو ا
بحر بےکراں کے مقابلہ میں کسی قطرۂ ناچیز کی ہوتی ہے، جب بھی ہندو مسلمانوں ک
نکال سکے، اور اب کہ مسلمانوں کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہے، مسلمان ا
بزدل کیوں ہو گئے ہیں کہ ہندوؤں سے ڈرتے ہیں"؟ "

"(خوش ہو کر) بے شک یہ بات صرف محمد علی ہی لکھ سکتا تھا"!

"غرض قومیت متحدہ کے قیام و استحکام، اور آزادی وطن کے لئے محم
نے وہ سب کچھ کیا جو کوئی دوسرا نہ کر سکا، وہ صحیح معنی میں آزادیٔ وطن کا مجاہ
بے شک تھا ——— کاش تم بھی اسی کے نقش قدم پر چلو
یہی دعوت میں تمہیں دیتا ہوں"! " اپنے باطل نظریات سے دستبر
ہو جاؤ، اسی طرح، جیسے محمد علی ہو گیا تھا"! "

(۱۰)

# سکندر باغ

اب صبح ہو چلی تھی،
اختر اور اقبال بساط شطرنج الٹ کر، جاوید اور انجم کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور دونوں کی گوشمالی کرتے ہوئے کہا،
"کچھ دماغ چل گیا ہے، ؟ ساری رات بحثم بحثا ہیں گزار دی تم احمقوں نے؟"
جاوید نے کہا، "ہماری بحث تمہاری شطرنج سے زیادہ دلچسپ تھی،
——— ہارا کون ؟
اختر نے اقبال کی طرف اشارہ کیا، اور گویا ہوا، "عاقلاں را اشارہ کافیست' !"
صبح تک یہ لوگ اسی طرح گپ شپ میں مصروف رہے، ناشتہ کے بعد، سب اپنے اپنے ہوسٹل میں چلے گئے۔

شام کو جاوید ٹہلتا ہوا، سکندر باغ کی طرف نکل گیا، بڑی دیر تک گلگشت میں مصروف رہا، پھر تھک کر ایک تختۂ گل کے قریب بیٹھ گیا، اور قدرت خدا کی کرشمہ سازیاں دیکھنے لگا، وہ سوچ رہا تھا کیا خدا کی قدرت ہے، ایک زمین ایک پانی، ایک موسم، ایک ہوا، لیکن کسی بیج سے پھول پیدا ہوتا ہے کسی سے کانٹا،

کوئی گلاب ہے، کوئی یاسمین، کسی کا رنگ سفید ہے کسی کا زرد، اور پھر ان رنگوں
میں بھی کیا کیا نزاکتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں، کہیں شوخ، کہیں ہلکا، کہیں گہرا، کہیں مد
کسی میں خوشبو ہے، کوئی خوشبو سے محروم، کسی کو دیکھئے جنت نگاہ ہے تو کسی
سونگھ لینا مشام جان کو معطر کر دیتا ہے، کوئی گلے کا ہار بنتا ہے، کوئی بستر کی زی
کوئی طرے میں جگہ پاتا ہے، کوئی کسی کے دست نازک میں جگہ پاتا ہے کتنی سچی با
کہی ہے سعدی شیرازی نے

ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اور اقبال نے بھی، قدرت کی اس حسن آفرینی کو کتنے شاندار اور سحر طراز الفا
بیان کیا ہے،

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار

اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیر ہن،'

اور، یہ بیج ـــــــــــــــ یہ کیا ہے، ؟ ایک سخت سی چیز، جس
نمی نہیں، رطوبت نہیں، نشو و نما کی صلاحیت نہیں، جو از قبیل جمادات ہے،
اس ننھے سے بیج میں ایک پورا درخت اپنے پورے برگ و بار کے ساتھ موجو
اسے زمین کے پردے میں چھپا دیجئے، سیراب کیجئے، رکھوالی کیجئے، تو یہ جمادا
سے نباتات میں منتقل ہو جائے گا، اس میں ایسی امنگ اور ترنگ پیدا ہو جا
گی کہ یہ خود زمین کا سینہ چیر کر نمودار ہوگا، اس میں کونپلیں نکلیں گی، یہ بڑھے گا
اس میں شاخیں پھوٹیں گی، پھول آئیں گے، اور بالآخر یہ ایک تناور درخت
جائے گا، !

معرفت کردگار کی کتاب تختۂ گل کی صورت میں جاوید کے سامنے کھلی رکھی
اور وہ نہایت انہماک و استغراق کے ساتھ اس کے مطالعہ میں مصروف تھا، دفع

ایک شیریں آواز پردۂ گوش سے ٹکرائی،

"جاوید صاحب یہ آپ ہیں؟"

جاوید نے مڑکر دیکھا تو اوما کھڑی مسکرا رہی تھی، اس کے ساتھ دو اور لڑکیاں بھی تھیں، جاوید جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا، اوما نے اپنی سہیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

"ان سے ملئے ——— یہ ہے میری بڑی عزیز دوست، کماری اور یہ ہے میری بچپن کی سہیلی کملا، کماری آئی۔ٹی کالج سے اسی سال فارغ ہوئی ہے، اور کملا نے فلاسفی میں ایم اے کیا ہے"!"

جاوید نے دونوں سے بڑے تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا، اوما وہیں جہاں جاوید بیٹھا تھا بیٹھ گئی، کملا اور کماری نے بھی اس کی تقلید کی، اوما نے جاوید سے کہا،

"آیئے جاوید صاحب، آپ بھی بیٹھ جایئے"!"

کملا نے اوما سے شکایت کی، اور جاوید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

"لیکن آپ کی تعریف؟"

اوما ہنسنے لگی، "میں بھی کتنی بدحواس ہوں، ارے بھائی یہ ہیں مسٹر جاوید، لکھنؤ یونیورسٹی کے نہایت ذہین، قابل اور ہونہار طالب علم، ایم اے کا امتحان دے رہے ہیں، اس دفعہ، ان کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ عقیدہ کے اعتبار سے بہت بڑے نیشنلسٹ ہیں، پاپا تو ان پر ہزار جان سے فریفتہ ہیں، ———

آخری جملہ پر کملا اور کماری بے ساختہ ہنس پڑیں

"کہیں پاپا کے نقش قدم پر تم بھی نہ چلنے لگنا"!"

اوما کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا، جاوید بھی سٹ پٹا گیا، کماری نے

گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے جاوید سے کہا

" یہ تو طے ہے کہ آپ امتحان میں ناکام نہیں ہو سکتے، بھلا آپ جیسا ذہین قابل اور ہونہار آدمی کیسے فیل ہو سکتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ایم اے کے بعد کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ کیا انگلستان جانے کا ارادہ ہے؟ "

جاوید نے جواب دیا، " جی نہیں وہاں جاکر کیا کروں گا، ــــــــــ میرا ارادہ ہے کہ صحافت کے میدان میں قدم رکھوں، ! "

ادما کو جو کملا کی فقرے بازی سے اب تک جھینپی جھینپی سی تھی، موقعہ مل گیا اس نے کہا،

" ہاں کماری، یہ جاوید بڑے اچھے مضمون نگار بھی ہیں، انگریزی تو اتنی اچھی لکھتے ہیں کہ مزا آجاتا ہے ان کے مضمون پڑھ کر، ! "

کملا بول پڑی، " لیکن ہم نے تو ان کا کوئی مضمون دیکھا نہیں اب تک ــــــــــ شاید لندن کے اخبارات میں لکھتے ہوں گے، کیوں جاوید صاحب

جاوید کو جواب کا موقعہ دئے بغیر، ادما نے کہا،

" ارے پگلی، ابھی کل ہی تو، زمین آسمان کے قلابے ملا دئے تھے ان کا مضمون پڑھ کر گھنٹوں داد دیتی رہی، ! "

کملا نے انجان بن کر پوچھا، "کس مضمون کو کہہ رہی ہو ادما؟ "

ادما نے یاد دلایا، کل کے سنڈے ایڈیشن میں جو مضمون " ایک ہندوستانی (AN INDIAN) کے قلم سے مسٹر جناح کے " ماضی، حال اور مستقبل " (PAST, PRESEN, FUTURE) کے عنوان سے نکلا تھا وہ کس کا تھا؟ "

کملا کی باچھیں کھل گئیں، ارے تو وہ ان کا تھا؟ ــــــــــ جاوید صاحب آپ تو چھپے رستم نکلے، واقعی وہ مضمون مجھے بہت پسند آیا تھا، کتنے مضـ

والی، کتنی پیاری زبان، کتنا سحراثر لب و لہجہ، کتنا لطیف طنز، کتنی دل میں اتر جانے والی باتیں ــــــــ میں نے اس مضمون کو کئی بار پڑھا، اور جب پڑھا نیا لطف پایا، صحافت کی دنیا آپ کی منتظر ہے۔ بہت نام پیدا کریں گے آپ"

کماری نے چٹکی لی، "ایسا معلوم ہوتا ہے، پروفیسر بنرجی کے نقش قدم پر تم نے خود پیروی شروع کر بھی دی، ! "

کملا نے ذرا بھی شرمائے اور اس کی بات سے اثر لئے بغیر، جاوید سے تخاطب جاری رکھا،

"خود میرا ارادہ بھی یہی ہے کہ جرنلزم کو اپنا پیشہ بناؤں، ! بشرطیکہ آپ میری رہنمائی کریں، ـــ"

کماری ہنس پڑی،

واہ واہ، پھر تو مزا آجائے گا، کیوں ایک ہونہار آدمی کے پیچھے پڑی ہو، !

جاوید نے کملا کو جواب دیا، "انسان کا ذوق خود اعلیٰ رہنمائی کرتا ہے، اگر واقعی آپ کو صحافت سے دلچسپی ہے، تو یقیناً آپ خاطر خواہ ترقی کر سکتی ہیں، اسی میدان میں آئیں، ضرورت صرف کوشش کی ہے، !

کملا نے آمادگی کے ساتھ کہا،

وہ تو کروں گی، کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھوں گی۔

جاوید نے اطمینان دلایا، پھر آپ بہت جلد ایک ممتاز صحافی بن جائیں گی، !"

"ادما نے مسکراتے ہوئے کہا، جاوید صاحب کچھ ہمیں بھی تو بتایئے، ہماری رہنمائی بھی تو کیجئے، ہم کیا کریں ؟ "

جاوید نے جواب دیا، میں نے تو سنا ہے آئی ٹی کالج میں آپ کا تقرر ہو گیا ہے پروفیسر کی حیثیت سے، ! "

وہ بے دلی سے بولی، " ہوا تو نہیں ہے، ہونے والا ہے، لیکن، مجھے
تعلیم و تعلّم سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے، میں تو قومی کام کرنا چاہتی ہوں
کماری نے پوچھا، " کیا پڑھانا قومی خدمت نہیں ہے ؟ "
جاوید نے جواب دیا، بہت بڑی خدمت ہے، اس طرح تو آپ قوم کی
خدمت کرنے والی لڑکیوں کی ایک فوج تیار کردیں گی، اور اس وقت ضرورت اس
کی ہے کہ جو جہاں بھی ہے انگریزی سامراج کے خلاف، سراپا عمل بنکر جدوجہد
میں مصروف ہو جائے، ! "
بڑی دیر تک اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں، پھر کملا نے کماری کی گھڑی
پر ایک نظر ڈالی اور جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی،
" توبہ، ، باتوں میں یاد ہی نہیں رہا، ریڈیو پر آج میری ٹاک ہے،
اچھا بھئی میں چلی، ——— کماری چلتی ہو، ! ؟
کماری کملا کے ساتھ چلی گئی، اوما بھی اس کے جانے کے بعد اٹھ کھڑی
ہوئی، جاوید نے پوچھا،
" کہاں کا قصد ہے ؟ "
وہ بولی، گھر ہی جاؤں گی اب تو، رات ہو چلی ہے پاپا منتظر ہوں گے
جاوید نے اپنے خدمات پیش کر دیے، چلئے پہنچا آؤں آپ کو گھر
دونوں ساتھ ساتھ سکندر باغ سے بنرجی کی کوٹھی کی طرف، قومی
ملکی سیاسیات پر باتیں کرتے ہوئے چل پڑے، !

# میدانِ عمل

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(۱)

# پہلا تجربہ

دن کس قدر جلد گزر جاتے ہیں! اتنی تیزی سے اور اتنے دبے پاؤں کہ پتہ بھی نہیں چلتا، !

یونیورسٹی کی زندگی ختم ہوگئی، وہاں کی زندگی، وہاں کے رومان، وہاں کی سوسائیٹیاں مجلسیں، ہنگامہ آرائیاں، ایک خواب بن گئیں، ہوسٹل کے کمرہ میں ہر روز، مستقبل کے نئے نئے پروگرام بنتے تھے، کوئی ڈاکٹر بننا چاہتا تھا، کوئی ایڈیٹر، کسی کو پروفیسر بننے کی ہوس تھی، کسی کو بیرسٹر بننے کا شوق، کوئی لیڈر بننا چاہتا تھا، کوئی سپیریر سروس کا ماہ درخشاں، لیکن یونیورسٹی کی چھوٹی سی دنیا سے نکل کر، جب یہ لوگ عمل کی بڑی دنیا میں آئے، تو ساری اسکیمیں درہم برہم ہو کر رہ گئیں، جس نے اپنے لئے جو لائن منتخب کی تھی، یا تو حالات کے باعث اسے اختیار نہ کر سکا، یا اگر کسی طرح گرتا پڑتا پہنچ بھی گیا تو وہ مقام نہ حاصل کر سکا، جسے پہلے ہی دن سے اپنا حق سمجھتا تھا،

البتہ ان سب میں اقبال اپنے مقصد جلیل میں کامیاب ہوگیا، اس کے والد بڑے رسا آدمی تھے، انھوں نے گھس بیٹھ کر ایسے اسباب فراہم کردئے کہ

وہ سپیریر سروس میں لے لیا گیا، اور مزید تربیت کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا، اخ
صاحب کو اپنی ذہانت و ذکاوت و قابلیت پر بڑا ناز تھا، بڑی مشکل سے سپلائی ک
محکمہ میں ایک عارضی ملازمت ملی، انجم کے حوصلے بھی بہت بلند تھے، لیکن، اب
وہ ایک اسکول میں ٹیچر تھے، یہ اسامی بھی عارضی تھی، مگر انھیں ہیڈ ماسٹر بنن
پھر کسی کالج کا پروفیسر، اور بعد میں پرنسپل بن جانے کا پورا یقین تھا، دن
لڑکوں کے ساتھ سر کھپاتے تھے، شام کو مسلم لیگ آفس میں، رضاکارانہ ط
پر کچھ خدمات انجام دے آتے تھے، جاوید کو نیشنل سٹینڈرڈ میں، اسٹاف
کارسپنڈنٹ کی جگہ، بنرجی کی سفارش سے مل گئی، یہ جگہ نہ اس کی قابلیت کے مط
تھی، نہ حوصلہ اور امنگ کے جی چاہا انکار کر دے، لیکن اس پیر مرد دانا، ——
بنرجی —— نے سمجھایا زندگی کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد پہلے پہل ناک
تلخیوں، اور پریشانیوں ہی سے سابقہ پڑتا ہے لیلائے حیات کے مجنوں بنک
صحرا نوردی اور دشت پیمائی کرنے کی ضرورت ہے، پھر یہ ہاتھ آئے گی کہیں ج
اور پھر ہنستے ہوئے انھوں نے اقبال کا ایک شعر سنا کر جاوید کی تاب مزاحم
چھین لی،

مل ہی جائے گی کبھی منزل لیلی اقبال
کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر، !

بہر حال اس مشورہ کو اس نے قبول کر لیا، اور نہایت مستعدی اور محنت
ساتھ اپنے فرائض انجام دینے لگا،
ہوسٹل کیا چھوٹا، ساری دلچسپیاں ختم ہو گئیں، نہ اب بزم آرائیوں کا سلسل
نہ مجلس احباب کے غلغلے اور چہچہے اور قہقہے، صبح سے شام تک سائیکل
اور شہر کا گشت، خبروں کا حاصل کرنا، لوگوں سے خبروں کا چھیننا، لوگوں کو خبر

دں کے بارے میں خبر کا پیدا کرنا کوئی سہل کام تو نہ تھا، اور پھر یہ پابندی
بر اتنی سنسنی خیز ہو کہ دوسرے اخبار منہ دیکھتے رہ جائیں، اور ہر شخص ہمارے
بار پر ٹوٹ پڑے، اتنی دلچسپ ہو کہ جو لوگ اخبارات پڑھنا گناہ سمجھتے ہیں وہ
ں ایک اچٹتی سی نظر ڈالنے پر مجبور ہو جائیں، ایسی اہم ہو کہ مجلسی اور سیاسی
لقوں میں وہ موضوع سخن بن جائے، زبان اس کی ایسی شائستہ اور من
بن ہو کہ پڑھنے والا چٹخارہ لینے لگے، کبھی کبھی کوئی ایسی خبر بھی ہو جو بم کا گولہ
بت ہو، اور کسی سیاسی شخصیت، کسی مل اونر، کسی سرمایہ دار، کسی لیڈر کا
اب وخور حرام کر دے، پہلے اس کے ایجنٹ اخبار کا طواف کریں، اور پھر وہ
د حاضری دینے پر مجبور ہو جائے سیاسی خبروں میں اس بات کا التزام
ہے کہ فرقہ پرستوں پر کاری ضرب لگائی جائے، اور ان کی پشت پناہ سیاسی
اعتوں اور اخباروں کو بڑی بے دردی سے بے نقاب کیا جائے، اور
نکہ سارے ملک میں فرقہ پرست صرف ایک ہی قوم تھی، اور بدقسمتی سے وہ
ی کی قوم تھی، لہٰذا یہ اشارہ اسی طرف تھا، اور چونکہ اس کا خود بھی یہی خیال تھا
سلئے بغیر کسی جھجک کے اپنے یہ فرائض انجام دیتا تھا، اور چونکہ زبان پر غیر
معمولی قدرت تھی اس لئے بے بات کی بات میں بھی وہ لطف اس کا خامۂ بہار آفرین
یدا کر دیتا تھا کہ پڑھنے والے جھوم جھوم جاتے تھے۔

ایک مرتبہ بڑی چٹ پٹی سی خبر اس نے اپنے اخبار میں چھاپی، اور مسلمان
رقہ پرستوں کا خوب مذاق اڑایا، بظاہر یہ ایک خبر تھی لیکن درحقیقت یہ ایک
نز یہ خاکہ تھا مسلم لیگی سیاست، اور مسلم لیگی لیڈروں کا، ظاہر ہے اس پر مسلمان
لیم یافتہ طبقہ میں برہمی پیدا ہوئی، لیکن چونکہ مسلمانوں کے پاس کوئی انگریزی اخبا
ہیں تھا، لہٰذا وہ گھٹ کر رہ گئے، سوا اس کے کہ وہ دل ہی دل میں برہم ہو لیں،

اور کچھ نہ کر سکے، لیکن اسی طرح کی ایک خبر جب اس نے ہندو فرقہ پرستوں کے
بین شائع کی، تو طوفان اٹھ کھڑا ہوا، مسٹر شرما نے جو نیوز ایڈیٹر تھے اور بڑ
دھوم اٹھاتے تھے، اسے بلایا، چڑھی ہوئی تیوری سے دیکھا اور اخبار اس کے سا
رکھ کر دریافت کیا،

"یہ کیا ہے؟"

یہ وہی خبر تھی جو جاوید نے دی تھی، اور اس پر سرخ پنسل سے نشان
تھا، جاوید نے اچٹتی سی نظر اخبار پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے کہا،

"خبر ہے"!

مسٹر شرما اس وقت نہ کسی کا تبسم قبول کرنے کے موڈ میں تھے، نہ خود
متبسم ہونے کا ارادہ رکھتے تھے، انھوں نے خلاف معمول اور بالکل پہلی
سخت لہجہ میں سوال کیا،

"یہ خبر کس طرح چھپ گئی"!

جاوید اب تک ان کا مدعا نہیں سمجھ سکا تھا، اس نے بڑی سادگی سے
ہی کہا،

"جس طرح دوسری خبریں چھپتی ہیں"!

شرما صاحب اس جواب سے مطمئن تو کیا ہوتے اور زیادہ خفا ہو گئے
"یہ اخبار نہ آپ کی ذاتی ملکیت ہے، نہ میری، اسٹاف کے ہر آدمی کو
پالیسی پر چلنا پڑے گا، جو بورڈ آف ڈائرکٹرز نے متعین کر دی ہے"!

اس بات کے تسلیم کرنے میں جاوید کو کیا تامل ہو سکتا تھا، اس نے کہ
"میرا خود بھی یہی خیال ہے کہ میں بورڈ کی طے کردہ پالیسی پر چل رہا ہوں
اور میرا یہ خیال بھی ہے کہ اگر اس پالیسی سے مجھے کامل اتفاق نہ ہوتا، تو

ں کی ملازمت ہرگز قبول نہ کرنا ——————

شرما صاحب نے ان باتوں سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر، ایک مرتبہ پھر زبان سے کچھ نہ کہتے ہوئے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا، جاوید نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"کیا بورڈ کی یہ پالیسی نہیں ہے کہ نیشنلزم کا پرچار کیا جائے؟ قومیت متحدہ کی دعوت دی جائے، فرقہ پرستوں کی مخالفت کی جائے، فرقہ پرستی کے خلاف محاذ قائم کیا جائے، آزادی ہند کی جدوجہد کو فروغ دیا جائے، اور اس راستہ میں جو بھی پتھر بنکر حائل ہو اس کے پرخچے اڑا دیئے جائیں، ؟ ——————

شرما صاحب کچھ بوکھلا سے گئے، ان باتوں کی تردید نہ کر سکے، کہنے لگے،

"جی ہاں یہی پالیسی ہے ہمارے اخبار کی، !"

جاوید نے سوال کیا، "پھر میری اس خبر کا کون سا حصہ طے شدہ پالیسی کے منافی ہے ؟"

شرما صاحب نے لال پنسل سے جواب تک ان کے ہاتھ میں تھی ایک نام پر نشان بنا دیا، یہ نام راجہ پرتاب بہادر کا تھا، !

جاوید اب بھی نہیں سمجھ سکا کہ آخر شرما صاحب کا مدعا کیا ہے،؟ اور راجہ پرتاب بہادر کے خلاف کچھ لکھنے پر انھیں کیوں اعتراض ہے ؟ اس نے سوال کیا،

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ؟"

شرما جی نے جواب دیا،

آپ نے راجہ صاحب کے خلاف کیوں لکھا ؟

جاوید نے سگریٹ سلگاتے ہوئے نہایت اطمینان سے کہا،

اس لئے کہ راجہ صاحب اس قابل ہیں کہ ان کی سخت مخالفت کی جائے،

انہیں اتنا ذلیل کیا جائے کہ پبلک لائف سے کنارہ کش ہونے پر مجبور ہو جائیں
سٹر ما صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا، انھوں نے ڈپٹتے ہوئے کہا،
جاوید صاحب ہوش میں رہئے آپ راجہ صاحب کے بارے میں یہ کہہ
ہیں، ؛ راجہ صاحب کے بارے میں، ——— ؟
جاوید نے اس سرزنش کی ذرا بھی پروا نہ کی،
• جی ہاں راجہ پرتاپ بہادر کے مقابلہ میں، جو اول درجہ کے فرقہ پر
ہیں، جو ہندو مسلم فساد کراتے ہیں، جو چھرا بھونکنے والوں کو انعام دیتے
انگریزوں کے پٹھو ہیں، جو سرکار برطانیہ کے نیاز مند خصوصی ہیں، جو انکم
چراتے ہیں، جو غیر ملکی سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہیں، جو مہا سبھا کے سرپرس
ہیں، جو جن سنگھ کے رہنمائے اعظم ہیں، ——————— کیا آپ کو ان
پرتاپ بہادر سے اتنی شیفتگی ہے کہ ان کے لئے مجھ سے الجھ رہے ہیں
——— ؟
یہ باتیں جاوید نے کچھ ایسے تیور سے کہیں کہ شرما صاحب سٹ پٹ
انھوں نے معاملہ کو دوستانہ پیرایہ میں ختم کرنا چاہا، جیب سے سگریٹ کیس
اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا،
لیکن مسٹر جاوید شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ راجہ صاحب کے صاحب
ہمارے بورڈ آف ڈائرکٹرز میں شامل ہیں، ؛ ‘‘
جاوید نے بے پروائی سے سگریٹ کا ایک کش لگاتے ہوئے کہا
لیکن میں نے ان کے خلاف تو کچھ نہیں لکھا،
شرما صاحب ہنسنے لگے یہ ہنسی حقیقی نہ تھی، روکھی اور مصنوعی تھی،
نے ہنستے ہوئے کہا،

سیٹھ صاحب کئی نازک موقعوں پر ہمارے اخبار کی مالی امداد بھی کر چکے ہیں، اور کرتے رہتے ہیں، انھیں ہم خفا نہیں کر سکتے، ان کی امداد سے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے، انھیں ہم اپنا مخالف نہیں بنا سکتے۔ ———

جاوید اس سے زیادہ نہ سن سکا،

شرما صاحب مجھے حیرت ہے یہ الفاظ میں آپ جیسے اصول پرست اور قوم پرست، اور وطن پرست شخص کی زبان سے سن رہا ہوں، ———

شرما صاحب بھی اس سے زیادہ نہ سن سکے،

"تو کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ اخبار بند کر دیا جائے؟"

جاوید نے جواب دیا، اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو ضرور بند کر دیتا، ایک نیک مقصد کے لئے برے لوگوں کا سہارا لینا میری غیرت نہیں گوارا کر سکتی۔ سچائی کے لئے جھوٹ کی مدد لینا برا شیوہ نہیں، اگر راجہ صاحب ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں تو آپ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلئے، گاندھی جی اور پنڈت جی کی پیروی چھوڑ دیجئے، اور اگر راجہ صاحب کا راستہ غلط ہے تو پھر ان سے مالی امداد لینا، اور مالی امداد لے کر، ان کی قومی برائیوں کو چھپانا، انہیں طشت از بام نہ کرنا، ان سے ڈرنا، اور ان کا لحاظ کرنا ایک نیشنلسٹ اور وطن پرست کا شیوہ تو نہیں ہو سکتا!

---

شرما نے نرم اور ملائم لہجہ میں کہا،

راجہ صاحب اتنے برے نہیں ہیں جتنا آپ سمجھتے ہیں، ان میں خوبیاں بھی بہت سی ہیں، وہ قوم کے کام آتے رہتے ہیں ———

قطع کلام کرتے ہوئے جاوید نے جواب دیا،

بالکل یہی بات کل میرے ایک دوست راجہ صاحب محمود آباد کے لئے بھی

ان کے خلاف میرا ایک مضمون پڑھ کر فرما رہے تھے اور آپ جانتے ہیں میں نے
کیا جواب دیا تھا؟

شرما نے سرخ پنسل الگ رکھ دی اور کرسی پر پیٹھ ٹکالی، پھر اس کی
سے دلچسپی لیتے ہوئے کہا،

مجھے کیا معلوم؟ لیکن میں آپ کی باتیں دلچسپی سے سن رہا ہوں کہے جائیے

جاوید نے بتایا "میں نے اپنے ان دوست سے کہا، میں آپ سے زیادہ
صاحب کی خوبیوں کا قائل ہوں، میں جانتا ہوں، وہ شراب نہیں پیتے، عیش و
کی زندگی، دولت فراواں کے باوجود نہیں کرتے، نہایت سادہ بلکہ فقیرانہ زندگی
ہیں، نماز روزے کے پابند ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، اجتماعی اور قومی
میں بڑھ چڑھ کر مالی امداد دیتے ہیں، مخلص ہیں، انگریزوں کے وفادار نہیں،
کے دشمن نہیں، لیکن اس کے باوجود، اتنی ساری اچھائیوں کے ہوتے بھی
درجہ کے فرقہ پرست ہیں، وہ مسٹر جناح کے دست راست ہیں، مسلم لیگ کے
اخبار پر پانی کی طرح روپیہ صرف کر رہے ہیں، اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ
ان کے والد کے دوست تھے، میرے والد کو وہ چچا کہتے ہیں، ذاتی طور پر میرے
محسن ہیں، کئی مواقع پر انھوں نے میری مشکلیں حل کیں، لیکن یہ سب کچھ ہوتے
بھی میں ان کی مخالفت پر مجبور ہوں، اس لئے کہ ان کا وجود آزادی ہند کے راستے
میں سنگ گراں بنکر حائل ہے، میں ان کی بدترین مخالفت کروں گا، اور اس
تک کرتا رہوں گا جب تک وہ اپنا راستہ نہ بدل لیں، جب تک وہ راہ
نہ ہٹائیں، اور شرما صاحب آپ اپنے اخبار کے فائل ملاحظہ کیجئے، آپ
کریں گے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں، ——————

شرما صاحب نے تائید کی، ہاں یہ ٹھیک ہے، مجھے آپ کی یہ ا

ند ہے۔

جاوید نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا،

" اگر میں راجہ صاحب محمود آباد کو نہیں معاف کر سکتا، تو راجہ پرتاپ بہادر کو کس
ح بخش سکتا ہوں، حالانکہ یہ بزرگ اپنی فرقہ پرستی میں، راجہ صاحب محمود آباد سے
ہیں آگے ہیں''!'

شرما کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے، تو اس نے ایک مرتبہ پھر جاوید کو سگریٹ پیش
یا اور اس کے بعد اپنا سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا،

بھئی، لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سمجھوتا کرنا ہی پڑتا ہے

---

جاوید نے تائید کی، جی ہاں یہ تو سچ ہے آدمی ہر وقت، ہر جگہ، اور ہر شخص
سے تو نہیں لڑ سکتا، لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سمجھوتہ کرنا، قومی
ور ملکی جرم ہوتا ہے، اور اس صورت میں ہر وقت، ہر جگہ، اور ہر شخص سے جنگ
نا فرض ہو جاتا ہے، اور میرا خیال ہے کہ فرقہ پرستوں کا خاتمہ کرنا اور آزادی
ی جنگ لڑنا، ایسے ہی معاملات ہیں جن میں سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا، کسی سے بھی
نہیں، کسی حالت میں بھی نہیں،!"

شرما نے سوال کیا،

"کیوں؟ ——— اگر بالکل سمجھوتہ نہیں کر سکتے تو کسی نہ کسی حد تک
و کر سکتے ہیں، مثلاً یہ کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، ———

جاوید نے ایک قہقہہ لگایا، " پھر ایسا ہی سمجھوتہ آپ انگریزوں سے بھی کیوں نہیں
ر لیتے؟"

انگریزوں سے کس طرح؟ ——— کیونکر؟!"

"انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، !"

"یعنی وہ بدستور ہمارے آقا، اور ہم بدستور ان کے غلام رہیں ؟"

"جی اور کیا، ——————"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا مسٹر ماصاحب، نتیجہ تو دونوں کا ایک ہی ہے ——————"

"اور میں اتفاق رائے پر آپ کو مجبور نہیں کر سکتا، لیکن حقیقت بہرحال حقیقت ہے، وہ تو بدل نہیں سکتی، !"

"مجھے اسے حقیقت ہی ماننے میں تو تامل ہے، !"

"تعجب ہے کہ آپ جیسا زیرک، معاملہ فہم، اور گھاگ آدمی اسے حقیقت کرتے سے انکار کر رہا ہے، —————— مسٹر ماصاحب اگر آپ انگریز کے حال پر چھوڑ دیں گے تو نتیجہ یہی ہوگا ناکہ وہ آقا بنا رہے گا اور ہم غلام ؟"

جی ہاں قطعاً یہی ہوگا، !"

"لیکن اگر ہم انگریز کے دلالوں کو، ایجنٹوں کو، پھوڈوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تو یہ نتیجہ کیوں نہیں ہوگا، ؟ آپ انگریز سے لڑیں گے، لیکن ان کی تلوار سے لڑیں گے، مسٹر ماصاحب یہ ہمارے راجہ صاحبان، خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، انگریز کی تلوار ہی تو ہیں، اور خاص کر جب بدترین قسم کے فرقہ پرست بھی ہوں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دو دھاری تلوار ہیں، انھیں کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے ؟ انھیں کس طرح ان کے حال پر چھوڑا جا سکتا ہے، ؟"

جاوید کے دلائل میں اتنا زور تھا کہ رفتہ رفتہ مسٹر ماصاحب نے ہتھیار ڈال دیے، اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ بالکل قائل ہو گئے ہیں، اپنے ماتحت

ی دلیلوں کے،

اسی اثنا میں مسٹر گپتا آ گئے،!

مسٹر گپتا، سنٹینل کے منیجنگ اڈیٹر تھے — انھیں دیکھ کر شرما اور جاوید دونوں کھڑے ہو گئے، گپتا صاحب کے منہ میں سگار دبا ہوا تھا، کھدر کی ایک موٹی سی لنگی میں ملبوس اور کھدر کی ایک موٹی سی چادر میں لپٹے ہوئے آئے، اور خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گئے، کچھ دیر خاموش رہے پھر ایک لمبا سا کش لگا کر شرما سے پوچھا،

"آپ نے اس خبر کے بارے میں اسٹاف رپورٹر سے جواب طلب کیا،!، ؟"

یہ سوال کچھ ایسے تیکھے انداز میں کیا کہ شرما صاحب بھی سٹ پٹا گئے، پھر اپنے حواس پر قابو پا کر انھوں نے کہا،

جی ہاں یہ جاوید صاحب بیٹھے ہیں، میں نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر یہ کسی طرح مانتے ہی میں نہیں آتے، !،

گپتا صاحب کی بڑی بڑی آنکھیں، ایسا معلوم ہوا، عینک کا شیشہ توڑ کر باہر نکل پڑیں گی، انھوں نے نہایت تلخ اور درشت لہجہ میں کہا،

"کیا مطلب ؟ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ ؟ آخر مقصد کیا ہے ؟"

شرما صاحب نے مسکرانے کی کوشش کی،

"میں نے انھیں بہت سمجھایا، لیکن ان کے دلائل اتنے مضبوط ہیں کہ ——

گپتا صاحب گرجے،

"دلائل ؟ —— کیا آرڈر کا جواب دلائل سے بھی دیا جاتا ہے ؟

شرما صاحب نے بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا،

"جی ہاں ——"

گپتا صاحب کا پارہ چڑھ چکا تھا، وہ اب کچھ سننے کے موڈ میں نہ تھے، انھوں نے دانتوں تلے سگار کو دبائے دبائے فرمایا،

"اور اگر آرڈر کے جواب میں کوئی شخص دلائل پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے، تو اس کا حساب فوراً صاف کر دینا چاہیئے،!"

اور پھر کچھ کہے بغیر گپتا صاحب اٹھے، کھدر کی چادر کا پلّو ٹھیک سے کندھے پر رکھا، اور تشریف لے گئے۔

شرما خود بھی، اصولاً گپتا صاحب سے متفق تھا، لیکن جاوید کی باتیں سنکر وہ نرمی پر آمادہ ہو گیا تھا، لیکن اس حکم ناطق نے اسے اتنا حیران اور ششدر کر دیا تھا کہ ہکا بکا بیٹھا رہ گیا، سوچتا تھا کہ جاوید سے کچھ کہے، کچھ سمجھائے، لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی، الفاظ لب تک آآ کر اٹک جاتے تھے ——

جاوید نے شرما کی بے لبسی محسوس کر لی، اور فیصلہ کر لیا کہ اسے استعفا دے دینا چاہیئے، چنانچہ سامنے سے ایک سلپ اٹھائی، اور استعفا لکھنا شروع کر دیا لیکن ابھی اس نے چند سطریں لکھی تھیں کہ دفتر کا کیشیر ایک رجسٹر لے کر آیا، رجسٹر اس نے جاوید کے سامنے رکھ دیا، پھر جیب سے دس دس کے کئی نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا،

"یہ لیجئے آپ کا حساب، —————— دستخط کر دیجئے،!"

جاوید نے وہ کاغذ جو اس کے ہاتھ میں تھا چاک کر دیا، شرما صاحب سے ہاتھ ملایا اور کیشیر صاحب سے کہا،

"یہ میری طرف سے اخبار کے فنڈ میں نذر ہے، گپتا صاحب سے کہہ دیجئے گا آئندہ راجہ پرتاپ بہادر سے جب بھیک مانگیں تو اتنے روپے کم لیں،!"

بوڑھا کیشیر حیرت سے جاوید کو تکنے لگا، اور وہ بادِ سموم کی طرح نکلا چلا گیا، !

خود شرما کا یہ حال تھا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، سچ کڑوا ہوتا ہے یہ اس نے بارہا پڑھا اور سنا تھا، لیکن اتنا کڑوا ہوتا ہے؟ یہ آج اندازہ ہوا، اس نے کیشیر صاحب پر توجہ کیے بغیر، سر جھکایا، سلپ کھینچی، اور لکھنے میں مصروف ہو گیا، لیکن دماغ کی زبان بار بار جاوید کے الفاظ دہرا رہی تھی"! ؎

---

(۲)

## جنّت

سنٹینل میں، ملازمت اختیار کرنے کے بعد جاوید کو اتنی مصروف زندگی گ
پڑی کہ نہ دن اس کا تھا، نہ رات، کسی لیڈر سے انٹرویو پوچھنے جا رہا ہے، کبھ
کی پریس کانفرنس میں شریک ہو رہا ہے، کبھی پنڈت نہرو سے اگر وہ اتفاق سے
آجائیں، کسی چبھتے ہوئے مسئلہ پر سوالات کر رہا ہے اور ان کا جواب نوٹ کر رہا
کبھی پنت اور سمپورنا نند کی کوٹھیوں کے طواف کر رہا ہے، اور ان سے راز د
پردہ اگلوانے کی کوشش کر رہا ہے، کبھی رفیع احمد قدوائی کی مجلس میں
ہے، لطیفے سن رہا ہے، اور نکتے سمجھ رہا ہے، نہ دن اس کا تھا، نہ رات
صبح جلدی جلدی ناشتہ کر کے نکلتا، تو کبھی دو بجے رات کو اپنے فلیٹ میں
آتا، کبھی بارہ بجے، اور پھر بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوتا، کچھ پڑھتا، کچھ لک
پھر سو جاتا، بنرجی کا گھر گویا اس کا اپنا گھر تھا، ہفتوں وہاں جانے کی فرصت
اور کبھی زبردستی وقت نکال کر جاتا بھی تو چند منٹ بیٹھ کر بھاگ کھڑا ہوتا، اد
کی قابلیت اور خلوص سے بہت متاثر تھی، اس کی ذہانت اور ذکاوت کا کل
تھی، وہ بار بار تقاضے کرتی، اصرار کرتی، التجا کرتی کہ روز نہیں تو دوسرے

تو ایک پھیرا لگا لیا کیجئے، وہ بڑی مستعدی سے وعدہ کر لیتا، لیکن یہ وعدہ شرمندۂ وفا نہ ہوتا، کوئی نہ کوئی مصروفیت اس طرح اس کا دامن پکڑ لیتی کہ ارادہ کے باوجود نہ جا سکتا، وقت ہوتا تو فون پر معذرت کر لیتا، ورنہ اس کا موقع بھی کم ہی ملتا تھا، لیکن جب کبھی بھی پہنچ جاتا، تو بیرجی ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اوما بچھ بچھ جاتی، ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ اسی کی راہ تک رہی تھی، وہ آ گیا، وہ خوش ہو گئی۔

انجم اور اختر سے کبھی راہ چلتے ملاقات ہو جاتی، لیکن بہت مختصر، دوستی اب بھی قائم تھی، لیکن زندگی کی الجھنوں اور قومی زندگی کی مصروفیتوں نے اتنا عدیم الفرصت بنا دیا تھا کہ اب یہ دوستی بھی پس منظر میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی، انجم اور اختر کبھی کبھی اس کے فلیٹ پر آ جاتے، لیکن اسے موجود نہ پا کر واپس چلے جاتے، انجم سے گو مسلک کا اختلاف تھا، دونوں کی زندگی کا راستہ جدا تھا، لیکن دونوں میں اختلاف کے باوجود کچھ ایسا قلبی ربط تھا کہ یہ اختلاف اس پر کم از کم اب تک اثر نہیں ڈال سکا تھا، کبھی کبھی جب دونوں بحث پر اتر آتے، تو ایسا معلوم ہوتا، بس اب سر پھٹول شروع ہوئی، لیکن اس بحث کی گرما گرمی میں کسی ایک کا قہقہہ فضا کو خوشگوار بنا دیتا، اور پھر ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو جاتیں، اور پھر دونوں گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملا کر رخصت ہو جاتے،

آج بہت دنوں کے بعد جاوید کو فرصت ملی تھی،!

سب سے پہلے وہ انجم کے ہاں گیا، وہاں موجود نہ پا کر، مسلم لیگ کے دفتر پہنچا، معلوم ہوا حضرت یہاں بھی نہیں ہیں، اب لیگ کے اخبار "تنویر" کے سب ایڈیٹر مقرر ہو گئے ہیں، اور سیکریٹری چھوڑ دی ہے، جاوید یہ خبر سنکر خوش ہوا کہ چلو بیچارے کو آخر اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد ذوق کا کام تو مل گیا، سوچا اس وقت خبروں سے سر کھپا رہا ہوگا، کیوں اس کا وقت ضائع کیا جائے، لہذا سیدھا

اختر کے ہاں پہنچا، وہ حضرت بن ٹھن کر باہر نکل ہی رہے تھے، جاوید نے چھیڑا،

یہ سولہ سنگار کر کے کہاں جارہی ہے سواری سرکار کی،؟"

اختر نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا، پھر ہاتھ میں ہاتھ ڈالے زینہ سے اترا، کہنے لگا،

"چلو ذرا حضرت گنج چلتے ہیں،!"

جاوید نے پوچھا، وہاں جاکر کیا کرو گے؟ ——— مقصد؟"

اختر نے ایک قہقہہ لگایا،

عجیب کافر ہو پوچھتے ہو جنت جانے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ ———

احمق،!

جاوید بھی ہنسنے لگا،

"یہ حضرت گنج جنت کب سے بن گیا؟"

اختر نے جواب دیا، یوں تو پورا لکھنؤ جنت ہے، یہی تو وہ جگہ ہے جہاں کا چپہ چپہ،

دامان باغبان و کف گل فروش ہے،!

جدھر نکل جاؤ، جنت کے مناظر نظر آئیں گے، دوسرے شہروں کے بازار حسن، کتنے گن[...] ہوتے ہیں لیکن لکھنؤ کا چوک،!

ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی

مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

واقعی اس شہر میں، یہاں کے لوگوں میں غضب کی کشش ہے، اور پھر حضرت گنج [...]

اک تیر اس سینہ میں مارا کہ ہائے ہائے،!

وہاں جاکر کئی دفعہ میرے جی میں خیال آیا کہ اگر جنت ایسی ہی نہ ہوئی تو میں وہاں

جانے سے انکار کر دوں گا، ـــــــــ

جاوید نے پھر ایک قہقہہ لگایا، اور کہا،

" شاید اب شراب سے بھی شغل کرنے لگے ہو؟ ورنہ اتنی بہکی بہکی باتیں تو ہیں نے کبھی نہیں سنی تھیں، !"

اختر نے ہنستے ہوئے کہا،

میرے دوست شراب ممکن ہے اس شہر سے باہر کہیں جانا ہو تو پینے لگوں، لیکن یہاں کیا ضرورت ہے، یہاں تو

ہے ہوا ہیں شراب کی تاثیر ،

اتنا بد ذوق بھی نہ سمجھو اپنے اس دوست کو، !

جاوید نے پھر سوال کیا،

" بارہا حضرت گنج گیا ہوں، کچھ عرصہ تک وہاں رہ بھی چکا ہوں، بڑی اچھی جگہ ہے، اچھے لوگ ہیں، مہذب، شائستہ، تعلیم یافتہ، اونچی سوسائٹی کے لوگ وہیں رہنا پسند کرتے ہیں ـــــــــ

اختر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،

" ہاں ـــــــــ اور ہیں بھی اونچی سوسائٹی کا آدمی ہوں، اسی لئے وہاں ہر روز شام کو ایک پھیرا کر لیتا ہوں، حضرت گنج، صرف شام کو، جنت بنتا ہے، اس کے بعد اور اس سے پہلے نہیں، وہ وہاں کا حسن رہگذر، وہ وہاں کی متحرک رعنائیاں اور جلوہ باریاں، وہاں کی کیف آور، اور وجد انگیز چلتی پھرتی مورتیں، وہ حسین و جمیل مسکراہٹیں، وہ حسین و دل فریب قہقہے، وہ جنت نگاہ مناظر، وہ فردوس گوش، اور سامعہ نواز، نقرئی اور برنجی، آوازیں کوثر و تسنیم ہیں بسی ہوئی، کوثر و تسنیم کو ساتھ لیے ہوئے یہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت وہاں اسطرح

گزر جاتا ہے، کہ پھر نہ جنت کی آرزو رہ جاتی ہے، نہ فردوس کی ہوس،!

بے دلی اور بے پروائی سے جاوید نے کہا،

دنیا میں نہ بے وقوفوں کی کمی ہے نہ مجنونوں کی، تمہاری طرح بہت سے لوگوں کو بے مقصد، صرف جلوۂ بے حجاب کا نظارہ کرنے کے لئے، جو چٹخاتے دیکھا ہے، !"

بڑی حسرت اور آرزو کیساتھ اختر نے کہا،

آج تم بھی ہمارے ساتھ جوتیاں چٹخا لو، !

جاوید نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالتے ہوئے کہا،

"جی بخشئے، میرے پاس اتنا فاضل وقت کہاں، ؟"

اختر نے ناصحانہ لہجہ میں سمجھاتے ہوئے کہا،

"چلو وہاں کسی اچھے سے رستوران میں بیٹھیں گے، !"

پھر کیا ہوگا ؟"

"یہاں کی تعلیم یافتہ عورتوں اور لڑکیوں کو اپنی پبلسٹی کا بہت شوق ہے میرا دوست ہے اس سے تمہارا ذکر کروں گا، وہ یہاں کی آنے والی فلیشن ا[illegible] اونچی سوسائٹی کی، مہذب دشفیق اور، "جنٹلمین" لیڈیز، اور کالج گرلز سے تمہارا [illegible] کردے گا، پھر یہ جان کر کہ تم ایک بڑے اخبار کے اسٹاف کا اسسٹنٹ ہو لو[illegible] پڑیں گی تم پر، میرا ایک پیسہ نہیں خرچ ہوگا، کیک، پیسٹری، چائے، چپس، اور جہان کی الم غلم چیزیں تمہیں اور تمہارے طفیل میں مجھے کھلائیں گی کہ رات کو ڈنر بھی باقی نہ رہیگی، کبھی کسی گوشہ میں کسی کا ذکر کر دیا اپنے اخبار میں، —

جاوید — نے سگریٹ سلگایا، پھر رہروی جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا،

اختر — مجھے تم سے بہت ہمدردی ہے ،!

اختر نے خوش ہوکر کہا،

"ہونا ہی چاہیئے، آخر دوست صادق اور محب واثق ہو، وہ بھی آج کے نہیں کب کے؟ کتنے دنوں کے، اور تم تو گیا ہو گئے، دعوائے دوستی تو اس بنا ز مند کو ہے،

زلفیں بھی نہ بھٹیں جب سے گرفتار ہوں تیرا

پھر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، پورے طور پر جب یہ طویل قہقہہ ختم ہوگیا، تو جاوید ہمدردانہ لہجہ میں گویا ہوا،

میرے دوست یہ سب سچ ہے، لیکن اتنی لمبی، اور امید آرزو سے بھر پور تقریر کر کے کیوں اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہو؟

اختر چونکا، اور چلتے چلتے ٹھٹک گیا،

"کیا مطلب؟ ——— کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

جاوید نے سنجیدہ لہجہ میں کہا،

صرف یہ کہ

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا! ،

اب تو اختر اور زیادہ حیران ہوا، اس نے اصرار کے ساتھ سوال کیا،

"کیسی باتیں کر رہے ہو جاوید؟ ——— کیسی شاخ، کیسا آشیانہ ———؟"

جاوید نے بتایا، میں نے استعفا دے دیا ہے اخبار سے، لہذا پبلسٹی کی خواہش میں تمہاری آنریبل لیڈیز اور "جنٹلمین" کالج گرلز نہ میری بات پوچھیں گی، نہ چائے پلائیں گی، نہ میرے ارد گرد گھومیں گی، نہ تم ڈنر سے بے نیاز ہو سکو گے لہذا بہتر یہ ہے کہ رات کے کھانے کی فکر کرو، تم اپنے رستے جاؤ، میں اپنے

رستے جاتا ہوں، ———

جاوید کی باتیں سنکر اختر کو سناٹا آ گیا،

"سچ کہتے ہو جاوید؟"

جاوید نے جواب دیا،

"دنیا میں اگر کسی چیز سے مجھے نفرت ہے تو وہ جھوٹ ہے،!"

اب اختر کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا،

"لیکن کیوں دے دیا استعفا؟ بھلا ایسے مستقبل آفریں منصب سے بھی ک
دیتا ہے،!"

جاوید نے سگریٹ کا آخری کش لیا، اور اسے زمین پر پھینکتے ہوئے ک
"اگر تم نے کبھی استعفا دیا تو میں ہرگز نہیں پوچھوں گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا"
اب یہ دونوں ایک چوراہے پر پہنچ چکے تھے، جاوید نے کہا،

"میں پروفیسر بنرجی کے ہاں جا رہا ہوں، ——— چلتے ہو تو
ورنہ مجھے اجازت دو،!"

اختر پر ان باتوں سے کچھ اضمحلال ساطاری ہو چکا تھا، پھر بھی اس
مسکراتے ہوئے کہا،

میں وہاں جا کر کیا کروں گا، تم ہی جاؤ، اپنے حضرت گنج، یعنی ج
میں، ———

جاوید بھی اپنا تبسم نہ ضبط کر سکا، پھر اس نے کہا،

"بڑے ہیچ آدمی ہو، ——— لیکن تمہاری بہت سی غلطیوں
اسے بھی معاف کرتا ہوں،!"

اختر نے جواب میں کچھ کہنا چاہا، لیکن جاوید نے اسے موقع نہیں دیا، کہنے

"میرے دوست، آدمی بنو، آدمی کو آدمی سمجھو، تم خود بھی ابھی تک جانور ہو، ر دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو، !"

پھر زیرلب تبسم کے ساتھ اس نے کہا،

" جاؤ، میرے اس سبق پر جو میں نے ابھی دیا ہے خوب اچھی طرح راستے بھر غور ...نا، ———

اختر اسے روک نہ سکا، جاوید اپنے رستے چلا گیا، !

---

(۳)

# مرہم

آہستہ آہستہ چلتا، خیالات میں غرق، جاوید بنرجی کی کوٹھی پر پہنچا، لان پر
ٹہلتی ہوئی مل گئی، حسب معمول بڑے تپاک اور گرم جوشی سے پیش آئی، کہنے لگی،
آہا جاوید صاحب آپ؟ ——— "آیئے نا وہیں کیوں ٹھٹک کر کھڑے
ہو گئے'؟"

جاوید لان پر چلا آیا، پوچھا، "پروفیسر صاحب تشریف نہیں رکھتے ہیں کیا
وقت؟"

اوما نے جواب دیا، وہ یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل میں شرکت کے لئے گئے
ہیں'!"

پھر تیوری چڑھا کر سوال کیا، "کیا آپ صرف انہی سے ملنے آئے تھے؟"

جاوید ہنسنے لگا، "سچ سچ بتا دوں؟"

اوما کی تیوریاں اب تک چڑھی ہوئی تھیں، کہنے لگی، ضرور بتا دیجئے'!"

جاوید نے پھر ایک سوال کیا، "مگر آپ خفا تو نہیں ہو جائیں گی؟"

اوما کی خفگی کچھ اور بڑھ گئی، نخوت کے ساتھ گویا ہوئی،

"میں کیوں خفا ہونے لگی، ——— بتائیے ذرا آپ کا سچ سچ بھی سن لوں، !"

جاوید نے اسی سادگی کے ساتھ کہا،

"آپ سے، ——— صرف آپ سے ملنے آیا تھا میں تو اس وقت!"

دفعتہً اوما کا رنگ رُخ بدل گیا، لیکن وہ اپنی خوشی ضبط نہ کرسکی، مسکراتی ہوئی بولی،

"اسی کا نام سچ ہے آپ کے نزدیک؟"

اور پھر اسے سوالیہ نظروں سے گھورنے لگی، جاوید ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکا، اس نے آنکھیں نیچی کر لیں، اور بولا،

اوما دیوی نہ جانے کیا بات ہے جب طبیعت زیادہ فکر مند ہوتی ہے تو میرا جی چاہتا ہے آپ سے مل لوں، ——— خود غرضی کا طعنہ نہ دیجئے گا، کہ ویسے ہفتوں نہیں جھانکتا، اور ادھر کوئی جھڑکا لگا، اور بھاگا بھاگا آپ کے پاس چلا آیا جیسے یہاں مرہم رکھا ہے، زخم پر لگا دیا جائے گا، جیسے یہاں سکون، اطمینان، اور عافیت کی نعمت رکھی ہے، میں پہنچا اور میری جیب میں ڈال دی گئی،

---

جاوید مجھ پر اتنا اعتماد کرتا ہے، یہ سوچ کر اوما کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا، اور ایک عجیب رونق سی آگئی اس کے رُخ پر زر افشاں پر،

چند قدم کے فاصلے پر بید کی ایک خوشنما ٹیبل، اور چند کرسیاں پڑی تھیں، اوما نے ادھر اشارہ کرتے ہوئے کہا،

"آیئے بیٹھ جائیں ذرا دیر، ———"

جاوید اس کے ساتھ ہو لیا، اور دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے، جاوید نے

کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی، سگریٹ کیس نکالا، کچھ دیر اسے الٹتا پلٹتا رہا، پھر ایک سگریٹ نکالا۔ اور اسے سلگا کر ایک لمبا سا کش لگایا، پھر پوچھا،

کہئے آپ کے آئی۔ ٹی کالج کا کیا حال ہے؟

ادما نے کہا ٹھیک ہے، کام میرے ذوق کا ہے، اس لئے اچھی گزر رہی ہے، ہاں لیکن آپ کیا کہہ رہے تھے، جب فکر مند ہوتے ہیں تو ادھر آجاتے ہیں آپ کا چہرہ بھی کچھ اترا ہوا ہے، کیا پریشانی ہے آپ کو؟ کیا میں کچھ مدد کر سکتی ہوں

جاوید نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا،

آپ کے سوا اور کون مدد کر سکتا ہے؟

آمادگی اور مستعدی اور اشتیاق کے ساتھ ادما نے کہا،

"تو پھر بتائیے کیا کر سکتی ہوں میں؟"

جاوید نے ایک اور سگریٹ سلگایا، لمبا سا کش لیا، اور دھواں فضا میں آہستہ آہستہ پھینکتے ہوئے کہا،

"کیا اس سے بڑی بھی کوئی مدد ہو سکتی ہے کہ آپ سے ملنے کا، آپ سے باتیں کرنے کا موقع میسر آجائے، یہ زیادہ سے زیادہ مدد ہے جو میں چاہ سکتا ہوں آپ سے"!

ان الفاظ سے کچھ عجیب قسم کی لذت، کچھ عجیب طرح کا سرور، کچھ ناقابل بیان سا نشہ محسوس کیا ادما نے، پھر وہ بولی،

"لفظوں میں نہ اڑائیے، بتائیے کیا بات ہے؟"

اسے جانے کو تو میں نے پوچھا ہی نہیں، اور آپ بھلا خود سے کب تک کہہ سکتے تھے، ——————

جاوید نے اسے روکنا چاہا، معذرت کرنی چاہی، تکلف کے الفاظ اس

کرنا چاہئے لیکن موقع نہ ملا، وہ برق جھندہ کی طرح چلی گئی،

اس کے جانے کے بعد جاوید پھر اپنے خیالات کی دنیا میں پہنچ گیا، بار بار سگریٹ سلگاتا دو چار کش لگاکر پھینک دیتا، اتنے میں ٹرے لئے ہوئے لپکتی چھپکتی مسکراتی، اوما آگئی، جاوید نے جلدی سے اٹھ کر ٹرے اس کے ہاتھ سے لے لی، پھر کہنے لگا،

" خواہ مخواہ یہ زحمت اٹھائی آپ نے، !"

اوما پسینہ پسینہ ہو رہی تھی، ماتھے پر موتی کی طرح پسینے کے قطرے چمک رہے تھے، چہرہ تمتا رہا تھا، وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی،

" آخر وطنیت کا حق کچھ تو ادا کرنا ہی چاہئے آپ کو، ———— لکھنؤ کے ہو کر بھی تکلف نہ کریں گے، ؟ "

جاوید ہنسنے لگا، اس نے ٹرے اپنے سامنے کھسکالی، اور چائے بنانے کا سلسلہ شروع کرنے والا تھا کہ اوما نے اسے پھر اپنی طرف کھسکا لیا، اور بولی،

جی نہیں، جس کا کام اُسی کو ساجے، یہ میرا کام ہے، آپ صرف پیجئے، !"

جاوید مزاحمت نہ کر سکا، اوما نے دو پیالیاں بنائیں ایک جاوید کی طرف بڑھا دی دوسری اپنے سامنے رکھ لی ایک طشتری میں کچھ نمک پارے، دوسری میں تین چار رس گلے، ایک اور میں تھوڑی سی دال موٹھ، جاوید نے ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی چائے گھونٹ گھونٹ کرکے پینے لگا، اوما نے رس گلے کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی،

" ان سے تو بہت شوق ہے آپ کو، ! "

جاوید انکار نہ کر سکا، اس نے ایک رس گلہ اٹھایا اور کھا لیا، پھر دوسرا، پھر تیسرا، اوما مسکرا مسکرا کر اس کی یہ شکر خوری دیکھتی رہی، پھر اس نے نمک پارے

سامنے رکھ دئے،

"اب منہ نمکین کر لیجئے، !"

جاوید نے کہا، لیکن اس کے بعد پھر منہ میٹھا کرنا پڑے گا،

وہ اپنایت اور خلوص کے لہجہ میں بولی،

"تو کیا ہوا ؟ ———— پیٹ اپنا ہے کسی غیر کا تو نہیں ہے، ؟"

جاوید ہنسنے لگا، "بہت اچھا جیسا آپ کہتی ہیں ایسا ہی سہی ————

چائے کا سلسلہ جب ختم ہوگیا تو اوما نے ٹوٹا ہوا گفتگو کا سلسلہ پھر جوڑا

"جی، ———— تو کیا کہہ رہے تھے آپ ———— کیا فکر ہے آپ کو ؟"

جاوید نے ایک نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا،

"مس اوما فکر تو کچھ نہیں ہے، صدمہ ضرور ہے، !" ———— میں نے کہا تھا نا جب کوئی چرکا لگتا ہے تو مرہم لینے آپ کے پاس آجاتا ہوں، آج بہت بڑا چرکا لگا ہے میرے دل پر، مجھے بہت صدمہ ہے مس اوما ———— صرف صدمہ ہی نہیں غصہ بھی، !"

اوما حیرت، فکر، اور پریشانی کے ساتھ جاوید کی باتیں سنتی رہی پھر بولی،

"صدمہ، ؟ غصہ، ؟ ———— کس پر ؟ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے ؟"

جاوید نے جواب دیا، "ہماری حکومت برطانیہ کا ایک ناقابل تنسیخ ق یہ ہے کہ بادشاہ سے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی، ————

اوما ہنسنے لگی، تو کیا میں بادشاہ ہوں ؟"

جاوید نے جواب دیا، "مجھے تو بادشاہ ماننے میں بھی عذر نہیں، !"

اوما نے اکتائے ہوئے لہجہ میں کہا،

"توبہ ہے اصل بات تو بتاتے نہیں، ادھر ادھر کی اڑائے جا رہے ہیں،—— بتایئے کس بات پر صدمہ ہے؟ کس بات پر غصہ ہے؟ —————— میں جاننا چاہتی ہوں،!"

جاوید نے آج کا سارا واقعہ بیان کر دیا، پھر کہنے لگا،

"مجھے اس کی فکر نہیں ہے کہ نوکری گئی، نوکریاں دس مل جائیں گی، مجھے صدمہ اس کا ہے کہ راجہ پرتاپ بہادر ہمارے اصول توڑ سکتے ہیں؟ مجھے غصہ اس پر ہے کہ مسٹر گپتا، اتنے عوامی آدمی ہونے کے باوجود اتنے بڑے استبداد پسند بھی ہو سکتے ہیں؟ —————— یہ نعرے یہ تقریریں، یہ بیانات، یہ دعوے، یہ اصول پرستی کے نعرے، یہ غریبوں سے ہمدردی کے ترانے، یہ انگریزوں سے دشمنی کے ہنگامے، یہ آزادیٔ وطن کے غلغلے، کیا یہ —————— ڈھکوسلہ ہے؟ دکھاوا ہے؟ فریب ہے؟ ان کا ظاہر کچھ ہے باطن کچھ ہے؟ کیا یہ بھی فرقہ پرست ہیں؟ یہ راجہ محمود آباد کا وجود تک نہیں برداشت کر سکتے، لیکن راجہ پرتاپ بہادر کے لئے آنکھیں بچھانے کو تیار ہیں، یہ مسلم لیگ کے دشمن ہیں، لیکن مہاسبھا، اور جن سنگھ سے ساز باز رکھتے ہیں؟" ——————

جاوید کی گفتگو جاری تھی، اوما نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،

"ہاں جاوید صاحب معاملہ کچھ ایسا ہی ہے، لیکن ہم سب ایسے نہیں ہیں، ہم میں کچھ خود غرض، مفاد پرست اور مشتبہ لوگ بھی شریک ہو گئے ہیں، شرما، اور گپتا وغیرہ اسی ٹولی سے تعلق رکھتے ہیں، ——————

بات دل کو لگتی ہوئی تھی، جاوید نے کہا،

ہاں یہ آپ سچ کہتی ہیں، ہم میں سب ایسے نہیں ہیں، لیکن جو چند ہیں

وہ بھی کیوں ہیں؟ کیوں نہیں انھیں نکال دیا جاتا؟"

اوما نے کہا، میرے بس میں ہو تو ایسے سارے لوگوں کو کانگرس کی تنظیم سے خارج کر دوں ——— خیر آپ نے نوکری چھوڑ دی بہت اچھا کیا لیکن اپنی تنخواہ کیوں نہیں لی، وہ آپ کی محنت کا معاوضہ تھا؟

جاوید نے ایک آہ سرد کے ساتھ کہا، جی ہاں مس اوما وہ میری محنت کا معاوضہ تھا، لیکن محنت میں نے غلط جگہ کی تھی یہ معاوضہ اگر میں لے لیتا تو مجھے اپنے خلوص پر شبہ ہونے لگتا، گویا میں بھی موقع پرست ہوں کہ جہاں دو ٹکڑے مل گئے میں قلم لے کر بیٹھ گیا، گویا میری نیشنلزم بھی فریب پر مبنی ہے کہ گاندھی جی اور پنڈت جی پر جان بھی دیتا ہوں، اور راجہ پرتاپ بہادر کی دی ہوئی رقم سے تنخواہ بھی وصول کرتا ہوں، جو تنخواہ میں اب تک لیتا رہا ہوں، وہ خرچ ہو گئی اور اب میرے پاس کچھ نہیں ہے ورنہ ایک ایک پائی واپس کر دیتا اور نیت بھی ہے کہ اگر کبھی روپیہ ہوا تو سب سے پہلا کام یہی کروں گا،

اوما عقیدت کی نظروں سے جاوید کو دیکھ رہی تھی، اور عقیدت کے کانوں سے اس کی باتیں سن رہی تھی، وہ بولی،

"خیر جو ہوا سو ہوا، اب یہ بتائیے ارادہ کیا ہے؟"

جاوید نے جواب دیا، اس کے بارے میں تو ابھی میں نے کچھ سوچا نہیں

وہ بولی، کیوں نہ آپ خود اپنا ذاتی اخبار نکال لیں؟

جاوید زور سے ہنس پڑا، ذاتی اخبار؟ مس اوما اس زمانہ میں ایک روزانہ اخبار نکالنے کے لئے کئی لاکھ کا سرمایہ جیب میں موجود ہونا چاہیے

اوما بولی، اتنا میں بھی جانتی ہوں۔ لیکن روزانہ کا ذکر میں نہیں کر رہی، ہفتہ وار نکال لیجئے، ضخامت صرف سولہ صفحے رکھئے، آپ کی تحریر میں جو زور ہے، وہ

بہت جلد اپنا ایک حلقہ بنا لے گا، اور اخبار اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا، آپ کا مقصد خدمت ہے، روپیہ پیدا کرنا اور سرمایہ دار بننا تو ہے نہیں، اتنا بہرحال اس میں سے بچ جائے گا کہ آپ اپنا گزارا کر لیں، ——— بتایئے تو سہی اس طرح کا اخبار کتنے سرمایہ سے نکل سکتا ہے؟ "

جاوید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،

"اس کے لئے بھی کم از کم پانچ چھ ہزار روپیہ چاہیئے، !"

اوما خوش ہو گئی،

"پھر تو کام بن گیا جاوید صاحب، !"

جاوید نے پوچھا، وہ کس طرح مس اوما؟ "

وہ بولی، پانچ ہزار روپے نقد میرے پاس موجود ہیں، ابھی دے سکتی ہوں، اور جب تک آپ کا اخبار اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو جائے گا، اپنی تنخواہ ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو پیش کر دیا کروں گی، ———

جاوید نے کچھ کہنے کے لئے پہلو بدلا، لیکن اوما نے کہنے نہ دیا،

دیکھیئے جاوید صاحب انکار نہ کر دیجیئے گا، ——— یہ پانچ ہزار جو میرے پاس ہیں بالکل بیکار پڑے ہیں، آئی - ٹی کالج سے جو تنخواہ ملتی ہے اس کی بھی مجھے کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، درحقیقت تنخواہ کے لئے میں نے یہ نوکری نہیں کی ہے صرف مشغلہ کے لئے، آخر بیکار بیٹھی گھر میں کیا کروں؟ پاپا کی تنخواہ نہ صرف گھر کے مصارف کے لئے کافی ہے، بلکہ جو کچھ وہ کار خیر میں خرچ کرتے رہتے ہیں، اس کے بعد بھی سو پچاس روپے ہر مہینہ میں بچا لیتی ہوں لہٰذا اس کا آپ کو خیال بھی نہ ہونا چاہیئے، کہ یہ روپیہ دے کر، یا اپنی تنخواہ پیش کر کے مجھے کوئی زحمت ہو گی، ایک ایسا مقصد جو مجھے اور آپ کو دل و جان سے

عزیز ہے، اگر اس روپیہ سے کسی حد تک بھی پورا ہو سکے، تو کتنی خوشی کی بات
ہے، ـــــــــ

جاوید نے جواب دیا، یہ تو ٹھیک ہے مس اوما، مگر میں آپ کا رو
نہیں لوں گا،

اوما پر اوس سی پڑ گئی، اس نے افسردہ لہجہ میں سوال کیا،
"کیوں؟ آپ اس روپے کو بھی راجہ پرتاپ بہادر کے روپے کی طرح
سمجھتے ہیں؟"

جاوید نے کہا، یہ بات تو نہیں ہے مس اوما، لیکن میرا دل اسے قبول کر
پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا،!'

اوما نے ایک اور تجویز پیش کر دی،
"اچھا یوں کیجئے، میں اور آپ دونوں پارٹنر بنے جاتے ہیں، روپیہ
محنت آپ کی، نفع برابر، ـــــــــ کہئے اب بھی اعتراض ہے
آپ کو؟"

جاوید ابھی کچھ جواب نہیں دے پایا تھا کہ ایک کار کپاؤنڈ میں داخل ہوئی
پروفیسر بنرجی اس سے برآمد ہو کر سیدھے لان کی طرف بڑھے، جاوید نے
کر ان کا استقبال کیا، پروفیسر صاحب نے شفقت اور محبت سے اس کے کن
پر ہاتھ رکھا، اس کا سہارا لیتے ہوئے آگے بڑھے اور شکایت آمیز
میں کہا۔

"اب تو تم نظر ہی نہیں آتے، آنکھیں ترس جاتی ہیں تمہیں دیکھ
ـــــــــ

اوما بول پڑی،" اب یہ اکثر نظر آیا کریں گے پاپا،ـــــــ

پروفیسر صاحب نے خوش ہو کر کہا،

" یہ تو بڑی اچھی خبر سنائی تم نے، ــــــــــ لیکن اخبار والوں کے وعدے کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے، یہ پیچھا چھڑانے کے لئے جھوٹ بھی بول دیا کرتے ہیں،

یہ کہہ کر پروفیسر صاحب نے ایک داد طلب قہقہہ لگایا، اوما نے کہا،

لیکن پاپا یہ اب اخبار والے نہیں، استعفا دے دیا انھوں نے،

پروفیسر صاحب چونک پڑے،

"استعفا دے دیا، ؟ یہ کیوں ؟ کب ؟"

---

(۴)

# بزمِ بے تکلّف

لیکن بنرجی کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا، وائس چانسلر کے ہاں سر سپر
اعزاز میں ڈنر تھا، جلد ہی یہ کہہ کر مفصّل باتیں پھر ہوں گی وہ رخصت ہو گ
جیسے ہی بنرجی کی کار باہر گئی، فوراً ہی ایک دوسری کار احاطہ میں داخل ہو
سب سے پہلے کماری اتری، جوش مسرت سے بے تاب ہو کر اوما نے کہا
"ارے کماری، کتنی خبر لینی ہوں آج اس کی، مہینوں کے بعد نظر آتی ہے
کماری کے پیچھے ایک اور صاحب اترے، نہایت فیشن ایبل، نک سک
درست، کھڑے کھڑے اوما کے منہ سے پھر نکلا۔

"یہ کسے اپنے ساتھ لگا لائی ہے پگلی، ——————

اتنے میں، مسکراتی ہوئی، نظروں سے بجلیاں گراتی، تبسم سے پھول بر
کملا اتری، اوما نے وفور مسرت اور جوش اضطراب سے دونوں ہاتھ بھیچ
اور بہت خوش ہو کر بولی،

یہ بے وفا بھی آ گئی، لیکن اس سے کبھی جو بات کروں،!

اوما اسی طرح کھڑی مسکراتی، جاوید سے بے خبر آنے والوں کے بڑھتے ہوئے
وں کی طرف دیکھتی رہی، اور جاوید آنے والوں سے بے خبر، اوما کے سراپا کو
یدہ نظروں سے دیکھتا رہا، یہ تینوں آنے والے جب قریب پہنچے تو سب سے
ے دوڑ کر کملا آئی اور اوما کے گلے سے لگ گئی، اوما نے پرے ہٹاتے ہوئے کہا،

چل ہٹ بے مروت کہیں کی، بس نہیں بولتی تجھ سے، !

کملا پھر لپٹ گئی، " واہ بھلا تمہیں خفا ہونے دوں گی اپنے سے، ! "

کاری نے دھکا دے کر کملا کو پرے ہٹایا،

اے واہ، ساری حسرت یہ ہی نکال لے گی، ہم کھڑے منہ تکتے رہیں" ! ؟

پھر وہ بھی اوما کے گلے سے لگ گئی،

اوما کی ان پرانی سہیلیوں سے اتنے دنوں کے بعد ملاقات کے باعث
یں کھلی جا رہی تھیں، اس نے دونوں کی طرف دیکھ کر بڑے پیار بھرے، اور
انگیز انداز میں کہا،

"جاؤ معاف کیا، اب ایسی غلطی نہ ہو کبھی، ! "

"کبھی نہیں ہو گی، ! " کملا چلائی، پھر اس نے، اس مرد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
ری کے ساتھ ساتھ اترا تھا کہا،

"ان سے ملو، یہ ہیں مسٹر ترویدی، کاری کے شوہر، ! "

اوما نے سرسری طور پر ترویدی سے ہاتھ ملایا، اور پھر کاری پر برس پڑی،
نگی،

" ارے تو نے شادی بھی کر لی، اور ہمیں خبر تک نہیں، بس پھر تجھ سے خفا
ں، ! خبردار جو مجھ سے بات کی ہو گی بے مروت کہیں کی، ! "

کماری کھسیانی ہنسی ہنسنے لگی، کملا نے مداخلت کی،

بھئی خفا ہوتی رہنا اطمینان سے پہلے اصل ماجرا تو سن لو،!"

اوما نے خفا ہوتے ہوئے کہا،

بس نہیں سننی خواہ مخواہ کی افسانہ طرازیاں"!"

کملا نے ڈھٹائی سے کہا،

لیکن میں تو تمہیں واقعہ سنا رہی ہوں، جو افسانہ سے زیادہ دلچسپ اور

ہے،!"

اور پھر اوما کا جواب سنے بغیر وہ بولی،

مجھے اپنے متعلق نہ جانے کیوں یہ حسن ظن ہے کہ ٹی بی ضرور ہوگی،

نہایت بے تابی سے آنے والے اور آکر پھر واپس نہ جانے والے مہمان

کا انتظار کیا کرتی ہوں، ہوا یہ کہ مجھے بخار آگیا، چند روز میں بخار تو چلا گیا،

اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گیا، کماری اپنے پتاجی کے ساتھ نینی تال گئی ہو

وہ ہر سال گرمیاں گزارنے وہیں چلے جاتے ہیں، جی چاہا کسولی کے سین

داخل ہو جاؤں، پھر سوچا کسولی جانا ہے، تو چند دن نینی تال ہی کیوں نہ رہ لو

اس جان سے پیاری دوست کا آخری دیدار کرلوں، تم سے اس ڈر سے نہیں

ہی دہان پان ہو دو چار جراثیم اڑکر اگر لگ گئے تو مجھ سے پہلے ہی تم اس د

رخصت ہو جاؤ گی، یہ ٹھہری ایک پہلوان، دو چار کیا، دس بیس ہزار جراثیم

اثر نہیں کر سکتے۔ ——

کماری نے ٹوکا،

دیکھو کملا زبان سنبھال کے۔

کملا نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں، دہان پان تم ہو، پہلوان اوما

خیر، وہاں گئی تو کماری کی بچی نے ڈاکٹروں کی دھول لے ڈالی، یہاں ایکسرے، وہاں معائنہ، یہاں بلغم کی تفتیش، وہاں تھوک پر ریسرچ، ان جھمیلوں سے گھبرا کر ہماری حرارت بھاگ کھڑی ہوئی، اور بڑے بڑے ڈاکٹروں کے بورڈ نے متفقہ فیصلہ کر دیا کہ کملا دیوی ابھی وہ آپ کا آنے والا مہمان بہت دور ہے، فی الحال آپ بالکل اچھی ہیں، یہ بشارت سنکر ہی لکھنؤ واپس آرہی تھی کہ کماری نے سینہ گری شروع کر دی ساتھ چلیں گے، اور اس ساتھ چلیں گے ہی اتنے دن ہو گئے ———

اوما نے اعتراض کیا،

لیکن تم تو کچھ اور ماجرا سنا رہی تھیں، ——— افسانہ، دلچسپ واقعہ کیا تھا؟

کملا کو جیسے بھولی ہوئی بات یاد آگئی،

ہاں بھئی خوب یاد دلایا، ——— یہ ہمارے تردیدی صاحب بھی اسی زمانہ میں، ڈپٹی پرنسپل تال آئے ہوئے تھے اور اسی ہوٹل میں مقیم تھے جہاں ہم ٹھہرے تھے، دیکھ لو، کتنے بانکے ہیں تردیدی صاحب، کماری دیوی کی ایسی آنکھیں کر انھیں دولہا بنا کر واپس آئیں، ———

کماری نے ایک چٹکی لی،

"پھر تو بھئی، پھر میں بھی کچھ کہہ دوں گی،"!"

کملا نے کہا، بھئی اوما جلدی میں غلط بات نکل گئی میرے منہ سے، تردیدی صاحب ہماری کماری دیوی پر ایسے ریجھے کہ آخر اسے دولہن بنا کر پہاڑ سے اترے، کیوں تردیدی صاحب ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟

تردیدی نے جواب دیا، آپ نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ بھی ٹھیک تھا اور اب جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی درست ہے،

اس فقرہ پر سب لوگ ہنسنے لگے، کملا نے داستان مکمل کرنے کی خاطر مزید کہا "تردیدی صاحب الجھ گئے ہماری کماری پر، لیکن یہ بھی اتنی با اخلاق، رحم دل اور ہمدردی نوع انسان لڑکی ہے کہ میں گنگا جل اٹھا کر کہہ سکتی ہوں، اس نے ایک دن بھی تردیدی صاحب کی دل شکنی نہیں کی، ان کے ساتھ محض اخلاق اور ہمدردی کے جذبہ سے مجبور ہو کر، جھیل پر جاتی تھی اور گھنٹوں وہاں، ان کی رومان بھری باتیں سنتی، پھر از راہ اخلاق خود بھی ویسی ہی باتیں کرتی رہتی تھی، ان پر جوش جنون سوار ہوتا اور وہ کسی چوٹی پر چڑھ جاتے تو یہ بھی ان کے ساتھ چاہے کتنا ہی سانس پھولے چڑھتی رہتی تھی، پھر بڑی دل دہی اور چونچلے کے ساتھ سیلے چارے کو کھانا کھلا کر رخصت کرتی تھی ——————— ترمال، تاکہ اتنی ورزش کے بعد کمزوری نہ محسوس کریں، ——— کیوں تردیدی صاحب؟

تردیدی صاحب جھینپتے ہوئے بولے،

"جی ہاں بالکل صحیح ہے،!"

کماری نے خطرناک نگاہوں سے دیکھا اور بولی،

"آپ بھی اس بکواسی اور بد زبان کی تائید کرنے لگے،!"

تردیدی نے فوراً پہلو بدلا، اور بڑی بے بسی کے ساتھ گویا ہوا،

"پھر کیا کروں،؟"

کماری کو بھی ہنسی آگئی،

"بڑے وہ ہیں آپ بھی، ——— ڈر گئے کملا سے،!"

تردیدی نے کہا،

"بھئی واقعی ان سے ڈر لگتا ہے انکی صاف گوئی بڑی خطرناک ہے،! نہ جانے آدمی کو کہاں لے جا کر ڈبو دے،!"

اوما ہنستی ہوئی کہنے لگی،

سن رہی ہو کملا؟

کملا نے جواب دیا،

سن رہی ہوں، ——

پھر اوما اور کماری سے مخاطب ہو کر بولی نہایت بدتمیز ہو تم لوگ، جاوید صاحب کا تردیدی سے تعارف ہی نہیں کرایا؟ ——

پھر تردیدی سے مخاطب ہوتی ہوئی بولی،

تردیدی صاحب یہ ہیں مسٹر جاوید، لکھنؤ یونیورسٹی کے ایم اے، پروفیسر بنرجی کے چہیتے شاگرد، اوما کے دوست، ہم سب کے، یعنی میرے اور کماری کے نیاز مند، تو یہ ہم سب ان کے نیاز مند خصوصی، انگریزی ایسی شاندار لکھتے ہیں کہ انگریز پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں، بڑے پکے نیشنلسٹ، گاندھی جی کے فدائی پنڈت جی کے عاشق، کانگرس کے جاں نثار، آزادی وطن کے سپاہی ——

کاش ان میں سے کوئی ایک بات آپ میں ہوتی، ——

یہ آخری فقرہ سنکر تردیدی کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن کملا نے اسے زیادہ سوچنے اور غور کرنے کا موقع نہ دیا، جاوید سے مخاطب ہو کر گویا ہوئی،

"یہ ہیں مسٹر تردیدی، اب تک فیض آباد میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے، اب لکھنؤ میں تبادلہ کی کوشش کر رہے ہیں، دل سے وطن پرست، ظاہر میں انگریزوں کے پٹھو، اور ہم تو ظاہر پر فیصلہ کرتے ہیں دل کا حال بھگوان جانیں، ——

اس بے ساختہ جملے پر سب کو ہنسی آ گئی، اور تردیدی جھینپ سا گیا، اس تعارف کے بعد دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا، جاوید نے گرم جوشی کے ساتھ، تردیدی نے سرد مہری کے ساتھ۔ شاید اس کا خیال تھا کملا نے جاوید کی

جتنی بھی تعریف کی ہے، سب گپ ہے، حقیقت اور واقعہ سے دور کا بھی تعلق نہیں، ایک مسلمان میں اتنی خوبیاں ہو سکتی ہیں، اور وہ اتنا کٹّر وطن پرست، اور آزادیٔ وطن کا متوالہ ہو سکتا ہے کم از کم اس کی سمجھ میں تو یہ بات نہیں آسکی،

جاوید نے سوچا تردید اس کے لئے نیا آدمی ہے، اس کی موجودگی میں شاید کھل کر باتیں نہ کر سکے، اس نے اوما سے رخصت چاہی، تھوڑے اصرار کے بعد اس نے بھی اجازت دے دی، اور وہ اپنے فلیٹ میں آکر انگریزی کا ایک تہلکہ خیز ناول ــــ (WUTHERING HEIGHTS) دیکھنے لگا،!

---

## (۵)

# اک ریل کے سفر کی تصویر کھینچتا ہوں'!"

کئی دن گزر گئے، ارادہ کے باوجود، جاوید ادما کے ہاں نہ جا سکا، اقبال آئی سی ایس کے امتحان میں کامیاب ہوکر واپس آ گیا تھا، اختر اور انجم نے، اس کے اعزاز میں کئی دعوتیں کیں ان میں شریک ہونا پڑا، خود اس کے ذاتی تعلقات اقبال سے بہت زیادہ تھے، برادرانہ سے بھی زیادہ، کبھی اقبال آجاتا، کبھی اسے پکڑ لے جاتا، کان پور میں اس کا تقرر ہوا تھا، اور چند ہی روز میں جانے والا تھا، اس لئے اور زیادہ جاوید اس کی خاطر میں لگا رہا، آج ابھی ابھی وہ اقبال کو رخصت کرکے، اسٹیشن سے واپس آیا تھا، کوٹ ایک طرف پھینک کر، آرم چیر پر بیٹھ گیا۔ پسینہ میں شرابور ہو رہا تھا، ٹیبل فین چلا لیا، اور سینہ کھول کر بیٹھ گیا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چلنے لگے، اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، اسی طرح اٹھ کر اس نے دروازہ کھولا، دیکھتا کیا ہے ادما کھڑی مسکرا رہی ہے،

'ارے آپ، ہ——— آیئے'۔

جاوید کے گھر پر آج ادما پہلی دفعہ آئی تھی، یہ اتنی بڑی نعمت تھی کہ وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، وہ کچھ حواس باختہ سا ہو گیا، اس نے کرسی پیش کرتے ہوئے

کہا،

"تشریف رکھئے، !"

وہ اسی طرح کھڑے کھڑے مسکراتی ہوئی بولی،

جی میں تشریف رکھنے نہیں آپ کو لینے آئی ہوں، ـــــــــ چلئے

بس کوٹ پہن لیجئے، بستر وستر لے جانے کی ضرورت نہیں،

جاوید نے کوٹ پہن لیا، اور پوچھا،

"کہاں چلنا ہے ؟"

وہ ایک دل فریب تبسّم کے ساتھ بولی،

"بمبئی، ـــــــــ

جاوید کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، اس نے حیرت سے ادما کی طرف دیکھا

اور بولا،

"بمبئی، ـــــــــ اگر آپ کا حکم ہے تو مجھے عذر نہیں، !"

ادما کے تبسّم جاں نواز کا دائرہ اور وسیع ہو گیا، وہ بولی،

"حکم ہی سمجھ لیجئے لیکن چلئے، ! "

جاوید نے کوٹ پہنا، اور ادما کے ساتھ ہو لیا، نیچے اترا تو ٹیکسی کھڑی تھی

اس میں کملا بیٹھی تھی، کچھ سامان سامنے رکھا تھا، دونوں کو دیکھتے ہی اس نے

طنز کیا،

"توبہ ہے، ـــــــــ اتنی دیر کیوں لگا دی ادما تم نے ؟ "

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

جاوید صاحب کو راضی کرنے میں ـــــــــ آ ہی نہیں رہے تھے

کسی طرح، ! "

کملا نے اتر کر دروازہ کھولا خود ڈرائیور کے پاس بیٹھ گئی، یہ دونوں پیچھے بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں چار باغ کا اسٹیشن آگیا، یہاں عبدل انٹر کلاس کے تین ٹکٹ ہاتھ میں لئے کھڑا انتظار کر رہا تھا، اوما نے ٹکٹ لے کر سامان عبدل کے حوالے کیا، اس نے قلی کے سر پر جلدی جلدی سامان رکھوایا، آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے جاوید، کملا، اور اوما،

چند منٹ کے بعد میل آگیا، جگہ اچھی خاصی مل گئی، اور تینوں نے ایک ایک نشست پر قبضہ کر لیا، جب گاڑی روانہ ہوئی تو کملا نے جاوید سے پوچھا،

"کچھ خبر ہے ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں——؟"

جاوید نے جواب دیا،

"جی ہاں، بمبئی چل رہے ہیں"!"

کملا نے سر ہلایا،

"نامکمل جواب،——— یہ بھی بتایئے کیوں چل رہے ہیں، ؟"

جاوید نے بڑی سادگی سے کہا،

"یہ تو مس اوما نے نہیں بتایا، !"

کملا نے ایک قہقہہ لگایا،

"مس اوما اگر آپ سے کہتیں کہ جہنم جا رہے ہیں تو بھی آپ چل پڑتے ؟"

جاوید نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا،

"مس اوما کا خیال یہی ہے، اور یقیناً غلط نہیں ہے، !"

اوما کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی، کملا پھول کی طرح کھل گئی،

"اچھا اب میں سمجھی، یہ گل کھل رہے ہیں، ؟"

قبل اس کے کہ اوما کچھ کہے، جاوید نے جواب دیا،

مس کملا مجھے اور مس اوما کو غلط سمجھنے کی کوشش نہ کیجئے، وہ اپنے
اور شخصیت کے اعتبار سے اتنی اونچی ہیں کہ وقت کا کوئی راون بھی، انھیں
سے دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا، وہ اپنے کردار اور شخصیت کے اعتبار
بلند ہیں کہ ان کے ایک اشارۂ چشم پر، دنیا کے ہر حساس اور پاک طینت انسا
کچھ کر گزرنا چاہیئے، میں نے تو آپ کی بات کا بُرا نہیں مانا، لیکن اگر اوما نے
تو میرے دل کو آپ نے صدمہ پہنچایا ہے،

کملا شکتی ہوئی بولی،

" اے سب بڑے آئے اوما دیوی کے لئے اپنے دل کو صدمہ پہنچانے
——— کیوں ری اوما تو بُرا مانتی ہے میری باتوں کا؟ "

اوما نے شوخ نظروں سے اسے دیکھا، پھر بولی، " تمہیں، ———
کے بے وقوف ہوتے ہیں کیا شبہ ہو سکتا ہے جو تجھ جیسی چنچل کماری کی باتو
بُرا مانتے، ———

کملا نے جاوید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

" سن لیا جاوید صاحب کیا رائے ہے اوما کی آپ کے لئے؟ "

اوما نے ایک دوھتّڑ رسید کیا کملا کی پیٹھ پر،

" میں کہتی ہوں چپکی بیٹھ!"

وہ ذرا کھسک کر پیچھے ہٹ گئی، پھر اس نے جاوید سے کہا،

" آپ بڑے اچھے آدمی ہیں جاوید صاحب، آپ سے محبت کرنے کو
جی چاہتا ہے ———

جاوید اس شوخ بیانی پر خفیف سا ہو گیا، اس سے کچھ جواب دیتے نہ بن
اوما نے کہا،

"جس دن تو محبت کرنے لگے گی کسی سے، وہ دنیا کا سب سے بڑا انقلاب انگیز دن ہوگا، ہونہہ، کملا اور محبت، کیوں خواہ مخواہ بکواس کرتی رہتی ہے ہر وقت!"

کملا نے کہا" اچھا میں اپنا فیصلہ واپس لیتی ہوں، یہ بتایئے جاوید صاحب اگر بمبئی میں آپ گرفتار کر لئے گئے تو؟"

جاوید نے جواب دیا، کیوں گرفتار کر لیا جاؤں گا؟ نہ چور ہوں، نہ ڈاکو، نہ گرہ کٹ، !

کملا نے ہر ہر بات پر گردن ہلا ہلا کر تائید کی، پھر بولی،

یہ تو ٹھیک ہے نہ آپ چور ہیں، نہ ڈاکو، نہ گرہ کٹ، لیکن باغی تو ہیں، انقلابی تو ہیں، ، ہم وہاں بغاوت کرنے اور انقلاب کرنے ہی تو جا رہے ہیں، ———

اوما کملا کی تائید کرتی ہوئی بولی،

ہاں جاوید صاحب آج بہت دنوں کے بعد کملا نے سچ کہا ہے، واقعی گرفتاری کا اندیشہ تو ہے، مہاتما جی نے" ہندوستان خالی کر دو" کا نعرہ بلند کیا ہے، اور بمبئی میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس اس نعرہ کو اپنانے، اور گاندھی جی کو جنگ آزادی برپا کرنے کے جملہ اختیارات دینے کے لئے منعقد ہو رہا ہے، ایسے موقع پر گورنمنٹ خاموش تو نہیں بیٹھ سکتی، یقیناً وہ بھی ہاتھ پاؤں ہلائے گی و یسے ہم لوگ مندوب (ڈیلی گیٹ) کی حیثیت سے نہیں، بلکہ تماشائی (وزیٹر) کی حیثیت سے جا رہے ہیں، لیکن اندھے کی داد نہ فریاد، اندھا مار بیٹھے گا، ہو سکتا ہے ہم لوگ بھی لپیٹ میں آجائیں، ———

جاوید بڑے اطمینان سے گویا ہوا،

تو مزہ آجائے گا، جیل جانے کی مدت سے آرزو تھی پوری ہو جائے گی،!!

کملا نے چھیڑا، لیکن قائد اعظم جو خفا ہو جائیں گے؟

جاوید نے قہقہہ لگایا، کہنے لگا، وہ خوش کیسے تھے ؟

اوما نے اس دن کی ٹوٹی ہوئی بات کا سلسلہ پھر جوڑا،

"آپ نے کچھ سوچا جاوید صاحب، میری اس دن کی اسکیم کے بارے میں

جاوید نے جواب دیا، بمبئی سے آکر اطمینان سے سوچیں گے، !

کملا کو یہ اسکیم معلوم ہو چکی تھی، وہ بولی،

جاوید صاحب میں بھی پارٹنر بنونگی، تھوڑی بہت پونجی میرے پاس بھی

——— دیکھئے اگر آپ نے انکار کر دیا تو میں رونے لگوں گی"، !

اور پھر واقعی اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، یہ کیفیت اوما تو شاید محسوس نہ کر

لیکن جاوید نے محسوس کر لی، کہنے لگا،

" اگر یہ اسکیم عمل میں آئی تو صرف اسی صورت میں آئے گی کہ آپ بھی ہماری

ہوں، اور اگر آپ نے انکار کر دیا تو اسکیم بھی ختم، !

کملا اپنی کیفیت پہ غالب ہو چکی تھی، مسکرانے لگی،

" دیکھئے قائم رہئے گا اپنے وعدے پر، !"

جاوید نے سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا، قول مرداں جاں دارد، !

اوما نے بحث سے اکتاتے ہوئے کہا،

بھئی ہم نے تمہیں پارٹنر بنا لیا، لیکن بھوک لگ رہی ہے کچھ کھلاؤ گی بھی یا

ہی باتوں میں بہلاؤ گی ——— ؟

کملا نے کہا "ابھی لو، !"

اور پھر جھپ سے اٹھی ناشتہ دان کھولا، اور اس میں سے کئی چیزیں نکال

ڈھیر کر دیں، پوری، کچوری، آلو کے قتلے، بیگن کا بھرتا، برفی، جلیبی، بالو شاہی

امرود، سیب، کیلے، ناشپاتی،

اوما نے پہلا لقمہ نوازتے ہوئے کہا،

"شروع کیجئے جاوید صاحب،!"

جاوید بھی شریک ہو گیا، اور کملا بھی، یہ کھانا کھاتے جاتے تھے، اور باتیں
رتے جاتے تھے، اوما نے کملا سے شکایت آمیز لہجہ میں کہا،

"کماری نہیں آئی پھر اس دن کے بعد سے،!"

کملا نے منہ بنا کر کہا، میں نے کماری اور تردیدی دونوں سے لڑائی کر لی ہے،
پنی طرف سے اور تمہاری طرف سے بھی ——————

اوما ہنس پڑی، کہنے لگی، پہلا سوال تو یہ ہے کہ لڑائی کیوں کی؟ اور دوسرا
ہت زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ میری طرف سے لڑائی کرنے کا سبب کیا تھا؟

کملا نے پوری کا ایک لقمہ کیلے کے ساتھ کھاتے ہوئے کہا،

بھئی ہمیں اس طرح کے لوگ بہت برے لگتے ہیں، تردیدی صاحب اس
دن بھی جاوید صاحب سے سرد مہری کے ساتھ ملے تھے، پھر ایک دن میں گئی تو
بہی کا ذکر چھڑ گیا، کہنے لگے ایسے لوفروں سے تم لوگوں کے اتنے گہرے تعلقات
یوں ہیں،؟

یہ سن کر میں جل ہی تو گئی، میں نے کہا، لیکن تردیدی صاحب، کماری کی بات
اور ہے، ورنہ آپ سے تو ہمارے تعلقات ذرا بھی گہرے نہیں ہیں،!

یہ سنکر تردیدی صاحب کا تو چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، اور کماری بھی
جل بھن کر کباب ہو گئی، میں اٹھ کر چلی آئی، پھر نہیں گئی اس دن سے، اور چلتے چلتے
بھی کہہ آئی، اوما کا اخلاق اتنا زیادہ وسیع نہیں ہے کہ لوفروں کی آمد و رفت
یک سے زائد بار برداشت کر سکے، ——————

اوما نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا،

" شاباش، کملا بعض وقت تو تم ایسی باتیں کرتی ہو کہ تمہیں پیار کرنے کو ج
چاہنے لگتا ہے ———"

کملا نے مدہم آواز میں لیکن اس طرح کہ جاوید سن لے کہا،

" زور سے مت بولو، جاوید صاحب سن لیں گے تو برا مانیں گے، ممکن ہے
خفا بھی ہو جائیں، !"

اوما نے اسے پرے ڈھکیلتے ہوئے کہا،

" بھئی بڑی دیدہ دلیر ہے تو بھی، خدا بچائے تجھ سے ——— چل ہٹ!"

کملا پھر پاس آ کر بیٹھ گئی،

" اس بھول میں نہ رہنا، بھلا کملا تم سے دور بھی بیٹھ سکتی ہے، پھول سے خوشبو
جدا ہو سکتی ہے، تو پھول میں خوشبو!"

اوما ہنسنے لگی، " آج تجھے ہو کیا گیا ہے ؟ کچھ بھنگ تو نہیں پی لی ہے"

کملا بھی ہنسنے لگی، " بھنگ تو نہیں پی لیکن نشہ میں ہوں، محبت کا نشہ!"

---

پھر جاوید کی طرف دیکھ کر گویا گاتی ہوئی بولی،

" بارو مجھے معاف کرو میں نشہ میں ہوں، !"

لگاوٹ کی ان باتوں سے اوما تنگ آ گئی،

" کملا خدا کے لئے اب چپ رہو، سر میں درد ہونے لگا، !"

کملا نے ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا، " اپنے درد سر کا تو اتنا خیال، لیکن
ہمارے درد دل کی کوئی فکر نہیں، ———"

جاوید ہنسنے لگا، اس نے اوما سے کہا،

" ان سے کوئی نہیں جیت سکتا، !"

کملا نے ذرا سنجیدہ لہجہ میں کہا،

"اعتراف شکست کر کے آپ نے حقیقت پسند ہونے کا ثبوت دیا ہے،!"

—— کاش ترویدی ایسا کرتا تو میں اسے بھی معاف کر دیتی،!

ترویدی کا نام سنکر، ادما کو گفتگو کا موضوع بدلنے کا موقع مل گیا، اس نے سوال کیا،

"ہاں یہ تو بتاؤ، ترویدی نے جاوید صاحب کو لوفر کیسے کہہ دیا، وہ تو تم نے ہنسی مذاق کی باتیں چھیڑ دیں، بری طبیعت بٹ گئی، ورنہ ویسے بڑا غصہ ہے سچ صرف ایک مختصر سی ملاقات میں وہ یہ تاثر لے کر گئے ہیں؟"

کملا کہنے لگی، "پولیس کے آدمی ہیں نا، اپنے آپ کو بڑا مردم شناس سمجھتے ہیں کہتے ہیں آدمی کی تصویر دیکھ کر سمجھ لیتا ہوں کیسا ہے؟ اور چونکہ جاوید صاحب مسلمان ہیں، لہذا انھیں ہم لوگوں سے اتنا قریب دیکھ کر، اور خار کھانے لگے،!"

ادما کی تیوریاں چڑھ گئیں، اس نے پوچھا،

"مسلمان؟ —— —— ہندو مسلمان کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا،!"

کملا نے پریشان ہو کر کہا،

"بھئی وہ مسلمانوں سے بڑی نفرت کرتے ہیں،!"

ادما نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،

"حیرت ہے!"

کملا بولی،

حیرت کیوں ہے میں نے تو اسی وقت جب تعارف کرایا تھا کہہ دیا تھا، دل سے کانگرسی ہیں ظاہر ہیں انگریز کے پٹھو، ہم تو ظاہر کا حال جانتے ہیں، دل کا حال بھگوان جانیں، —— جانتی ہو میں نے یہ کیوں کہا تھا؟ اس لئے

کہ اس شخص کو خواہ مخواہ کا بیر ہے مسلمانوں سے نینی تال میں اکثر ہم لوگ گھنٹوں
باتیں کیا کرتے تھے، کبھی جھیل کے کنارے، کبھی کشتی میں بیٹھ کر، کبھی ہوٹل یا کل
گوشۂ عافیت میں کبھی "لکھنؤ کلب" کے کسی کمرہ میں، دنیا کا کون موضوع ایسا تھا
جو بات چیت نہ ہوتی ہو، قومی اور ملکی سیاسیات پر بھی خوب خوب تبادلۂ خیالات
تھا، ایسے تمام مواقع پر، ظاہر ہے، مسلمانوں کا، لیگ کا، جناح صاحب کا، ذکر
ہوتا، اس کے چہرے سے نفرت کے شرارے برسنے لگتے تھے، بھئی، مسلمانوں
موجودہ روش سے جواب اُن کی قومی روش ہے ہمیں بھی اختلاف ہے، لیگ کے
اوّل درجہ کے مخالف، مسٹر جناح کی لیڈر شپ بھی، ملک کے لئے روز بہ روز مہلک
جاتی ہے، یہ سب چیزیں اپنی جگہ درست ہیں، لیکن مسلمان قوم سے نفرت کرنے لگنا،
کو بزدل اور ذلیل سمجھنے لگنا، نہایت غیر شریفانہ بات ہے، یہ بات تو میں نے نینی تال
بھی ایک دفعہ ترویدی سے کہہ دی تھی اور وہ اُبل پڑے تھے، !
لیکن ہوگا ہمیں ایسے لوگوں سے مطلب ہی کیا۔ ناتہ ٹوٹا تو ٹوٹا، البتہ حیرت کمار
ذرا ہے، ! "

اوما نے دریافت کیا، "کیا کماری بھی یہی رائے رکھنے لگی ہے ؟"
کملا ہنسنے لگی،
" اور کیا، ———— ہم تو چلے پیا کے دیس، جیسا پیا کا دیس، ویسا ہم
———— اگر اس کی شادی کسی انگریز سے ہو جاتی تو یقین کرو، وہ ہندو
کی دشمن ہو جاتی، اور کانگرس کی طرف سے تو اب اس کا عقیدہ کھسکنے لگا ہے"!
اوما نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا،
" یہ تم نے کیسے جانا ؟ "
کملا نے بتایا، ایک دن ترویدی صاحب اپنی بہادری کے قصے بیان کر

فلاں مجمع میں یوں گھس گئے، فلاں جگہ ایک بہت بڑے مجمع پر یوں آنسو گیس پھینک کر اسے منتشر کردیا، فلاں جگہ کی پکٹنگ یوں اپنے ھنٹروں سے ختم کردی، فلاں کانگرسی لیڈر کو دن دہاڑے اس کے گھر سے یوں گرفتار کرلیا، کماری دلوی بڑی عقیدت سے یہ کارنامے سنتی رہیں، پھر برا سا منہ بنا کر کہنے لگیں، ہڑتال پکٹنگ، ستیاگرہ نے تو سارے ملک کا امن و امان درہم برہم کر رکھا ہے، کسی ملک نے بھی اس طرح آزادی نہیں حاصل کی، ! ——— دیکھو لینا، تھوڑے دنوں میں کماری بالکل سرکاری آدمی بن جائے گی، !"

جاوید نے گفتگو میں حصّہ لیتے ہوئے کہا،

"چھوڑیئے کملا دیوی ان باتوں کو، ہر شخص وہی کرتا ہے، جو اس کے ضمیر کا تقاضا ہوتا ہے، ترویدی صاحب اگر مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں تو کرنے دیجیے، کماری دیوی اگر کانگرس سے بیزار ہیں تو رہنے دیجیے، آپ نے انگریزوں کی وہ مثال توسنی ہی ہوگی، قافلہ چلتا رہتا ہے اور ———

ادما ہنسنے لگی، کملا بھی ہنس پڑی، اور دونوں نے تقریباً بیک آواز کہا،

"قافلے گزرتے رہتے ہیں، اور کتے بھونکتے رہتے ہیں، !"

جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا،

جی ہاں میرا یہی مطلب تھا ——— ہم پر کسی کی بھی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، ہم صرف اپنے ذمہ دار ہیں، دوسرے کیا کرتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ یہ وہ جانیں، ہم کیا کرتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اس کا بار بار احتساب کرتے رہنا چاہیئے، جائزہ لیتے رہنا چاہیے،

کملا نے بچا ہوا کھانا سمیٹتے ہوئے کہا،

جاوید صاحب آپ کو مسلمان کے بجائے عیسائی ہونا چاہیے تھا، ———

حیرت سے جاوید نے کملا کی طرف دیکھا، اور پوچھا،

"یہ کیوں؟ کس لئے عیسائی ہونا چاہیئے تھا مجھے؟"

وہ سوکھا سا منہ بنا کر کہنے لگی،

"آپ کی تعلیمات حضرت عیسیٰ سے بہت ملتی جلتی ہیں'!"

جاوید نے ایک زور دار قہقہہ لگایا، اور کہا،

"لیکن آپ یہ بھول گئیں، کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات مہاتما بدھ کی تعلیمات سے ملتی جلتی ہیں، پھر میں بدھ کیوں نہ ہوا؟

اوما نے فخر سے گردن اٹھائی، فاتحانہ نظروں سے کملا کو دیکھا، اور پوچھا،

"اب بھی چپ رہو گی یا یوں ہی ٹر ٹر کئے جاؤ گی ———؟"

کملا برتن دھونے میں لگ گئی، صرف اتنا کہہ کر،

"لو بھئی چپ ہو گئے، اب تم دونوں اطمینان سے باتیں کرو'!"

## (۶)

# بمبئی

خیریت کے ساتھ یہ قافلہ بمبئی پہنچ گیا،!

بمبئی ایک شہر نہیں دنیا ہے، ـــــــــ دنیائے رنگ و بو، جہاں حسن و جمال، عالم عشوہ و ادا،!

یہاں کیا نہیں ہے؟ ـــــــــ بلند و بالا عمارتیں، آئینہ کی طرح صیقل کی ہوئی، لمبی چوڑی سڑکیں، متعدد مقامات پر سمندر کے کنارے نزہت گاہیں، اور طرب کدے، ورلی، قلابہ، چوپاٹی، اپالو، جوہو، میرین ڈرائو، ورسوا، ان میں سے ہر مقام پر پہنچ کر ـــــــــ آوے ہے یہی جی میں یہیں عمر بسر کر،!

ہر ذوق، ہر مذاق، ہر مزاج، ہر طبیعت، ہر قوم، ہر ملک، ہر ذہنیت کے لوگ موجود، کالبا دیوی، گرگام، پریل، دادر، گاؤں وغیرہ ہندوؤں کے مرکز ہیں، زیادہ تر مزدوروں کے، لیکن پھٹے کپڑوں، اور تنگ و تاریک مکانوں میں رہنے کے باوجود زندگی اور امنگ سے بھرپور، محمد علی روڈ، بائیکلہ، بھنڈی بازار، میمن محلہ، ٹمکر محلہ، کھڑا پارسی، ڈونگری، وغیرہ مسلمانوں کے مرکز ہیں، مزدور اور ملازمت پیشہ، تاجر اور صنعت کار، بیکار، اور بے روزگار، سب یہاں بستے ہیں، حب قومی اور جوش ملی

جہاں سے معمور، چوپاٹی، مالابار ہل، میرین ڈرائیو، قلابہ، کمبالا ہل، وہ مقامات ہیں جہاں بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں، جہاں آغا خاں کا محل ہے، قائداعظم کی دولت سرا ہے اور پرشوتم داس ٹھاکر داس کی حویلی ہے، خوجوں، میمنوں، پارسیوں اور ہندوؤں کے لکھ پتی اور کروڑ پتی لوگ یہیں رہتے ہیں، اور دنیا ہی میں جنت کے مزے لوٹتے ہیں، پھر بمبئی کے سبرب، مہالکشمی، ماہم، باندرہ، ولے پارلے، اندھیری، جوگیشوری، ملاڈ بمبئی سے متصل — لیکن شہر کے ہنگاموں سے دور، چھوٹے چھوٹے نفیس مکان جہاں غریبوں اور امیروں کے نشیمن ہیں، جہاں دیویکا رانی کی بمبئی ٹاکیز ہے، جہاں ایکٹروں، اور ایکٹرسوں کے عشرت کدے ہیں، جہاں بہت سی فلم کمپنیوں کے اسٹڈیو ہیں، جہاں دن عید ہے رات شبرات ہے، جہاں رقص و سرود کی محفلیں جمتی ہیں، جہاں حسن و عشق کے کھیل کھیلے جاتے ہیں، جہاں زندگی کا داؤں لگتا ہے، پھر مہالکشمی کا ریس کورس، جہاں ایک خلقت امنڈ پڑتی ہے، جہاں سے کبھی کبھی غریب جھولی بھر کر واپس جاتے ہیں، اور امیر اکثر و بیشتر ہزاروں کی چوٹ کھا کر، جہاں حسن بکتا ہے، جہاں خریدا جاتا ہے، جہاں ادائیں نیلام ہوتی ہیں، جہاں عشوہ طرازیوں کا بازار لگتا ہے، جہاں کے غریب بے حد غریب اور جہاں کے امیر بے حد امیر ہیں، جہاں پارسی رہتے اور بستے ہیں، جن میں حسن بھی ہے اور رعنائی بھی، زندگی کو نباہنے کی ہمت بھی، اور زندگی کی سختیوں کو جھیلنے کا حوصلہ بھی، جہاں ہر سال مجلس اقبال کے کل ہند مشاعرے ہوتے ہیں، اور اس اسٹیج پر ہندو اور مسلمان، کانگرسی اور لیگی، کمیونسٹ اور سوشلسٹ جمع ہو جاتے ہیں، جہاں جگر کی نغمہ طرازیوں پر لوگ وجد کرتے ہیں، جہاں بہزاد کو سننے کے لئے لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں، جہاں مسلم لیگ کے شاندار، عدیم المثال اور ناقابل فراموش اجتماعات ہوتے رہتے ہیں، جہاں کانگرس کے طوفان بدوش اور انقلاب انگیز جلسوں کا

جاری رہتا ہے، جہاں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے ہیں، مسلمان اتنی چابک دستی سے ہندو کے چھرا مارتا ہے کہ بیچارے کو آہ تک کرنے کی مہلت نہیں ملتی، تیورا کر گرا، اور ختم، اور ہندو اس فنکاری سے گردن کاٹتا ہے کہ پولیس حیرت سے تماشہ دیکھتی رہ جاتی ہے، جہاں ہندوستان کے ہر شہر سے ایکٹرس بننے کی تمنا میں، خوب صورت، عالی خاندان اور تعلیم یافتہ لڑکیاں گھروں سے بھاگ بھاگ کر آتی ہیں، لیکن آبرو اور ناموس گنوانے کے بعد مشکل سے اکسٹرا بن پاتی ہیں، ورنہ شہروں شہروں، کوٹھوں کوٹھوں منتقل ہوتی، بکتی اور مرتی رہتی ہیں، جہاں سٹے کا بازار گرم رہتا ہے، اور یہ سٹہ کا کاروبار کرنے والے بے ایمان، اتنے ایماندار ہیں کہ جس کا نمبر آگیا، خواہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو گھر بیٹھے روپے دے جاتے ہیں، جہاں فلم کمپنیوں کی بھرمار ہے، ہر اسٹوڈیو گل کدہ بنا ہوا ہے۔ جنت نگاہ، اور فردوس گوش، جہاں کے نگار خانوں کا طواف، شاعر، انشا پرداز، افسانہ نویس، مکالمہ نگار، اور منظر نامہ لکھنے والے نہایت پابندی سے کرتے ہیں، اور جاہل پروڈیوسر اور سیٹھ کے سامنے، اس کی ہر حماقت پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتے ہیں، جہاں سے حشرات الارض کی طرح، اردو، ہندی، گجراتی، مرہٹی، اور انگریزی کے اخبارات نکلتے ہیں، چند کے علاوہ سب کی زندگی فلمی اشتہارات پر منحصر ہے، ایک گالی دیتے ہیں دو پیسے لیتے ہیں، جہاں بابوراؤ پٹیل رہتا ہے، فلم انڈیا کا ایڈیٹر، جس کے قلم کی نوک بچھو کا ڈنک بھی ہے، اور زخم دل کا مرہم بھی، ——— وہ شاخ گل بھی ہے تلوار بھی ہے، جہاں ہارنی مین رہتا ہے، قوم کا بہبودی، لیکن آزادیٔ ہند کا علمبردار، مفلس، لیکن لکھ لٹ بہادر، لیکن نادہند، قانون سے ناواقف، لیکن وکیلوں کے کان کترنے والا، مخالف کے لئے ایٹم بم، دوست کے لئے سراپا ایثار و قربانی، غنڈوں مجرموں، سیہ کار، دولت مندوں کی نقاب کشائی کر کے ان سے روپیہ

لینے والا، اور اسے غریبوں پر صرف کر دینے والا، پولیس کے افسروں کی رشوت
اور بے ایمانی کا پول کھول لینے والا، اور عدالت میں بغیر کسی وکیل کی مدد کے خود اپنا
لڑنے والا، اور ہمیشہ جیتنے والا، تیس سال سے بڑے بڑے کرایہ کے اعلیٰ در
کے فلیٹوں میں رہنے والا، اور کبھی کسی کو ایک مہینہ کا بھی کرایہ نہ دینے والا، بر
کا دشمن ازلی، ان کے پرائیویٹ خطوط نہ جانے کس طرح چرا کر، بلاک بنوا کر، ا
اخبار میں چھاپنے والا، اور انھیں سرمایہ دار ہندوؤں کا آلۂ کار ثابت کرنے
جہاں سید عبداللہ بریلوی بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر رہتے ہیں، قابل، نیک، نڈ
ایماندار، مخلص، بے ریا، با اصول، کانگرس کے فدائی، قومیت متحدہ کے عل
پاکستان کے مخالف، جہاں خلافت ہاؤس ہے، مولانا شوکت علی کا مرکز تعل
جہاں سے آزادی، سرفروشی اور جاں نثاری کی تحریکیں اٹھیں اور مسلمانان ہند
ایک نئی روح حریت اور آزادی کی پیدا کر گئیں —————— جہاں ان
علاوہ بھی بہت کچھ ہے،!

ایسا کچھ کہ بس دیکھتے رہیے، اور دیکھتے رہنے کے بعد بار بار یہی کہے
ایک بار دیکھا ہے دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے،!!

بمبئی کی ان رعنائیوں اور برائیوں کو، کملا، اور اوما نے اپنی رشتہ
ایک بہن، اور سہیلی اوشا کے ساتھ جو یہیں رہتی تھی دیکھا، اور خوب دی
جاوید نے کبھی کملا اوما، اور اوشا کے ساتھ، اور کبھی تن تنہا اور پا پیادہ
ان سب اچھائیوں، اور برائیوں کا رخ دیکھ اور دور سے خوب خوب مشاہدہ
مطالعہ کیا، —————!

کانگرس کا اجلاس شروع ہونے میں ابھی دو دن باقی تھے،
ایک روز، اوشا نے سیر و تفریح کا پروگرام بنایا، ایک ٹیکسی کی

قافلہ چل پڑا، جاوید بھی ساتھ تھا،

سب سے پہلے یہ لوگ، قلابہ، میرین ڈرائیو اور چوپاٹی ہوتے ہوئے، مالابار ہل پہنچے، اور وہاں کے ہینگنگ گارڈن کے فرش زمردیں پر بیٹھ گئے،

کملا نے حیرت بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھا، اور کہا،

"یہ بمبئی ہے یا قیامت، میں تو یہاں آکر دیوانی ہوئی جا رہی ہوں" ——— "ہمارے دیس میں ایسی پیاری جگہیں بھی ہیں، کتنا فخر ہوتا ہے، ہمیں ان چیزوں پر"!

جاوید نے ایک تاثر کے عالم میں کہا،

"اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے"! ——— یہاں کے ستارے یہاں کا چاند، یہاں کا سورج، یہاں کی زمین، یہاں کے دریا، یہاں کا سمندر سب حسین ہیں، بے مثال ہیں، قابل پرستش ہیں، ——— میرے وطن کا مجھکو ہر ذرّہ دیوتا ہے"!

کملا نے ٹوکا،

"توبہ کیجئے، بت پرستی کی باتیں کرنے لگے آپ تو شکر کیجئے یہاں کوئی مولوی صاحب نہیں ہیں، ورنہ کفر کا فتویٰ لگ گیا ہوتا آپ پر"!

جاوید ہنسنے لگا، اس نے کہا،

"بے چارے کفر کا فتویٰ دے کر اپنا وقت ضائع کریں گے یہاں تو وہ عالم ہے کہ

میرؔ کے دین و مذہب کو کیا پوچھو ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا"!

ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، ایک دل یا تو خدا کی عبادت کر لے، یا وطن کی"!

سکتنے اچھے سنہرے، اور پاکیزہ خیالات ہیں"، اوما دل ہی دل میں خرا
پیش کرنے پر مجبور ہوگئی، اور مجبور ہوکر کہہ اٹھی،
جاوید صاحب، ہر مسلمان آپ کا سا کیوں نہیں ہو جاتا، !"
کملا بھلا کب خاموش رہنے والی تھی، کہنے لگی،
"اگر ہر عورت اوما بن جائے، تو ہر شخص، خواہ وہ مسلمان ہو یا پارسی، ہ
یا عیسائی، جاوید کا سا بن جائے گا، !،
اوشا ہنسنے لگی، پھر اٹھ کھڑی ہوئی،
"آؤ چلیں، !"
باہر آکر یہ لوگ پھر ٹیکسی میں بیٹھ گئے، تھوڑی دور جانے کے بعد، اوشا
"یہ ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ ہے، یہ سامنے محل نما بنگلہ جو نظر آرہا ہے
جناح کا ہے، !"
کملا نے طنز کیا،
غریب مسلمانوں کے قائد اعظم کا، !
ذرا دور آگے جانے کے بعد، مغلیہ طرز عمارت کا ایک دلکش نمونہ
سرخ سرخ پتھروں کی بارہ دری، ویسی ہی کوٹھی، وسیع اور کشادہ خانہ باغ
نے چلتی ہوئی کار سے اشارہ کرتے ہوئے کہا،
"یہاں عطیہ بیگم فیضی رہتی ہیں، " بمبئی آرٹ سرکل کی روح رواں، بمبئی کی
اور اعلیٰ سوسائٹی کی جان، یہاں، ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی، یہودی، بڑے
بڑے اونچے خاندانوں کی عورتیں اور لڑکیاں آتی ہیں، شوقین نوجوان آتے ہیں
دولت مند اور سرمایہ دار آتے ہیں، یہاں آنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا
جیسے ہم الف لیلہ کی دنیا میں پہنچ گئے، کمبخت مہینہ میں صرف ایک ہی مرتبہ جلسہ

ہے کاش ہر روز کیا کرے'، !"

عطیہ بیگم کی کوٹھی بہت پیچھے رہ گئی تھی، لیکن کملا نے ضد کی،

"ملیں گے عطیہ بیگم سے ہم بھی'، !"

اوما نے تائید کی،

"جی تو ہمارا بھی چاہتا ہے'، !"

اوشا نے کہا،

اگر کچھ دن یہاں رہو گی تو ملا دوں گی'، آج کل تو کہیں باہر گئی ہوئی ہیں'،
اتنی دیر میں ٹیکسی، ورلی کے ساحل پر پہنچ گئی، یہ لوگ ٹیکسی سے اترے، اور سمندر
کا نظارہ کرنے لگے، سر بہ فلک موجیں آتی تھیں، اور سنگی دیوار سے سر پھوڑ کر واپس
چلی جاتی تھیں، یہ منظر دیکھ کر، یہ لوگ پھر ٹیکسی کی طرف بڑھے، چند قدم چلنے کے بعد
یکایک اوشا ٹھہر گئی، جاوید، کملا اور اوما کو بھی رک جانا پڑا، اتنے میں ایک بوڑھا شخص
کھدر کی دھوتی باندھے، ننگے سر، ایک عورت اور ایک مرد سے جو اس کے
دائیں بائیں چل رہے تھے باتیں کرتا ادھر سے گزرا، اوشا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر نمسکار
کیا، اس نے بھی دونوں ہاتھ جوڑ کر جواب دیا، اور بڑھا چلا گیا، اوشا نے کہا،

"یہ سردار تھے، ——————— سردار پٹیل'، !"

اوما نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبہ سے پوچھا،

"یہ تھے سردار؟"

اوشا نے جواب دیا،

ہاں —————— اور یہ جو ان کے ساتھ جا رہے تھے، مسٹر ملنشی تھے،
اور دوسری ان کی بیوی لیلاوتی'، !

باتیں کرتے کرتے یہ لوگ ٹیکسی کے پاس پہنچ گئے، اوشا نے بیٹھتے ہو
ڈرائیور سے کہا،

"جوہو چلو!"

ٹیکسی کھجور کے درختوں، خوشنما عمارتوں اور رنگا رنگ مناظر کو پیچھے چھوڑتی ہوئی، بھاگنے لگی، اور کوئی پون گھنٹہ میں جوہو پہنچ گئی،

اوشا اترتی ہوئی گویا ہوئی،

یہ ہے جوہو، ——— بمبئی کی جان، بمبئی کی آن، بمبئی کی شان ——— آؤ ———!

کھجوروں کے ایک جھنڈ کے پاس ٹیکسی رک گئی، یہ لوگ، اوشا کے پیچھے چلے، چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچ گئے، شام کا وقت تھا، اس دن ویسے بھی کافی ہجوم ہو جاتا ہے آج اتوار کی وجہ سے اور زیادہ تھا،

ریت میں تھوڑی دیر چلنے کے بعد یہ لوگ وہاں جا کر بیٹھ گئے، جہاں سمندر کی پرشور لہریں آ آ کر، سر ٹیک رہی تھیں، بڑا دلچسپ اور روح پرور منظر تھا، ریت کے اس میدان میں کچھ لوگ ٹہل رہے تھے، کچھ دوسری دلچسپیوں میں مشغول تھے، کہیں سپیرا اپنے کمالات دکھا رہا تھا، کہیں بازی گر اپنی فنکاری کا ثبوت دے رہے تھے، کہیں چائے بک رہی تھی، کہیں گردے اور کباب سے، کہیں ناریل کا پانی، کہیں چنے اور مرمرے، کچھ من چلے، سمندر کی لہروں سے لڑ رہے تھے، یعنی اس سمندر میں جس کا کوئی اور چھور نہ تھا، نہا رہے تھے، ——— مرد بھی اور عورتیں بھی، نوجوان لڑکے بھی، اور لڑکیاں بھی ——— نیم برہنہ، لیکن دنیا سے بے پرواہ شاداں، فرحاں، مسرور، خوش، بے فکر، ———!

ایک جگہ ایک مچان پر، ایک آدمی، اپنے عملہ کے دو چار آدمیوں کے ساتھ
دور بین لئے کھڑا تھا کہ اگر کوئی ڈوبنے لگے تو فوراً مدد کو پہنچے،
یکایک کملا نے تقریباً چیختے ہوئے اوما سے کہا،
" دیکھنا دیکھنا، ——— اوما دیکھنا، ———
اوما اسی طرف دیکھنے لگی، جدھر کملا کی انگلی اٹھی ہوئی تھی، !
سورج بالکل زرد ہو چکا تھا، جیسے سونے کا پیالہ، ایسا معلوم ہو رہا تھا،
جیسے یہ جنبش میں ہے، پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا جیسے سونے کے اس
تھال کو کسی نے سمندر میں پھینک دیا، ——— سورج ڈوب گیا، !
یہ منظر دیکھ کر اوما بے خود ہو گئی، جاوید نے کہا،
اوشا دیوی، ہم عمر بھر آپکے اس احسان کو یاد رکھیں گے، ! کیا منظر دیکھا
ہے نظروں نے اس وقت، !،
اوشا اٹھ کھڑی ہوئی،
" آیئے ذرا ٹہلیں تھوڑی دیر، ! "
یہ لوگ ایک بے بس معمول کی طرح اس کے ساتھ ہو لئے،
چلتے چلتے ایک مرتبہ اوشا پھر ٹھٹکی، بالکل پاس سے ایک نہایت
خوب صورت طرحدار اور سراپا، شراب و شباب عورت گزری، اس کے ساتھ
سوٹ پتلون پہنے ایک مرد تھا، بالشت بھر کی داڑھی، بھورے بال، کرنجی آنکھیں،
جب وہ عورت گزر گئی تو اوشا نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا،
" پہچانا ؟ " ——— کچھ سمجھیں کون گزر گیا ادھر سے، ! "
کملا نے کہا،
بھئی پہیلیاں نہ بجھاؤ، بتاتی جاؤ، ! "

اوشا نے بتایا،

"یہ دیو یکا رانی تھیں ـــــــــــ

کملا کے منہ سے بے ساختہ نکلا،

" دیو یکا رانی ! ـــــــــــ یہ تھیں !"

اوشا ہنسنے لگی،

" ہاں ـــــــــــ بڑی حضرت ہیں یہ بھی'' !"

کملا بولی، " حضرت تو نہیں قیامت ضرور ہیں'' !"

اوشا نے عارفانہ لہجہ میں کہا،

" تم کیا جانو، ـــــــــــ اسماعیل جوگیشوری کالج میں ایک روز یہ لکچر دینے آئیں کہ ہم بمبئی ٹاکیز میں شریف خاندان کے لڑکوں اور لڑکیوں سے اداکاری کراتے ہیں، تاکہ ثابت کر دیں کہ فلمی دنیا میں گندگی آبرو باختہ مردوں اور عورتوں نے پھیلائی ہے، اگر شریف لڑکے اور لڑکیاں اس لائن کو اختیار کریں تو کوئی اسکینڈل کبھی نہیں ہوگا، ـــــــــــ

بھئی اس تقریر سے ہم سب متاثر ہوئے، اس لئے کہ دیو یکا رانی ڈاکٹر ٹیگور کی قریبی عزیزہ ہیں، اور لندن، پیرس، برلن میں برسوں رہ کر تعلیم حاصل کر چکی ہیں یہی حال ان کے شوہر ہمانسو رائے کا تھا، لیکن معلوم ہے کیا ہوا ؟

کملا نے جواب دیا،

" بتاؤ گی تو معلوم ہو جائے گا'' !

اوشا پہلے تو ہنسی، پھر کہنے لگی،

کوئی ایک گھنٹہ کے بعد معلوم ہوا، دیو یکا رانی، اپنی کمپنی کے ایک خوب صورت اداکار نجم کے ساتھ گھر بار، شوہر، سب کو چھوڑ کر بھاگ گئیں'' !

لوس کی قیادت کر کے مسلمانوں پر، ! جس سے کانگرسی حکومت بہت بدنام ہوگئی، !"

جاوید نے ہنستے ہوئے کہا،

"چلئے مس اوشا، بڑی غلط جگہ لائیں آپ مجھے، ——— !"

کملا بولی،

"سارا مزا کرکرا ہو گیا، ——— پاکستان، بمبئی میں، جوہو پر، ———!"

---

(۵)

# چشم تماشا،

بمبئی میں اس وقت بڑے بڑے کانگرسی لیڈر آئے ہوئے تھے، کا
کے جلسہ میں انہیں دیکھ لینا، ان کی تقریر سن لینا، ان کے افکار و خیالات سے
ہو لینا دوسری بات تھی، لیکن جی تو یہ چاہتا تھا کہ ان سے ملا جائے، پاس سے
مشرف دید حاصل کیا جائے، ان کی نجی باتیں سنی جائیں، انہیں ایک لیڈر کی
نہیں، ایک آدمی کی طرح، دور سے نہیں، قریب سے دیکھا جائے، لیکن یہ حسر
کس طرح پوری ہو؟ اوما اور کملا بار بار ہی ذکر لے بیٹھتیں، جاوید بھی اس حسرت
برابر کا شریک تھا، لیکن حصول مقصد کی کوئی صورت نہیں نظر آتی تھی، لیکن اوشا
مشکل بھی حل کر دی، منشی کی لڑکی اس کی سہیلی اور کالج کی ساتھی رہ چکی تھی،
کہا چلو مسٹر منشی کے ہاں چلتے ہیں سردار وہیں ٹھہرے ہیں، ان کے درشن تو ہو
پھر وہیں چلکر کوئی سازش کریں گے، اور دوسرے لیڈروں کی قیام گاہ پر بھی
دینے پہنچ جائیں گے، یہ اسکیم سن کر کملا اچھل پڑی، اوما کی باچھیں کھل گئیں
خوش ہو گیا، فوراً ہی یہ لوگ تیار ہو کر، مسٹر منشی کی قیام گاہ پر پہنچ گئے، مسٹر منشی
باپ کی طرح اوشا سے ملے۔ اس نے، اور اس کے ساتھ اوما اور کملا نے سردا

پاؤں چھوے جو وہیں تشریف فرما تھے، یہ لوگ ادب سے ایک طرف بیٹھ گئے، سردار اور منشی میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں، وہ بدستور جاری رہیں، سردار نے مسکراتے ہوئے گرج دار آواز میں کہا،

"تو تم نے کانگرس سے الگ ہونے کا فیصلہ کر ہی ڈالا آخر؟ اور مہاتما جی سے بھی اجازت لے لی، ؟ ——— بڑے تیز ہو، !"

منشی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، سردار میں تو آپ کے حکم کا بندہ ہوں، آپ کا اشارہ نہ پاتا، تو یہ جرات کیسے کر گزرتا، آخر میں بھی کانگرس میں اتنے دن سے ہوں، کچھ میری خدمات بھی ہیں، ان سب پر پانی پھیر کر جو الگ ہو رہا ہوں تو کیوں؟ آپ کا اشارۂ چشم پاکر، آپ میرے لیڈر ہیں جو کہیں گے وہ کروں گا، !"

سردار نے ایک قہقہہ لگایا، اور فرمایا، ٹھیک ہے، ٹھیک کہتے ہو، اکھنڈ بھارت کی تحریک کانگرس میں رہ کر اتنے زور شور سے نہیں چلائی جا سکتی، جتنے جوش سے باہر رہ کر چلائی جا سکتی ہے، کانگرس سے الگ ہو کر، اور اکھنڈ بھارت سبھا قائم کر کے تم کانگرس اور ملک کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہو، ——— شاید ان لوگوں سے زیادہ جو کانگرس میں موجود ہیں، !،

یہ باتیں سنکر منشی پر فخر و نشاط کی کیفیت طاری ہوگئی، انھوں نے بڑے داعیہ سے کہا،

"ہم ہندوستان کو ہرگز تقسیم نہیں ہونے دیں گے، !"

سردار کا چہرہ سرخ ہوگیا، کہنے لگے دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو ہندوستان کو تقسیم کر سکے۔

منشی نے ہاں میں ہاں ملائی، مہاتما جی بھی کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں ہندوستان کی تقسیم گئو ماتا کے دو ٹکڑے کر دینے کے برابر ہے ———

سردار کا موڈ بدل گیا، ہنسنے لگے،

"یہ انگریزوں کی ایک چال ہے، ہم "کوئٹ انڈیا" (ہندوستان چھوڑ دو) کی تحر
شروع کر رہے ہیں، یہ تحریک دراصل بغاوت کا اعلان ہے، انقلاب کا پیش خیم
ہے، ہندوستان کو اکھنڈ (ہند) رکھنے کا بہترین ہدف نسخہ ہے، اس تحریک
انگریز جو اس بات سے خستہ ہو جائے گا، وہ ہندوستان سے بھاگنے پر مجبور ہو جائے گا، جر
نے پہلے ہی اس پر زندگی تنگ کر رکھی ہے، ادھر جاپان قیامت برپا کر رہا ہے
ان حالات میں اگر انگریز کو یہاں رہنا ہے، تو ہندوستان کو تقسیم کرنے کا وہ خیا
بھی نہیں کر سکتا، اور اگر اسے بھاگنا پڑا، جیسا کہ مہاتما جی کا خیال ہے تو پھر ہم ہندو
کے مالک ہیں یہ امانت ہمارے پاس آ کر رہے گی،!"

کچھ اندیشہ سا محسوس کرتے ہوئے منشی نے کہا،

لیکن جناح ——————

سردار کے قہقہے نے منشی کا سلسلۂ کلام بند کر دیا،

جناح ؟ وہ کیا کر سکتا ہے،! وہ ہمارے مقابلہ میں ٹھہر سکتا ہے، اس کی قو
فقیر، ہماری قوم دولت مند، اس کی تنظیم کمزور، ہماری تنظیم زلزلہ انگیز، اس کی آواز مح
ہماری آواز جہاں گرد، یہاں سے لندن، ماسکو، برلن، پیرس، نیویارک، واشنگٹن تک
ہر جگہ سنائی دیتی ہے، وہ پروپیگنڈے کے وسائل سے محروم، ہمارے با تنخواہ
اور بے تنخواہ ایجنٹ سارے یورپ میں پھیلے ہوئے ہیں، وہ دنیائے اسلام تک کو
پاکستان کا قائل نہ کر سکا، ہم نے دنیائے اسلام کو یقین دلا دیا پاکستان ایک وہم باطل
ہے، مصر، ٹرکی، سعودی عربیہ، عراق، کہیں سے ایک آواز بھی پاکستان کی حمایت
میں اٹھی ؟ تم جناح کا ہمارے سامنے نام لیتے ہو ؟ ہماری توہین کرتے ہو ؟ سمند
کے سامنے بلبلہ کا ذکر، سورج کے سامنے ستارے کی تعریف، ——————

منشی کچھ سمجھے ؟،

منشی کی سمجھ میں سب کچھ آچکا تھا عقیدت سے سر جھکا لیا،

"اسی لئے تو ہم نے آپ کو اپنا سردار اور لیڈر بنایا ہے،!"

سردار نے گھڑی دیکھی، اور گویا ہوئے،

مہاتما جی کے پاس جاتا ہے، چلتے ہو ؟

منشی کو کیا عذر ہو سکتا تھا، یہ دونوں، اپنے نئے عقیدت مندوں کو چھوڑ کر چلے گئے، اوشا گھر کے اندر گئی، اور اپنی سہیلی کو بلا لائی، پھر یہ لوگ نیپین سی روڈ، بھولا بھائی ڈیسائی کے قصر عالی شان تک پہنچے، یہاں مولانا آزاد گھیرے ہوئے تھے، اور بہت سے لوگ انہیں گھیرے ہوئے تھے، خود بھولا بھائی بھی ایک چاکر کمترین کی طرح حاضر تھے،

یہ قافلۂ عقیدت چپ چاپ ادب کے ساتھ ایک گوشہ میں بیٹھ گیا، جہاں سے مولانا کا روشن اور تابناک اور کشش انگیز چہرہ صاف نظر آرہا تھا، اور ان کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی،

کسی نے مولانا سے عرض کیا،

"ہندوستان خالی کردو" کی تحریک شروع کرنے سے پہلے جناح سے صلح کیوں نہیں کر لی جاتی، کتنا اچھا ہو، اگر کانگرس اور لیگ مل کر اس تحریک کو چلائیں

---

مولانا اس سے زیادہ نہ سن سکے، انھوں نے تیکھے انداز میں فرمایا،

"آپ میرے پاس پاکستان کے علمبردار بن کر آگئے ہیں ؟"

وہ بیچارے جھینپ سے گئے کہنے لگے،

پاکستان کا تو میں سخت مخالف ہوں،

مولانا نے اسی لب و لہجہ میں ارشاد فرمایا،

" تو کیا آپ نہیں جانتے، جناح سے صلح صرف پاکستان ہی پر ہو سکتی ہے، ا
کیا صلح کے لئے ہم اپنا اصول چھوڑ دیں ؟ اپنے مقاصد سے دستبردار ہو جائیں
—————؟

پھر وہ ایسے چپ ہوئے کہ پھر کچھ نہ بول سکے،

تھوڑی دیر کے بعد، یہ قافلہ، نیپین سی روڈ کی ایک دوسری شاندار کوٹھی م
پہنچا، یہاں مسٹر ہتھی سنگھ رہتے ہیں، جواہر لال کے بہنوئی، کرشنا نہرو کے شو
پنڈت جی یہیں اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس ٹھہرے ہیں،

ہتھی سنگھ برآمدے میں اپنے کسی دوست سے باتیں کر رہے ہیں، کرشنا ن
بھائی کے پاس بیٹھی ہیں، کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں، یہ لوگ بھی جا کر ایک گوشے میں
گئے اور باتیں سننے لگے،

وہی جناح لیگ، اور پاکستان کا ذکر، !

یہاں پنڈت جی کے پرانے رفیق کار، اور کٹر کانگریسی ڈاکٹر اشرف، اور پنجا
کانگرس کے صدر، میاں افتخار الدین بھی تھے، اور اس وقت پنڈت جی سے یہی لوگ با
کر رہے تھے،

ڈاکٹر اشرف نے کہا، جمہوریت کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر مسلمان پاکستان پر بض
ہیں تو انھیں پاکستان دے دیا جائے،

میاں صاحب نے کہا، میں پنجاب میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان بڑے جوش و خرو
سے لیگ کا ساتھ دے رہے ہیں،،

ڈاکٹر اشرف بولے، اب لیگ، نوابوں، خان بہادروں، اور سروں کی جماعت
رہی، اب وہ صحیح معنی میں عوامی جماعت ہے، کروڑوں آدمی اس کے ساتھ ہیں

اس کے مطالبہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ـــــــــــ

پنڈت جی کا چہرہ تمتما اٹھا، انھوں نے ڈاکٹر اشرف سے کہا، تم جمہوریت کا مطلب ہی نہیں سمجھتے؟ کیا جمہوریت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم وہ مطالبہ مان لیں، جو ملک کے لئے مہلک ہے؟ پھر میاں صاحب سے فرمایا، پنجاب کے مسلمان اگر لیگ کے ساتھ ہیں تو وہاں، خضر حیات خاں کی حکومت کیسے قائم ہے؟ کیا کسی جمہوریت میں یہ بھی ہوتا ہے کہ عوام یعنی جمہور کسی کے ساتھ ہوں، اور حکومت کسی کے ہاتھ میں ہو؟ کیا یو پی میں، سی پی میں، بہار میں، بمبئی میں، کانگرس عوام کی مرضی کے خلاف، کوئی سر یا رائے بہادر حکومت بنا سکتا ہے؟ میاں صاحب کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ لیگ کے ساتھ ہوں، اور نام عوام کا لے رہے ہوں؟

کرشنا کو ہنسی آگئی، ڈاکٹر اشرف نے کہا،

سردار کا مشورہ میرے اور میاں صاحب کے لئے یہ ہے کہ ہمیں کانگرس کو چھوڑ کر لیگ میں شریک ہو جانا چاہیے،

پنڈت جی ہنسنے لگے، "قابل غور مشورہ ہے"!!

بڑی دیر تک اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں اور یہ عقیدت مند قافلہ ان سے مستفید ہوتا رہا، پھر یہاں سے اٹھ کر یہ سیدھا تاج محل ہوٹل پہنچا، !

"تاج محل ـــــــــــ ایشیا کا سب سے بڑا، سب سے خوبصورت اور سب سے شاندار ہوٹل، ـــــــــــ "تاج محل،

یہاں سروجنی دیوی ٹھہری ہوئی تھیں، ـــــــــــ بلبل ہند، کانگرس کی سابق صدر، اور کانگرس ورکنگ کمیٹی کی مستقل ممبر، ـــــــــــ خطیب، خوشنما شاعر، ہندو مسلم مشترک تہذیب کا دل آویز مرقع، تعصب سے پاک، فرقہ واریت سے بری، ہندو مسلم فساد سے ماورا، اصول اختلاف کے باوجود

ذاتی تعلقات و مراسم کو پورے خلوص اور شرافت سے نباہنے میں طاق،

سروجنی دیوی نہایت ٹھاٹھ سے ایک آرام چیر پر نیم دراز تھیں، اور گرد
اور عقیدت مند بیٹھے تھے، حاضرین میں ڈاکٹر سید محمود، کانگریس ورکنگ کمیٹی
ممبر، اور سابق سکریٹری بھی رونق افروز تھے۔

یہاں بھی جناح کا چرچا، لیگ کا ذکر، پاکستان پر تنقید!

ڈاکٹر محمود لیگ، جناح، پاکستان سب سے بیزار، انھوں نے باتوں با
میں فرمایا،

لیگ انگریز کی پٹھو ہے، پاکستان انگریز کا اٹھایا ہوا شوشہ ہے، جناح انگ
کے آلۂ کار ہیں، ان سب کا مقصد یہ ہے کہ ملک غلام رہے، انگریزوں کے گ
گاتے رہیں ــــــــ

سروجنی دیوی اس سے زیادہ نہ سن سکیں، ان کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا، ا
نے کہا،

سنو محمود، تم لیگ کو اور پاکستان کو جو چاہو کہو، لیکن جناح کو تم نہیں جان
میں جانتی ہوں، ــــــــ

ڈاکٹر یہ سنکر جھینپ گئے، دوسرے حاضرین بھی حیرت سے سروجنی دیوی کی
دیکھنے لگے۔ وہ بولیں،

تم خریدے جا سکتے ہو، میں خریدی جا سکتی ہوں، ہر شخص خریدا جا سکتا
لیکن جناح نہیں خریدا جا سکتا، نہ بک سکتا، کانگریس کی اور ملک کی اس نے
جیسی شاندار خدمت کی ہے، اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا، بھلایا نہیں جا سکتا
کانگریس نے آج تک کسی مسلم لیڈر کی نہ زندگی میں نہ مرنے کے بعد یادگار نہیں
قائم کی، لیکن جناح کی زندگی ہی میں اس کی یادگار قائم کرنے پر مجبور ہو گئی، یہیں

رگام کے محلہ میں جناح میموریل ہال کانگرس کا بنایا ہوا موجود ہے، وہاں بارہا
جا چکے ہو، تقریریں کر چکے ہو، ذرا اس کا سنگ بنیاد بھی کبھی دیکھو، اور دیکھو اس میں
یا لکھا ہے جناح کے لئے؟ اس کے لازوال خدمات کے لئے۔ یہ ہال جب
ن چکا تو اس کے افتتاح کے موقعہ پر جناح ہندوستان میں نہیں تھے، میں
نے انہیں تار دیا،

"پیغمبر کی زندگی میں قوم نے اس کی قدر پہچان لی"!

اور یہ میں نے جھوٹ نہیں لکھا تھا، گاندھی جی پہلی جنگ عظیم کے موقع پر جب انگریزوں
کے لئے سپاہی جمع کر رہے تھے، جواہر لال الہ آباد میں شہزادے کی زندگی بسر
کر رہے تھے، پٹیل کو کوئی جانتا بھی نہ تھا، وہ جناح تھا، جس نے لارڈ ولنگڈن گورنر
بمبئی سے، جو اپنے وقت کا سب سے بڑا فرعون صفت گورنر تھا، وار لڑائی ڑی
س نے وار کونسل میں صاف کہہ دیا،

"ہم برابر کے شریک ہو کر اس جنگ میں تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں، نوکر بن
کر نہیں"!

اور یہی وہ آج بھی کہہ رہا ہے، وہ اگر بک سکتا، تو آج کسی صوبہ کا گورنر ہوتا
سی ہائی کورٹ کا چیف جج ہوتا، وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کا ممبر ہوتا، سر کا خطاب
حاصل کر چکا ہوتا، لیکن اس نے ان بے حقیقت چیزوں کی طرف نگاہ غلط انداز سے
ی نہیں دیکھا، آج بھی اگر وہ کانگرس میں آجائے تو اس کے سامنے کس کا چراغ
ل سکتا ہے؟ کانگرس کی مسند صدارت خود اس کے قدموں پر آکر گر پڑے گی،
ہ آزادی کا نڈر سپاہی، کاروان آزادی کا بیباک سالار ہے، اسے تم کہتے ہو وہ
نگریزوں کا آلۂ کار ہے؟ تمہیں کہتے ہوئے تو نہیں، لیکن مجھے یہ الفاظ سنکر شرم
تی ہے۔ بے شک وہ فرقہ پرست ہو گیا ہے، اور پاکستان پر بضد ہے، لیکن

اس راستے پر اسے کون لے گیا؟ وہ جس طرح ہندوستانی ہے اسی طرح
بھی ہے، میں ایک ہندو کی حیثیت سے اقرار کرتی ہوں کہ ہندو اکثریت کا
مسلم اقلیت کے ساتھ تنگ دلانہ ہے، کانگرس کئی سال سے صوبوں میں حک
کر رہی ہے، اس نے ان کے ساتھ ناانصافی کی، لیکن انصاف نہ کر سکی پھر اگر
نہ مانگے تو کیا کرے؟

ڈاکٹر صاحب نے سراپا حیرت بنکر سوال کیا،

"سروجنی دیوی یہ آپ کہہ رہی ہیں؟"

سروجنی دیوی نے پندار کے ساتھ ساڑی کا پلو جو سر سے ڈھلک گ
ٹھیک کرتے ہوئے کہا،

"ہاں میں کہہ رہی ہوں،"

"پھر آپ مہاتما جی سے کیوں نہیں یہ باتیں کہتیں؟"

"نہ جانے کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں، مگر وہ نہیں مانتے، !"

"پھر آپ کانگرس چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟"

سروجنی دیوی نے اسی پندار کے ساتھ کہا،

"اگر مسلمان ہوتی تو چھوڑ دیتی"———————

———————

(۸)

# سرگوشیاں

ان سب لیڈروں سے مل ملا کر یہ لوگ جب اپنی قیام گاہ پر پہنچے، تو بس یہی ایک موضوع تھا، جس پر ٹوٹ ٹوٹ کر گفتگو کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، کملا کہنے لگی پنڈت جی کو جب ڈاکٹر اشرف اور میاں صاحب پر غصّہ آیا ہے تو کتنے اچھے لگ رہے تھے، گورے رنگ پر سرخی اس طرح دوڑ گئی جیسے سونا تپ کے بھٹی سے نکلا ہو۔ ——

ادما ہنسنے لگی، ہاں مجھے بھی بڑے اچھے لگ رہے تھے، غصّہ ان میں ہمیشہ سے بہت زیادہ ہے، اسی لئے تو جب آپے میں نہیں رہتے برس پڑتے ہیں، اور پھر نہ پیر کے نہ میر کے۔

کملا لطف لیتی ہوئی بولی،

"اور سردار؟ سردار پٹیل؟"

ادما نے جواب دیا،

بھئی اپنے کو کچھ جچے نہیں، بڑے آدمیوں میں جو ایک خاص قسم کی کشش

ہوتی ہے اس کا کہیں پتہ نہیں، ان میں نہ آن ہے نہ شان، ملنشی سے ان کی
ہوئیں ان میں تیبھا بہت تھا، لیکن وہ بات نہیں تھی جو ایک لیڈر میں ہونی چا
اور پھر ایک بات تو بالکل میری سمجھ میں نہیں آئی، ———

کملا نے اشتیاق کے ساتھ بحث کو زیادہ سے زیادہ طول دینے کے
پوچھا،

"کیا بات سمجھ میں نہیں آئی، بتاؤ ہم سمجھا دیں گے چٹکی بجاتے ہیں"،———

اوما کو ہنسی آ گئی، وہ بولی،

"کانگرس بھی پاکستان کی مخالف ہے، اور ہر کانگرسی لیڈر پاکستان کے
خلاف مورچہ بنائے ہوئے ہے، پھر مسٹر ملنشی کو، کانگرس سے نکل کر، اکھ
ہندوستان سبھا قائم کرنے کا مشورہ دینا، ایک اتنے بڑے لیڈر کی طرف
زیب نہیں دیتا،———

کملا نے ترچھی نظروں سے اوما کو دیکھا، اور پوچھا،

"کیوں؟ ——— کیا تقسیم عمل کوئی بری بات ہے؟"

اوما کہنے لگی، تم تو پگلی ہو اچھی خاصی، تقسیم عمل کیسی؟ کیا کانگرس نے پاکس
کی مخالفت ترک کر دی ہے؟ نہ کی ہے، نہ کرے گی، نہ کر سکتی ہے، نہ کرنی چاہ
اس کے بعد کانگرس کے کچھ پرانے کارکنوں کو در پردہ، دوسری جماعت بنا
کا مشورہ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ سردار ایک دوسری مہاسبھا اور جن س
بنانا چاہتے ہیں،——— ایسی مہاسبھا اور جن سنگھ جس پر کانگر
کا کوئی کنٹرول نہ ہو، لیکن سردار جس کے سولہ آنے مالک ہوں ———
چھی،

کملا نے کچھ سوچتے ہوئے، اور گویا ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا،

ہاں رائے تو میری بھی کچھ ایسی ہی ہے، اچھا ہوا جو ہم تم متفق ہو گئے، ورنہ بات بڑھ جاتی، ———

جاوید کو ہنسی آ گئی، اس نے پوچھا،

" پھر کیا ہوتا ؟ "

کملا بولی،

پھر اوما کو اس گھر سے بس اس طرح نکال دیتی، جس طرح سردار مسٹر منشی کو کانگرس سے نکال رہے ہیں،

اوما ہنستی ہوئی بولی،

" اور ہاں مولانا صاحب کے بارے میں بھی تو کچھ کہو، !"

وہ ایک تاثر کے عالم میں گویا ہوئی،

بھئی ان کے بارے میں کچھ نہ کہو، وہ تو مجھے اتنے اچھے لگے، اتنے اچھے لگے کہ کیا کہوں، ؟ صورت میں بڑھاپے کے باوجود، وہ دبدبہ اور وقار جو بادشاہوں میں ہوتا ہے، آواز اور باتوں میں وہ رس کہ بس وہ کہتے رہیں اور دوسرا سنتا رہے، وجاہت اور شخصیت ایسی کہ آنکھ سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی، میں تو کہتی ہوں، وہ مخالفین کے منہ پر ایک طمانچہ ہیں، !

اوما چونک پڑی، کہنے لگی، کیا کہا تم نے ؟ ابھی تو ٹھیک سے باتیں کر رہی تھیں، یک بیک بہک کیوں گئیں ؟ مولانا کی تعریف تم نے ایسے شاندار الفاظ میں کی کہ جی خوش ہو گیا، اور دفعتہً مخالفین یاد آ گئے، اور ان کے منہ پر مولانا کو طمانچہ بنا دیا، ؟

کملا نے جاوید کی طرف دیکھا، اور بولی،

" کتنی بے وقوف ہے یہ اوما بھی '!" ——— دیکھ لیا آپ نے

جاوید صاحب، ؟"

اوما نے کہا، لو اب گالیاں دینے لگیں،

کملا نے تشریح مزید کرتے ہوئے کہا،

"بھائی میرا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو، غدار، وطن دشمن، اور قوم فروش کہتے ہیں کیا ان کے منہ پر مولانا کا وجود ایک زبردست طمانچہ نہیں ہے ؟"

"ہے بھائی ہے'!' اوما ہنستی ہوئی بولی، انہوں نے کانگرس کے لئے کون سی قربانی نہیں کی، ؟ کون سا دل ہے جو ان کے احترام سے خالی ہے !

دفعتہً کملا کو سروجنی دیوی یاد آگئیں،

"اور وہ شاعر شیوا بیان سروجنی'، ؟"

اوما نے کہا، سروجنی دیوی کا کیا کہنا، ؟ اتنی صاف دل، اور اتنی صاف گو جیسے آئینہ'!

کملا نے کچھ چڑتے ہوئے جاوید سے کہا،

"آخر آپ کیوں منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے ہیں ؟ ——————

کچھ تو کہیئے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا،

اوما نے بھی کملا کی تائید کی، بولی،

"ہاں جاوید صاحب آخر آپ بھی تو کچھ رائے دیجیے !"

وہ بولا، سن رہا ہوں، یہی کافی ہے'!"

کملا نے اصرار کیا، "جی نہیں آپ کو رائے دینی پڑے گی، بتایئے، آج جن لیڈروں کے درشن ہوئے، ان میں سب سے زیادہ کس کی طرف آپ کا دل ناتواں کھنچا ؟

جاوید ہنسنے لگا، "سبحان اللہ میرے دل کو آپ نے دل ناتواں کیوں بنا دیا، اس سے تو ابھی مجھے بہت کام ہیں، ———— ویسے مجھے سرجینی دیوی بہت پسند آئیں، مجھے ان کی یہ ادا پسند آئی کہ اختلاف خوشی سے برداشت کر سکتی ہیں، !"

---

(۹)

# بستر علالت

پھر کانگریس ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا، اور اس میں "ہندوستان خالی کرد
کی تحریک منظور ہوگئی، جنگ آزادی کے سالار کارواں گاندھی جی بنا دیے گ
انھوں نے ہندوستان کے تمام باشندوں سے عموماً، اور مسلمانوں سے خص
اپیل کی کہ اس جنگ میں وہ ان کا ساتھ دیں، اس کے جواب میں مسٹر جناح نے ایک
بیان شائع کیا، اور کہا کہ مسلمان جنگ آزادی میں شرکت کے لئے تیار ہیں،
جیب کی آخری پائی، اور اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کر دینے کو آمادہ
لیکن ان کا حق خود ارادیت تسلیم کر لیا جائے، اگر خود ارادیت کا حق تسلیم کئے
کانگریس انگریزوں سے جنگ کرتی ہے، تو یہ جنگ درحقیقت مسلمانوں کے غ
ہے، کیونکہ یہ انھیں غلام بنائے رکھنے کی ترکیب ہے. مسلمانوں سے اس
نہاد جنگ میں شرکت مطالبہ خودکشی کا مطالبہ ہے. اور مسلمان اپنے محضر غلا
یا پروانۂ قتل پر دستخط نہیں کر سکتے۔

اس بیان پر بمبئی کے اور ملک کے تمام اخبارات نے مسلمانوں کے، اور مسٹر ج
کے خلاف قیامت کبریٰ برپا کر دی، ہر طرف سے ان پر گالیوں کی بوچھار ہو رہی تھی

کانگریسی مسلمانوں کا تو نام سنتے ہی خون کھولنے لگتا تھا، مسٹر جناح کے جواب
میں سردار پٹیل نے ایک شر انگیز بیان شائع کیا، اور کہا پاکستان کبھی اور کسی قیمت
پر نہیں بن سکتا، مسلمانوں کو حق خود ارادیت نہیں مل سکتا، وہ ہندوستان کا ایک
حصہ ہیں اور ہندوستان میں رہ کر ہی انہیں زندگی بسر کرنا ہے جو لوگ آج ہمارے
ساتھ جنگ آزادی میں شریک نہیں ہوتے کل ہندوستان آزاد ہونے کے
بعد ان کا کوئی مقام نہیں ہوگا۔

اور عین شورش کے اسی ہنگامہ میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبران راتوں
رات گرفتار کر لئے گئے، اور انہیں پونہ و احمد نگر بھیج دیا گیا،

اس گرفتاری نے وہ کام کیا، جو آگ پر تیل کرتا ہے،

دوسرے دن ایک احتجاجی جلوس نکلا، جس کے آگے آگے عورتیں اور لڑکیاں
شامل تھیں، مسلح پولیس کی ایک بہت بڑی جمعیت نے جلوس کا راستہ روک لیا
اور سب کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا، لیکن اس حکم کی تعمیل نہیں کی گئی، خواتین کا گروہ
آگے بڑھا، اور پولیس کے گھیرے سے توڑ کر اس نے پیش قدمی جاری رکھنے کی کوشش
کی، اس موقعہ پر پولیس نے لاٹھی چارج شروع کر دیا، بہت سی خواتین زخمی ہوئیں
اس موقع پر کملا، اوما، اوشا، اور کئی دوسری لڑکیاں جوش و خروش کے ساتھ آگے
بڑھیں، پولیس کے ڈنڈے ان پر بھی پڑنے لگے، ایک ڈنڈا کملا کے سر پر لگا
اور بھل بھل خون بہنے لگا، دوسرا اوما کی کنپٹی پر پڑا، وہ تیورا کر گر پڑی، تیسرا چھچلتا
ہوا اوشا کے شانے پر پڑا، اور چکرا کر وہیں بیٹھ گئی،

اس منظر نے جلوس کے شرکا کو حد درجہ برہم اور مشتعل کر دیا، جو لوگ سب سے
پہلے آگے بڑھے ان میں پیش پیش جاوید تھا، یہ لوگ فیصلہ کر کے بڑھے تھے
آج یا پولیس نہیں یا ہم نہیں، پولیس نے ان کا یہ ارادہ تاڑ لیا، اور فائرنگ

شروع کر دی، چار پانچ آدمی اس وقت ہلاک ہو گئے، ۳۰، ۴۰ زخمی ہو کر گر
باقی یہ ہولناک منظر دیکھ کر تتر بتر ہو گئے،

"امن" فوراً ہی قائم ہو گیا، لیکن یہ وہی امن تھا، جو قبرستان میں ہوتا ہے
ہر شخص دہشت زدہ تھا، سہما ہوا تھا، پولیس کا تشدد جاری تھا، دھڑا دھڑ گر
ہو رہی تھیں، بمبئی سے یہ آگ پھیلی اور سارا ہندوستان اس کی لپیٹ میں آ گیا،
مشتعل ہو ہو کر تخریبی حرکتیں کر رہے تھے، نہ جانے کتنے ڈاک خانے جلا د
گئے، ریل کی پٹریاں اکھاڑ دی گئیں، عدالتوں پر حملے کئے گئے، سرکاری عمارتیں جل
گئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا، یہ طوفان اب کسی کے روکے رُکے گا نہیں، پولیس
میں آئی، اس سے کام نہ چلا تو فوج میدان میں اتری پہلے ڈنڈے پڑے، پھر
گولیاں چلیں، پھر اندھا دھند گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، چھوٹا تشدد بڑ
تشدد کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا، بڑا تشدد جیت گیا، چھوٹا تشدد ہار گیا، چ
روز میں فضا ایسی ہو گئی گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا،

ہندوستان میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا، اور بمبئی کے جے جے ہسپتال میں جاوید
اور موت کی کشمکش میں گرفتار تھا،

ادما اور کملا مرہم پٹی کے بعد، دوسرے ہی دن ٹھیک ہو گئیں، لیکن جاو
تین گولیاں جسم میں پیوست ہو گئیں تھیں، ایک ران میں ایک دل کے قریب
میں، ایک پیٹ میں، تین میجر آپریشن ہوئے، ہر آپریشن پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ا
خاتمہ ہے لیکن پھر وہ سنبھل جاتا تھا، پھر وہ سنبھالا لے لیتا تھا،

گولیاں نکال لی گئیں، بظاہر آپریشن کامیاب ہوئے، لیکن وہ کئی روز تک
رہا، ہوش میں آتا بھی تو ذرا دیر کے لئے، اس کے بعد پھر بے ہوش ہو جاتا، اس
کا انچارج ڈاکٹر مرچنٹ تھا، یہ ایک پارسی شخص تھا، لیکن دل سے کانگرس کی

ملی، اسے اس مسلمان نوجوان سے بڑی ہمدردی تھی، کئی مرتبہ اس نے خون دیا، کئی مرتبہ طاقت کے انجکشن دئے، قیمتی سے قیمتی دوا، استعمال کی، لیکن ــــــ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'، !

ڈاکٹر مرچنٹ خود متذبذب تھے، کبھی آس ہوتی کہ مریض بچ جائے گا، کبھی مایوس ہوتے اور صاف صاف کہہ دیتے بچنا مشکل ہے۔

نیم بے ہوشی کی حالت میں جاوید کے منہ سے صرف ایک لفظ لڑکھڑاتی ہوئی زبان ادا کرتی "اوما" نہ کچھ اس کے آگے، نہ کچھ اس کے پیچھے'، !

اوما اور کملا، دن رات پٹی سے لگی بیٹھی رہتیں، اور جب مرچنٹ آتا، تو اس سے پہلا سوال یہی کرتیں،

"ڈاکٹر صاحب سچ سچ بتا دیجئے، مریض کی حالت یاس انگیز تو نہیں ہے'، ؟

مرچنٹ کو ان لڑکیوں سے ان کے جذبۂ قومی سے، ان کے جذبۂ خدمت سے بھی ہمدردی تھی، وہ ان کے نام نہیں جانتا تھا، شاید ان کی قومیت سے بھی پورے طور پر واقف نہیں تھا، وہ جواب دیتا،

میں کیا کہہ سکتا ہوں ؟ دعا کیجئے'، !

اس جواب میں کتنی یاس تھی، کتنی نراشا تھی، اس کا ثبوت، اوما اور کملا کی چشم اشکبار ہی سے مل سکتا تھا'، !

کملا پوچھتی،

"ڈاکٹر صاحب مریض بچ تو جائے گا ؟"

اوما دریافت کرتی،

کیوں ڈاکٹر صاحب، اگر مزید خون کی ضرورت ہو تو کیا آپ میرا خون نہیں لے سکتے ؟

اور یہ کہتے کہتے اس کے گلاب کی پنکھڑی کے سے نازک لب تھرتھرانے لگے
اس کی سوجی ہوئی آنکھوں سے پھر آنسو کے قطرے، موتی کی طرح گرنے لگے،
کملا اسے تسلی دیتی،

"اچھے ہو جائیں گے، اتنی مایوس کیوں ہوتی ہو"؟!"

لیکن یہ تسلی کتنی کھوکھلی تھی اسے وہ خود بھی محسوس کرتی تھی، چنانچہ تسلی دیتے دیتے خود اس کی آنکھوں سے جوے اشک رواں ہو جاتے

اوشا بھی، اوما کی خاطر سے، وقت کا بڑا حصہ یہیں صرف کرتی، اور تیمار داری میں ان دونوں کا ہاتھ بٹاتی،

ایک روز ڈاکٹر مرچنٹ نے کہا،

مریض کے بدن میں زہر پھیل گیا ہے، آج آخری علاج ہم کرتے ہیں اگر بچ گیا تو قسمت، نہ بچا تو قسمت"!"

اوما نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

نہیں ڈاکٹر صاحب ایسا خطرناک علاج مت کیجئے"!"

کملا بولی، "نہیں اوما علاج میں دخل نہ دو، بھگوان بھلا کریں گے، — ڈاکٹر صاحب آپ کو جو کچھ کرنا ہے کیجئے"!"

اس آخری علاج کو بھی تین دن ہو گئے، مگر مریض کی حالت میں کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا، اب تو ڈاکٹر مرچنٹ، اوما اور کملا سے آنکھیں چار کرتا ہوا شرماتا تھا،
اور ایک روز صبح صبح جاوید نے آنکھیں کھول دیں، اور نہایت کمزور آواز میں گویا ہوا،

پانی ——

اوما کی رات بھر جاگتے جاگتے ابھی آنکھ لگی تھی، کرسی پر بیٹھے بیٹھے وہ غنودگی

ہیں چلی گئی تھی، کملا نے اسے جھنجھوڑا،

"ارے اوما، دیکھو ——————"

اوما نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں، جاوید اس طرف تک رہا تھا، کملا جلدی سے گلاس میں پانی لے کر آئی، اور جاوید کے منہ سے لگا دیا، اس نے اٹھنے کی کوشش کی، مگر اوما جو پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی، اور جس پر اس وقت شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی، بولی،

"آپ لیٹے رہیے، ——————"

وہ لیٹا رہا، کملا نے گلاس منہ سے لگا دیا، اور لیٹے لیٹے اس نے پانی پی لیا،

یہ بڑی اچھی علامت تھی، اوما دوڑی دوڑی ڈاکٹر مرچینٹ کے کمرہ میں پہونچی، وہ ابھی ابھی ڈیوٹی پر حاضر ہوئے تھے، اس کو بے تحاشا بھاگتے ہوئے اپنی طرف دیکھ کر گھبرا گئے، اور بری خبر سننے کے لئے اپنے آپ کو بالکل تیار کر لیا، چند قدم آگے بڑھ کر انھوں نے خود ہی اوما کو جا لیا، اور گھبراتے ہوئے لہجہ میں پوچھا،

"خیریت تو ہے؟"

اوما کا سانس پھولا ہوا تھا، اس نے کہا،

"ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب، وہ ہوش میں آ گئے،"

ڈاکٹر مرچینٹ نے یہ اطلاع سن لی، اور کچھ پوچھنے کے لئے لب ہلاتے تھے کہ وہ بولی،

"ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب، انھوں نے خود اپنے منہ سے پانی مانگا، ——————"

ڈاکٹر صاحب نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اوما بول پڑی،

ڈاکٹر صاحب ان میں اتنی سکت اور اتنا حوصلہ پیدا ہو گیا ہے کہ انھوں
اٹھنے کی کوشش بھی کی تھی، ———

یہ مسلسل خوش خبریاں سنکر ڈاکٹر صاحب خود لوکھلا گئے، تسلی اور دل د
کا کوئی لفظ کہنا چاہتے تھے کہ اوما نے سوال کیا،

ڈاکٹر صاحب اب تو کوئی خطرہ نہیں ہے؟ اب تو وہ اچھے ہو جائیں گے
ڈاکٹر صاحب سوچئے نہیں، جلدی جواب دیجئے، !،

اب اتنی دیر کے بعد جاکر ڈاکٹر صاحب کو بولنے کا موقعہ ملا، انھوں نے کہا
" ہاں اب اچھے ہو جائیں گے، اب کوئی خطرہ نہیں ہے، ———
چلئے میں چلتا ہوں، !"

اوما نے اصرار کے ساتھ کہا،

ضرور چلئے، میں اسی لئے آئی تھی کہ آپ کو ساتھ لے چلوں ———
آیئے، !

ڈاکٹر صاحب اس کے ساتھ ہو لئے، بہت اچھی طرح معائنہ کیا، نبض دیکھی
بلڈ پریشر لیا، سینہ ٹھونک بجا کر دیکھا، اور سراپا سرور و مسرت بن کر کہا،
" مبارک، ——— واقعی اب خطرہ سے آزاد ہیں، اب یہ بچ گ
اوما کی وہ ساری تیزی غائب ہو چکی تھی، وہ زبان سے کچھ نہ بولی، کانوں
ڈاکٹر مرچینٹ کی باتیں سنتی رہی آنکھوں سے جاوید کے کمزور، لاغر، اور بیمار چہر
کو تکتی رہی، ڈاکٹر صاحب نے ایک انجکشن دیا اور چلے گئے،

اوما پھر آکر اپنی جگہ بیٹھ گئی، !

کملا نے جاوید سے پوچھا،

کہیے کیسا مزاج ہے، ؟

وہ بولا،

"آپ دیکھ ہی رہی ہیں، !"

کملا نے کہا،

اب تو آپ بالکل اچھے ہیں زیادہ بننے کی کوشش نہ کیجیے، ——— آپ نے بیچاری اوما کی بھی جان لے لی تھی، ! دیکھئے تو سہی کیا حال ہو گیا ہے اس کا، ؟

جاوید نے ایک نظر اوما پر ڈالی، اور گویا ہوا،

مس اوما ———

اوما نے تحکم آمیز لہجہ میں کہا،

"خاموش، ——— ابھی بولنے کی اجازت نہیں ہے، آرام کیجیے، نیند آئے تو سو رہیے، !"

جاوید کے خشک ہونٹوں پہ افسردہ سی مسکراہٹ نمایاں ہوئی، اس نے کہا،

"مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم، کتنے دن سے سو رہا ہوں، نہ جانے کتنے دن کتنے ہفتے، کتنے سال گزر چکے ہیں، !"

پھر یکا یک اس کی نظر کیلنڈر پر گئی،

اوہ، پندرہ دن ہو گئے مجھے یہاں پڑے ہوئے، اور آپ اب تک یہیں ہیں!"

کملا بولی، توبہ کیجیے، یہاں کہاں ہیں ہم لوگ تو لکھنؤ میں ہیں اور بہلی وژن پر باتیں کر رہے ہیں،

اوما نے کملا کو ٹوکا،

کیوں بکواس کئے جا رہی ہو، تمہاری بک بک بھی ایک ! جیسے بھلے آدمی کو تھکا

دینے کے لئے کافی ہے نہ کہ ایک بیمار کو،!

کملا نے آرم چیر کی پشتی پر ٹیک لگالی، اور مسکراتی ہوئی بولی،

بہت اچھا میں اپنی بکواس بند کرتی ہوں، آپ شروع کیجئے۔ مجھے نیند آرہی ہے، ذرا سولوں تھوڑی دیر، دیکھو اگر اوشا آجائے تب بھی مجھے جگانا،

یہ کہہ کر اس نے ساری کے پلّو سے منہ ڈھک لیا، اوما خاموشی سے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی، جاوید نے کچھ کہنا چاہا لیکن نہ کہہ سکا، اوما نے کچھ بولنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہ دیا،!

# دِل مجبُور

• یوں نہ تڑپ رات دن

• یوں نہ مچل بار بار!

• اے مرے مجبور دِل

• اے مرے مجبور دل

•

پاؤں آہستہ رکھ کہ رستہ میں
دردمندوں نے دل بکھیرے ہیں
آپ کی زلف خود پریشاں ہے
آپ کیا ہم پہ مہرباں ہوں گے

●

(۱)

# محبّت

اقبال کا میرٹھ تبادلہ ہوگیا تھا، ایک اور اونچے منصب پر. وہ اب ڈپٹی کمشنر تھا، شاہینہ سے اس کی شادی ہوگئی تھی، اور ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر رہا تھا. نجم لیگ کے سرکاری آرگن روزنامہ "منشور" کا جوائنٹ ایڈیٹر ہوکر دہلی چلا گیا تھا، اس کی شادی بھی شہناز سے ہوگئی تھی، دونوں میاں بیوی اپنی زندگی سے بہت خوش اور مطمئن تھے. اختر اب تک سپلائی کے محکمہ میں کام رہا تھا، اب اسے دو سو روپیہ ماہوار مل رہے تھے، کچھ اوپر سے بھی مل جاتا تھا. لیکن روحی نے اس سے بے وفائی کی اور شادی کرنے سے انکار کردیا، اب وہ لفٹیننٹ گمانی کی بیوی تھی، اور جاہ و جلال کی زندگی بسر کرنے اپنے شوہر کے ساتھ پونہ روانہ ہو چکی تھی. حافظ کرامت حسین گرلز اسکول کی پرنسپل مقرر ہو چکی تھی، یاسمین کو ریڈیو میں ایک اچھی ملازمت مل گئی تھی، کملا نے اب تک نہ شادی کی تھی نہ ملازمت شاید اس کا نہ شادی کا ارادہ تھا نہ ملازمت کا. وقت کا بڑا حصہ مقامی کانگرس کی سرگرمیوں میں صرف کرتی، اور کالج کی لڑکیوں، اور گھر کی عورتوں میں بغاوت و خدمت وطن اور دعوت انقلاب کے شعلے بھڑکایا کرتی، اور بدستور آئی۔ٹی کالج میں معلمی

کے فرائض دفار اور قابلیت کے ساتھ انجام دے رہی تھی،

جاوید بمبئی سے لکھنؤ آنے کے بعد کافی عرصہ تک بیکار رہا، اوما اور کلا
بہت زور دیا، بار بار اپنی پونجی پیش کر کے شرکت میں ایک دیکلی نکالنے پر ا
لیکن یہ بات اسے منظور نہ تھی، کچھ مضمون نگاری کر کے کما لیتا، کبھی کبھی ریڈیو ٹاک
کچھ اس سے کام چل جاتا،

زندگی بڑی بے کیف تھی، نہ سکون میسر تھا نہ اطمینان، روز کا خرچ بھی
تھا، لیکن اوما کے پاس جا کر ہر فکر، ہر پریشانی دور ہو جاتی تھی، اوما بھی کتنی ہی
ہو، کتنی ہی مضمحل اور افسردہ ہو، لیکن جاوید کو دیکھ کر پھول کی طرح کھل جاتی

ملتے ہی ان سے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا

دونوں کی یہی کیفیت تھی، دونوں کے دل میں ایک آگ سلگ رہی تھی، لیکن
تنکہ بھی یہ دل سے باہر نہیں نکل سکتی تھی، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر جیتے
لیکن دونوں کے لب اظہار مدعا کی جرأت سے محروم تھے، شاید دونوں اس حقیقت
آشنا تھے کہ محبت کی نزاکت اظہار و بیان کی متحمل نہیں ہو سکتی، یہی وجہ تھی کہ دو
دوسرے سے اپنی کیفیت یوں چھپاتے تھے جیسے چور، اپنی چوری پر پرد
کی کوشش کرتا ہے۔

جہاں تک ملنے جلنے، آنے جانے، اٹھنے بیٹھنے، اور بات چیت کا
دونوں کی رفاقت دوسروں کے لئے حیرت انگیز بھی تھی، اور موجب رشک
جہاں تک داستان دل کا تعلق تھا، کسی میں بھی اتنا یارا نہ تھا کہ جنبش
ایک روز جاوید اپنے فلیٹ میں آرام چیئر پر نیم دراز چپ چاپ پڑ
تھا، اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ جاوید نے اٹھ کر دروازہ کھ

کملا کھڑی مسکرا رہی تھی، جاوید نے پرتپاک انداز میں کہا،

"آیئے کملا دیوی، !"

وہ مسکراتی ہوئی آئی اور پاس کی کرسی پر بیٹھ گئی

کیا ہو رہا تھا ؟ ہیں، آخر میں کیا ؟"

جاوید نے ریڈیو کی طرف اشارہ کرتے

"ان حضرت کی لن ترانیاں سن ہاری راہ لے اپنی

کملا نے سوال کیا، "کوئی غزا ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

جاوید نے جواب دیا، جی

کملا جیسے اس کا دل ٹوٹ کی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر وہیں کھڑے کھڑے

"پھر کوئی کہانی سن ر بیٹھ گیا۔ پھر ایک لمبا سا کش لینے کے بعد گویا ہوا۔

"نہیں مس کملا، ان چیزوں ں، میرا خیال ہے جتنا اعتبار آپ پر مجھے ہے

"آپ کو اوما کے سوا کسی اور سنج ہیں، حاضر جواب ہیں، مجلس آرا ہیں، آپ میں

یہ اتنا برجستہ اور چبھتا ہوا سو ے، لیکن آپ کا دل بڑا پاک، بڑا صاف ۔ اور

کملا کی طرف دیکھا، اور گویا ہوا، کام آتی ہیں، آپ ضرورت مندوں پر اس طرح

"لیکن ان سے کسے دلچسپی نہیں، میری جیب میں سو روپیہ کا نوٹ رکھ کر ایک

وہ بولی، "مجھے تو بہت زیادہ ہے شاید آپ سے بھی زیادہ رفہ کرتے ہوئے

اور ہے آپ کی اور، !"

جاوید نے بھی ترنت کی جواب دیا،

"کیا یہی الفاظ میں بھی نہیں کہہ سکتا ؟"

کملا ہنس پڑی، "بھئی بڑے بے غیرت ہو گئے ہیں آپ، آنکھ میں شرم ہی نہیں رہ گئی ہے، یوں دھڑلے سے اعتراف جرم کر لیا، کوئی سن لے گا تو کیا کہے گا،

کے فرائض وفار اور قیمتی چیز ہے'! "

جاوید بمبئی سے آپ نے مجھے عورت سمجھ رکھا ہے " ——————

بہت زور دیا، بار بار اپنی ''حیا'' حیا، یہ چیزیں تو عورت کا جوہر ہوتی ہیں'! 
لیکن یہ بات اسے منظور نہ تھی، کچھ پھر کیا ہونا ہے؟ قیس اور فرہاد بننا؟ گریباں

کچھ اس سے کام چل جانا، ڈرانا؟ آہیں بھرنا؟ ——————

زندگی بڑی بے کیف تھی، نہ سکوا! بولا " یہ

تھا، لیکن اوما کے پاس جا کر ہر فکر، ہر پردہ ... میں دیکھا ہے؟ بیر اگر بیاں ہو

ہو، کتنی ہی مضمحل اور افسردہ ہو، لیکن جاوید کو دیکھ آپ نے کبھی بھی مجھے آہیں

ملتے ہی ان سے بھول گئیں کیا حاصل؟

گویا ہمارے سر پر کبھی آ رہ وہ بھولی ہیں ہے، آپ اس

دونوں کی یہی کیفیت تھی، دونوں کے دل میں

لیکن بھی یہ دل سے باہر نہیں نکل سکتی تھی، ... یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ یہ

لیکن دونوں کے لب اظہار مدعا کی جرأت سے آخر یہ سوال آپ کے ذہن میں پید

آشنا تھے کہ محبت کی نزاکت اظہار و بیاد "

دوسرے سے یہی کیفیت ہوا ... ہر کچھ ہے باطن کچھ اور ——————

کملا کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا،

"مس کملا آپ نے مجھے بہت بڑی گالی دی ہے، لیکن میرے دل میں آپ کی

عزت ہے، قدر ہے، میں اس کی تردید بھی نہیں کرنا چاہتا! "

کملا روٹھے ہوئے جاوید کو منانے پر اتر آئی،

" ارے آپ تو خفا ہو گئے، ذرا سی بات میں'! "

" نہیں خفا تو نہیں ہوا، ! "

"تو خوش ہو گئے، سچی بات سنکر؟"

"جی خوش بھی نہیں ہوا۔!"

"آپ بھی عجیب آدمی ہیں نہ خوش ہیں نہ خفا ہیں، آخر ہیں کیا؟"

"یہ نہ پوچھئے، کیا کیجیئے گا پوچھ کر۔

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لے اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

---

پھر جاوید اٹھا، اور کوٹ کی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر وہیں کھڑے سگریٹ سلگایا اور پھر آکر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ پھر ایک لمبا سا کش لینے کے بعد گویا ہوا۔ مس کملا، آپ میری دوست ہیں، میرا خیال ہے جتنا اعتبار آپ پر مجھے ہے دنیا میں کسی پر نہیں ہے، آپ بذلہ سنج ہیں، حاضر جواب ہیں، مجلس آرا ہیں، آپ میں شوخی ہے، زندہ دلی ہے، چنچل پن ہے، لیکن آپ کا دل بڑا پاک، بڑا صاف، اور بے حد مخلص ہے، آپ دوسروں کے کام آتی ہیں، آپ ضرورتمندوں پر اس طرح احسان کرتی ہیں جیسے چور، چوری کر رہا ہو، میری جیب میں سو روپیہ کا نوٹ رکھ کر ایک مرتبہ جس طرح آپ رفو چکر ہوئی ہیں۔ وہ واقعہ میں نہیں بھول سکتا، مجھے فاقہ کرتے ہوئے کئی دن ہو چکے تھے، میرے پاس کپڑے کا ایک بھی سالم جوڑا نہیں تھا، آپ نے نہ جانے کس طرح میری حالت بھانپ لی اور جب میں منہ ہاتھ دھونے غسل خانے میں گیا کہ ذرا اسی طرح تازہ دم ہو لوں تو واپسی میں آپ کو میں نے اپنے کوٹ کے پاس کھڑا ہوا پایا، میری چاپ سنکر آپ جلدی سے پھر اپنی جگہ آکر بیٹھ گئیں، آپ کے جانے کے بعد میں نے کوٹ کی تلاشی لی کہ آپ وہاں کیا کر رہی تھیں، سو روپیہ کا نوٹ دیکھ کر میں چکرا گیا۔ لیکن بے تامل میں نے اسے قبول کر لیا، انجم میرا یار غار ہے لیکن

اس عرصہ میں اس سے میں نے ملاقات بھی نہیں کی، اختر سے دس بیس روپے ہر دفتر
لے سکتا ہوں، لیکن کبھی حرفِ مدعا زبان پر نہ آیا، اس عرصہ میں اقبال بھی کانپور سے
دو دن کے لئے آیا، اس سے سَو دو سَو لے سکتا تھا، لیکن اس کا خیال بھی نہ آیا، ا
میں سے اگر کوئی میرے حالِ زار سے واقف ہو کر مجھے کچھ دیتا تو میں صاف انکار کر
آپ کی طرح میرے کوٹ کی جیب میں رکھ دیتا تو اسے پھاڑ کر پھینک دیتا۔ لیکن اس
میں، اس سَو روپے کے نوٹ میں مجھے اجنبیت نظر نہ آئی۔ اپنا پن دکھائی دی
نے اس طرح اسے خرچ کیا، جیسے کوئی اپنی گاڑھی کمائی خرچ کرتا ہے، ــ

---

" توبہ ہے جاوید صاحب! آپ نے کہاں کی داستان الف لیلہ شروع
کردی، بس بھی کیجئے، ! "

" ہاں میں کہہ یہ رہا تھا کہ میرے آپ کے درمیان مراسم کی جب یہ کیفیت
تو میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا، آپ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتا، واقعی
اوما سے محبت ہے، ــــــــــ لیکن ــــــــــ

محبت کے ساتھ لیکن کیا؟ "

" لیکن یہ کہ میری محبت کوئی مطالبہ نہیں رکھتی، اس لئے نہیں کہ میں آدمی
بجائے فرشتہ ہوں، اس لئے بھی نہیں کہ میرا دل امنگوں اور آرزوؤں سے خا
ہے، ــــــــــ

" پھر کس لئے؟ یہ بھی تو بتایئے، ! "

" وہی بتا رہا ہوں، ! " ــــــــــ میرے اور اوما کے درمیان
بڑی اور اونچی دیوار حائل ہے، اور اس دیوار کو توڑنا ممکن تو ہے، لیکن مناس

" بہت خوب، بہت خوب، آپ کے عشق دور اندیش کی میں قائل ہو گئی

کیا محبت میں یہ باتیں بھی سوچی جاتی ہیں ؟ ـــــــــــــ اسی لئے تو میں نے کہا تھا آپکا ظاہر کچھ ہے باطن کچھ ہے ، اور اس پر آپ کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا تھا، مجھے تو ڈر آنے لگا اسے دیکھ کر، لیکن اب بتائیے کیا میں نے غلط کہا تھا ؟ ـــــــ ـــــــ آپ اوما سے محبت کرتے ہیں، مگر جو دیوار حائل ہے اسے پھلانگ نہیں سکتے، یہی نہیں بلکہ خود اوما سے بھی حال دل کا اظہار نہیں کر سکتے یہ کمزوری عورت میں اگر ہو تو ایک حد تک جائز بھی ہے، لیکن آپ ہیں ؟ مرد ہیں؛ ـــــــ اور ایک دلچسپ بات آپ کو بتاؤں ؟ "

ضرور بتائیے، آپ کی باتیں تو میں بڑے شوق سے سنتا ہوں"! "

" اوما آپ سے بہت زیادہ جری ہے"! "

" وہ مجھ سے بہت زیادہ جری ہی نہیں، بہت زیادہ بہتر انسان بھی ہے"! "

" واقعی ہے، ـــــــ لیکن اصل بات تو سنئے"! "

"جی، فرمائیے، آپ ہی نے دوسری بات چھیڑ دی"! "

" جس دیوار کو آپ پھلانگنے سے معذور نظر آرہے ہیں، اسی دیوار کو اس نے ابھی پورے طور پر تو نہیں، لیکن بڑی حد تک پھلانگ لیا ہے"! "

یہ سن کر، جاوید کا رنگ رخ ایک مرتبہ پھر بدل گیا، کچھ دیر وہ خاموش رہا، پھر اس نے ایک نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا،

" کیا میں پوچھ سکتا ہوں کس طرح ؟ "

" جی ہاں ضرور، ایک صاحب ہیں ڈاکٹر سکسینہ، ابھی حال ہی میں کیمبرج یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر آئے ہیں، اور لکھنؤ یونیورسٹی میں ان کا تقرر بھی ہو گیا ہے"! "

" ہوں گے، میں نہیں جانتا انہیں"! "

"وہ کماری کے ماموں زاد بھائی ہیں،" ——— ہاں مسٹر ترویدی کا اب لکھنؤ میں تبادلہ ہوگیا ہے، ———
ہوگیا ہوگا، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں، ———

"ہٹیئے بھی میں نہیں کہتی، نہ آپ کو ڈاکٹر سکینہ سے دلچسپی ہے، نہ ترویدی سے پھر آخر آپ جنگ محبت کس طرح سر کریں گے؟"

"کیا ڈاکٹر سکینہ کو آپ میرا رقیب ثابت کرنا چاہتی ہیں،!؟"

"جی ہاں جناب یہی بات ہے،!"

"ہوگی ———"

"آپ کو کوئی پروا نہیں ہے"

"میری پروا کو چھوڑیئے، پہلے پورا قصہ بتایئے۔!"

"ہاں تو ڈاکٹر سکینہ نے کسی سوشل میٹنگ میں، کہیں اوما کو دیکھ لیا، ہزار جان سے فریفتہ ہوگئے، اور مچل گئے کہ شادی کروں گا تو اوما سے۔ ———"

"اچھا، ——— کیا اس طرح بھی محبت ہوجاتی ہے،؟"

"کیوں نہیں ہوتی؟ ڈاکٹر سکینہ کی مثال آپ کے سامنے ہے،!"

"پہنچ گئے پیام لے کر؟"

"نہیں اتنے بے وقوف بھی نہیں ہیں، ——— کماری کو بھیجا لیکن اس کا تو آپ دونوں نے بائیکاٹ کر رکھا تھا،!"

"لیکن اس نے تو نہیں کیا تھا آگئی،! تو کیا نکال دیتے اسے؟" ——— ——— اب اعتراضات کرتے رہیں گے یا بات سنیں گے؟"

"کہیئے کہیئے اب میری طرف سے مداخلت نہیں ہوگی:!"

"شکریہ" ——— کماری آئی اور اوما کے گلے لگ گئی، میں بھی اس وقت وہیں موجود تھی، ———

"آپ کے گلے بھی لگ گئی" ! "

"جی ہاں ——— پھر بولے آپ ؟"

"غلطی ہوئی، اب ایسی غلطی نہیں ہو گی" ! "

"سب سے پہلے تو اس نے معافی مانگی، پھر ڈاکٹر سکینہ کا ذکر چھیڑ دیا" اور ذکر کرتے کرتے ان کی ایک خوب صورت سی تصویر پیش کر دی، یہ ہیں ڈاکٹر سکینہ" !"

اوما نے، تصویر پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی، اور واپس کر دی، کماری نے پوچھا،

" سچ کہنا کیسے ہیں ؟" ——— تم بتاؤ کملا !"

میں نے کہا، "بہت اچھے۔ چندے آفتاب، چندرے ماہتاب، ———"

کماری خوش ہو گئی، پھر وہ اوما سے مخاطب ہوئی،

"سن لیا کملا کیا کہہ رہی ہیں ؟"

اوما نے جواب دیا، ہاں سن لیا، !"

کماری نے مسکراتے ہوئے اور خوشی کا جھولا جھولتے ہوئے کہا،

"بس تو اب مدت کے بعد بہار آئے گی اس گھر میں، جاتی ہوں چاچا جی ڈاکٹر بنرجی کے پاس، تمہارا عندیہ تو لے ہی لیا، !

اوما نے ہنستے ہوئے کہا،

کماری کچھ دیوانی ہوئی ہو؟ چاچا کے پاس جا کر کیا کرو گی ؟ اور میرا عندیہ کیسا ؟ ——— مطلب کیا ہے تمہارا ——— ؟

میں بیچ میں بول پڑی،

"مطلب یہ ہے کہ یہ تمہیں دولہن بنا کر ڈاکٹر سکینہ کی خدمت میں پیش کر دیں گی"،!

کماری نے مسکراتے ہوئے کہا،

"ہاں، ——— یہی ارادہ ہے اب تو؟"

اوما سنجیدہ ہوگئی، اور کہنے لگی،

"کچھ دماغ چل گیا ہے تمہارا؟ ———!"

کماری کا منہ سوکھ گیا، اس نے پوچھا،

"تو کیا یہ رشتہ نامنظور ہے تمہیں؟"

اوما نے حقارت بھرے لہجہ میں کہا،

"قطعاً نامنظور،!"

بڑے بھولے پن سے کماری نے سوال کیا،

"آخر کسی سے تو شادی کروگی،!"

اوما نے تیکھے پن سے کہا،

"ہاں، لیکن جس طرح تم نے کرلی اس طرح نہیں،!"

یہ الفاظ سنتے ہی کماری کی ساری شوخی اور زندہ دلی، اخلاق، اور لگاوٹ کا خاتمہ ہوگیا، چڑکر بولی،

"میں جانتی ہوں سب کچھ،!"

میں بھلا کیسے چپ رہ سکتی تھی، میں نے کہا،

"ہمیں بھی بتا دو،!"

کماری نے نفرت اور حقارت اور برہمی کا پیکر بن کر کہا،

تم پر تو جاوید کا جنون سوار ہے،

اوما نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

"کماری ان کا نام نہ لو،!"

کاری نے جیسے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ لیا تھا،

"کیوں نہ لوں، میں تو سارے زمانہ میں بدنام کردوں گی تمہیں؟ کہیں منہ دکھانے قابل نہ رہو گی، بوڑھے باپ کے سفید بالوں میں کالک لگوا کر رہو گی، میں جانتی ہوں، لیکن سن لو کان کھول کر تمہاری مراد پوری نہیں ہو گی،!"

اوما نے گرج کر کہا،

"میں چاہوں تو آج ہو سکتی ہے،!"

وہ چڑاتی ہوئی بولی،

"تو کیوں نہیں چاہتیں پھر؟"

اوما نے اثر انگیز لہجہ میں کہا،

"اس لئے کہ میں اس قابل نہیں ہوں، وہ سورج ہیں، سورج کی پوجا کی جا سکتی ہے۔ اس سے دامن نہیں باندھا جا سکتا،!

کاری کے تو جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی،

"ارے سب سے بڑے سورج، انہیں بھی دن کو تارے نظر نہ آنے لگیں تو کہنا،!"

یہ کہا، اور یہ جا وہ جا،! ——— "کہئے جاوید صاحب دیکھ لیا آپ نے اپنے کا عظیم الشان کارنامہ،!"

جاوید نے جواب نہیں دیا، اس کا ایک رنگ آرہا تھا، ایک جا رہا تھا، کملا کچھ اور کہنا چاہ رہا تھا کہ اختر آ گیا اور بات ٹل گئی،! اور وہ چلی گئی، ٭

(۲)

# قلب ناشکیب

"کہو بھئی جاوید کیا ہو رہا ہے؟" اختر نے بے تکلفی کے ساتھ سوال کیا
پژمردہ دکھائی دے رہے ہو؟"

"اچھا ہوں!" جاوید نے جواب دیا "لیکن تم کیسے بھول پڑے ادھر!"

"میں بولتا ہوں تم لکھو" اختر نے بے چینی کے ساتھ کہا، نکالو قلم!"

"کیا لکھواؤ گے؟ جاوید نے سوال کیا، "کچھ معلوم بھی تو ہو!"

"وصیت نامہ ——————"

جاوید نے بناتے ہوئے کہا،

اے میں قربان تو نے ابھی دنیا کا دیکھا کیا ہے؟ مریں تیرے دشمن!

اختر نے اور زیادہ اضطراب کے ساتھ کہا،

"دشمنوں کو مار کر مروں گا!"

جاوید سنجیدہ ہو گیا،

"کیا بک رہے ہو؟ کسے مارو گے؟ کون ہے تمہارا دشمن!؟"

اختر نے اسی بپھرے ہوئے لہجہ میں کہا،

"کمال اور روحی کو، —————— وہ بے وفا اپنے شوہر کے سا تھ
کل یہیں آئی ہوئی ہے، کل نشاط کسی باغ میں نظر آئی تھی اپنے دولہا میاں کے
وہ بے وفا ہے، اس نے مجھے دھوکا دیا، اس نے میری امیدیں اور آرزوئیں
میں ملا دیں، میں اسے قتل کر دوں گا، اور اس رقیب گلفام، کمال کو بھی، !"
جاوید ہنسنے لگا، اس نے سگریٹ بڑھاتے ہوئے، پھر اپنے ماچس سے سلگاتے
کہا،

"دیوانے مت بنو، —————— تمہیں کیا حق ہے روحی کو، یا کسی اور کو قتل
کا؟"

اختر نے غصہ کے عالم میں کہا،

"کیوں نہیں ہے؟ اس نے میری زندگی غارت کر دی، اس نے مجھے کہیں کا نہ
اس کے مکاتیب محبت (LOVE LETTERS) کا یہ بڑا پلندا رکھا ہے میرے
نہیں پڑھو تو معلوم ہوگا، لیلیٰ مجنوں کو خط لکھ رہی ہے ——————
"جھوٹے لیلیٰ، لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی، !"

"مذاق مت کرو، ان خطوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے، جیسے دنیا میں صرف
بت ہے جسے وہ پوجتی ہے، اور وہ بت میں ہوں ——————
وہ محبوبِ نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالتی، کہیں آنکھ چار ہو جاتی ہے تو منہ پھیر
ہے،

"بہت اچھا کرتی ہے تم اسی قابل ہو، !"

"نہیں میں بہت قابل ہوں، میں اس کے یہ خطوط اس کے منہ پر لے جا کر
اس کے شوہر سے کہوں گا لے پڑھ اپنی محبوبہ کے نامہ ہائے عشق جو اس
اور کے نام لکھے تھے، پھر پستول کی ایک گولی اس کا سینہ چیرتی ہوئی گزر

جائے گی، اور وہ مرغِ لبسمل کی طرح تڑپنے پھڑپھڑانے لگے گی،!"

"پھر کیا ہوگا،!؟"

"وہ مر جائے گی، اس کے ساتھ اس کے فریب کا بھی خاتمہ ہو جائے گا"

"تمہیں کیا فائدہ ہوگا اس سے؟"

"میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا،!"

"آئس کریم منگاتا ہوں، کلیجہ ابھی ٹھنڈا ہو جائے گا ہم دونوں کا،!"

"تم کس قسم کے آدمی ہو ہمایوں،!"

"جس قسم کے تم نہیں ہو،!"

"وہ تو معلوم ہے، لیکن تمہیں مجھ پر ترس نہیں آتا! تم مجھ سے ہمدردی

کر سکتے ہو، میرا غم نہیں بٹا سکتے تم!"

"سب کچھ کر سکتا ہوں، لیکن خون ناحق میں تمہارا مددگار نہیں بن سکتا"

"خونِ ناحق کیسا وہ قتل کی مستحق ہے،!"

"بالکل نہیں ہے،!"

"آخر تمہیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟"

"اس سے بالکل نہیں ہے صرف تم سے ہے،!"

"اچھی ہمدردی ہے یہ،!"

"سوچو تو اختر، تم اس سے شادی کر لیتے، کچھ دن نباہ دیتے، پھر وہ

دیتی، پھر وہ کسی اور سے محبت کے پینگ بڑھا لیتی، تب تم کیا کرتے،

خودکشی اور قتل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، لیکن خدا کا شکر ادا کرو

تم چڑتے ہو، بگڑتے ہو، خفا ہوتے ہو، کتنا اچھا ہوا، کہ شادی کا عہد

کا پیمانِ وفا بندھنے سے پہلے اس کی حقیقت معلوم ہو گئی،!"

اختر نے کوئی جواب نہیں دیا، جاوید نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا،

"محبت چھپنی نہیں جاتی، مل جائے تو خدا کی دین ہے نہ ملے تو اپنی قسمت"!

"میں نے کب چھپنی تھی محبت؟ مجھے تو ملی تھی؟"

"نہیں ملی تھی، وہ محبت نہیں تھی، جوشِ شباب تھا، تمہارے بجائے اس وقت کوئی بھی اس سے اظہارِ محبت کرتا وہ اسے قبول کر لیتی، لیکن جب اس جوش نے سنجیدگی اختیار کی، تو حقائق کی چٹان سے ٹکرا کر بلبلہ بنا اور ختم ہو گیا"!

"حقائق کی چٹان؟ — یہ کیا چیز ہوتی ہے؟"

"بڑی مضبوط و مستحکم، ———

"کیا محبت سے بڑی بھی کوئی حقیقت ہے؟"

"کیوں نہیں ہے، محبت تو حقیقت کا سایہ ہے؟"

"اور حقیقت؟"

"زندگی کے سنگین تقاضے جن سے انکار کرنا حماقت ہے، جن کا مقابلہ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں، جن کے زور اور قوت کے سامنے پہاڑ بھی تھراتے ہیں، اور سمندر بھی لرزتے ہیں"!

"کیا ہیں وہ سنگین تقاضے جناب والا؟"

"روحی نے سوچا تم سے صرف محبت مل سکتی ہے، اور کمال سے دولت بھی مل سکتی ہے، اور محبت بھی، اس نے ایک چیز چھوڑ دی، دونوں لے لیں"! "صرف محبت تکلیف تھی، دولت کے ساتھ جو محبت ملی، اس میں راحت ہے"!

"کیا بکتے ہو؟ ایثار کسے کہتے ہیں معلوم ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں معلوم ہے، ——— ایثار، ایثار کو کہتے ہیں"!

"تو وہ ایثار کیوں نہیں کر سکی — ؟

"اُسے تمہارے پاس کیا ملتا، ؟ ایک معمولی سا فلیٹ، معمولی
دس پانچ روپے مہینہ جیب خرچ، اور محبت کا اتھاہ سمندر، لیکن، ک

---

"اسے بنک آف انگلینڈ کا گورنر بنا دیا؟"

"(ہنستے ہوئے) کمال نے اسے محبت دی، اور محبت کے سا
روپیہ، مکان، عیش فراواں، اس سے بڑھ کر کون احمق ہوتا اگر وہ اسے چھو
ہوئی ہوتی؟"

"کیا عورتیں ایسا کرتی نہیں؟"

"بہت کم،!"

"لیکن انہی میں روحی بھی کیوں نہیں ہے؟"

"کاش وہ ہوتی تو مجھے بڑی خوشی ہوتی'!"

"زیادہ بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ —— میرے اور روحی کے
تم اتنے فراخ دل ہو، کیا اپنے اور اوما کے معاملہ میں بھی اتنی فراخ د
سکتے ہو؟"

جاوید نے ایک پھیکے سے تبسّم کے ساتھ سوال کیا،
تیرا اور اوما کا معاملہ کیا ہے؟

اختر نے طنز سے بھرپور قہقہہ لگایا؟،
"یاروں کو سب خبر ہے،
مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست'!
ہم سے کیا چھپاؤ گے'؟"

جاوید نے پہلو بدلتے ہوئے کہا،

میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے کہ چھپانے کی کوشش کروں، ؟

اختر نے استعارے چھوڑ کر براہ راست سوال کیا،

"کیا تم ادما سے محبت نہیں کرتے ؟"

جاوید نے خفیف سے تامل کے ساتھ جواب دیا،

"کرتا ہوں، ———— مگر مطلب ؟"

اختر نے ایک اور سوال کر ڈالا،

"کیا ادما تم سے محبت نہیں کرتی ؟"

جاوید نے جواب دیا، اس کے بارے میں تو وہی کچھ کہہ سکتی ہے، لیکن ممکن ہے
نی ہو پھر ؟"

اختر نے اپنے مدعا کی وضاحت کرتے ہوئے کہا،

اگر وہ کسی اور کو چاہنے لگے ؟ اگر وہ تمہیں دھتکار دے ؟ اگر وہ تمہیں
ریب دے کہ کسی اور کی ہو رہے ؟ اگر وہ تمہیں دیکھے اور منہ پھیر لے۔ نظر چرا
لے تو کیا کرو گے ؟

جاوید نے بہت سنجیدہ لہجہ میں جواب دیا،

"کچھ نہیں کروں گا،

کہہ تو دیا بھئی محبت چھینی نہیں جاتی، ادما اگر مجھ سے محبت کرتی ہے تو اس کا
کریہ اور نہیں کرتی، تو میں اسے محبت کرنا کس طرح سکھلا سکتا ہوں ؟"

"کیا تم اس سے نفرت نہیں کرنے لگو گے ؟"

"بالکل نہیں، بلکہ شاید اور زیادہ محبت کرنے لگوں ؟"

"بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو، ا،

"خدا کی صفت میں دخل دینے کی بندہ کس طرح جرأت کر سکتا ہے! "

(جھڑکی یعنی میں بے وقوف ہوں؟" ——— اچھا میں بے وقوف

یہ بتاؤ، تم اس سے نفرت کیوں نہیں کرو گے؟

"اس لئے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، نہ کہ اس کی محبت سے!!"

"بڑا اچھا فلسفہ ہے، ——— مگر ایک سوال باقی رہ گیا، ٹھیک

تم اس سے نفرت نہیں کرو گے، مگر اور زیادہ کیوں چاہنے لگو گے اسے؟

"اس لئے کہ پھر میری محبت بالکل بے لوث اور بے غرض ہو جائے گی!

"یہ باتیں اس لئے کہہ رہے ہو کہ جانتے ہو اوما ایسا نہیں کر سکتی!!

"میرے دوست، میری اور اوما کی محبت، ذرا سوچو تو سہی، کتنی ناممکن

سی چیز ہے، وہ ہندو ہے، میں ایک مسلمان خاندان سے تعلق رکھتا ہوں

ہم دونوں ہندو مسلم سوال اپنے ذہن میں نہ پیدا ہونے دیں، لیکن اوما کا خاندان

کی سوسائٹی، اس کی قوم، کیا ان سب میں طوفان نہ آ جائے گا؟

"آ جائے، آ جانے دو، کیا کرے گا یہ طوفان؟"

"ہاں یہ طوفان کچھ نہیں کر سکتا، لیکن میں محض اپنے لئے اپنے جذبات کی

کے لئے اس غریب کو اتنے بڑے ابتلا میں کیوں ڈالوں؟ اس بے چاری

بڑی قربانی کا مطالبہ کیوں کروں؟ ——— کیا یہ میری خود غرضی کی انتہا

ہو گی؟ نہیں اختر، میں ایسا نہیں کر سکتا!"

"یعنی تم اس سے شادی کا ارادہ نہیں رکھتے؟"

"قطعاً نہیں!!"

"تو پھر تم اس سے محبت بھی نہیں کرتے؟"

جاوید ہنس پڑا۔ اس نے کہا،

محبت، ——— تم جانتے ہی نہیں محبت کسے کہتے ہیں، !"

اختر نے طنز کرتے ہوئے کہا،

"زانوے شاگردی ہی تہ کرنے تو آیا ہوں، بتا دو، سکھا دو، !"

"تم اس قابل نہیں ہو، یہ چیز تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتی، جو شخص روحی کی بے وفائی پر اتنا برافروختہ ہو جائے کہ اسے قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے، جو اتنا بڑا بلیک میلر ہو کہ ایسے خطوط، جو اس نے کسی وقتی جذبہ سے متاثر ہو کر محض سادہ لوحی سے اسے لکھے تھے، اس کے منہ پر مارنے اور اس کے شوہر کو دکھانے پر آمادہ ہو، وہ ہرگز محبت کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا، میرے دوست، تم جسے محبت کہہ رہے ہو، وہ فریب نفس کے سوا کچھ نہیں ہے، !"

"بڑی لمبی تقریر کر ڈالی جناب نے، مگر خاکسار کے پلے کچھ نہیں پڑا، !"

"یہ مجھے پہلے سے معلوم تھا اسی لئے تو یہ راز کی باتیں اگل دیں تمہارے سامنے حالانکہ یہ وہ باتیں ہیں کہ ——— بردار تواں گفت بہ منبر نہ تواں گفت، !"

"تمہارے پاس میں اس لئے آیا تھا کہ میرے بیتاب دل کو تسلی دو گے، تم نے اور اپنی طرف سے بھی دو چار زخم لگا دئے، اچھے دوست ہو بھئی تم بھی، !"

"میں نے جو کچھ کہا ہے بالکل دوستانہ جذبہ سے مجبور ہو کر کہا ہے، لیکن اپنے قصور فہم کو کیا کرو گے کہ سمجھ ہی نہیں سکتے، !"

"بہت اچھا جناب شکریہ، ——— اب اجازت دیجئے،

یہ کہہ کر اختر افسردگی کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا، جاوید نے کوٹ پہنتے ہوئے کہا،

"چلو ذرا حضرت گنج کی سیر کر آئیں، !"

بے دلی کے ساتھ اختر نے کہا،

"نہیں بھئی میرا جی نہیں چاہتا بالکل"!

جاوید نے اسے زبردستی اپنے ساتھ لے چلتے ہوئے کہا

"لیکن میرا تو چاہتا ہے زیادہ تکلف نہیں کرتے، آؤ"!

اختر جاوید کے ساتھ ہو لیا"! ٭

---

(۳)

## بزمِ نشاط

جاوید، اختر کے ساتھ حضرت گنج کے کوچہ و بازار، اور بام و در کی خوب سیر کرتا رہا، پھر، دونوں ایک رستوران میں آکر بیٹھ گئے، یہاں چائے پی، اور بعض مسائل پر تبادلۂ خیال کرنے لگے، دفعتہً اختر خاموش ہو گیا، پھر اس نے آہستہ سے کہا،

"دیکھو —— وہ دیکھو، !"

جاوید نے نظر اٹھائی، تو نشاط آتی ہوئی نظر آئی، اختر نے سرگوشی کے لہجہ میں پوچھا،

"انہیں پہچانتے ہو ؟"

جاوید نے جواب دیا،

"تم سے زیادہ، !"

اتنے میں نشاط بالکل قریب آگئی، جاوید اٹھ کھڑا ہوا،

"مس نشاط آپ ؟"

وہ ذرا ٹھٹکتی ہوئی بولی،

"بالکل یہی سوال میں آپ سے کرنے والی تھی، !"

جاوید ہنسنے لگا، "تو آیئے بیٹھئے، اطمینان سے ہم ایک دوسرے
سوال جواب کر لیں،!"

وہ ذرا تامل کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گئی، جاوید نے کافی اور پیسٹری کا
دیا، اور کہنے لگا،

"آج بہت دنوں کے بعد دیکھا ہے آپ کو، کافی بدل گئی ہیں آپ تو،!"

نشاط نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا،

"ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں، ——— ورنہ دنیا میں ہر
اسی لئے ہے کہ بدلتی رہے،!"

جاوید نے اپنے آپ کو کچھ لاجواب سا محسوس کیا، اختر نے چوٹ کی،

"اب بغلیں کیوں جھانکنے لگے، وہ طراری، وہ حاضر جوابی، وہ تیز گفتاری
ہوئی، مس نشاط کے ایک فلسفیانہ فقرے نے کنویں جھکا دیئے افلاطون
اعظم کو،"

جاوید نے ہنستے ہوئے کہا "مس نشاط کی ذہانت اور قابلیت کا
ہمیشہ سے معترف ہوں،!"

اختر نے پھر چوٹ کی، "یوں کیوں نہیں کہتے کہ بالآخر مس نشاط کی ذہانت
قابلیت کا سکہ ماننا پڑا،"

جاوید نے کافی کا ایک گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا،

"اچھا بھئی یہی سہی، ——— تم ہی سچے سہی اس بات
جھگڑا کیا ہے، ——— بتایئے مس نشاط کیسی گزر رہی ہے؟
——— آپ سے مجھے سخت شکایت ہے،!"

نشاط نے سراپا اشتیاق بنکر پوچھا،

"شکایت؟ آپ کو مجھ سے شکایت؟"

جاوید نے کافی کا ایک اور گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا،

"جی ہاں شکایت اور بہت سخت شکایت، ———— میں بمبئی سے پٹ کر ہسپتال میں موت اور زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو کر، لکھنؤ آیا، اور یہاں بھی ایک عرصہ تک نحیف و نزار رہا، مگر آپ نے جھوٹوں بھی میری خبر نہ لی،!"

نشاط کے سامنے پیالی ویسے ہی رکھی تھی، اب اس نے ادھر توجہ کی، اور ایک گھونٹ پیتے ہوئے کہا،

"یہ نہ کہیے، میں برابر آپ کی خبر لیتی رہی،!"

"وہ کس طرح مس نشاط؟"

"تفصیل کی ضرورت کیا ہے؟ میری بات کا اعتبار کیجئے،!"

"بہت اچھا اعتبار کر لیا، مگر مجھے تو آپ سے توقع تھی کہ آپ میری تیمارداری کریں گی، ————"

نشاط نے آخری گھونٹ پی کر پیالی پرے کھسکاتے ہوئے کہا،

"خدا کے فضل سے تیمارداروں کی آپ کو نہ بمبئی میں کمی تھی، نہ لکھنؤ میں پھر خون لگا کر شہیدوں میں اگر میں بھی شریک ہو جاتی تو کیا ہوتا؟"

جاوید کچھ جھینپ سا گیا سمجھ گیا یہ اشارہ اوما اور کملا کی طرف ہے، ذرا دیر کے لئے پھر اس نے اپنے آپ کو لاجواب سا محسوس کیا، پھر اس نے سگریٹ کیس نکالا اختر کی طرف بڑھانے کے بعد اپنا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا،

"اس سے کیا ہوتا ہے؟"

اختر سے ضبط نہ ہو سکا، بول پڑا،

"بات کچھ بھی نہیں بہتر تھا کہ چپ ہی رہتے، ————"

جاوید نے گفتگو کا موضوع بدل دیا،

"کہیے آپ کے اسکول کی کیا حالت ہے ؟"

"وہی جو مسلمانوں کے اداروں کی عام طور پر ہے، سرمایہ کم ضرورت
امرا بے پروا، غربا مجبور، اسٹاف جتنا چاہیے اس سے کم ہے : تنخواہیں
نہیں ملتیں جتنی ملنی چاہئیں، اس لئے جذبہ کار بھی کم ہے،!"

"لیکن آپ کا تو کسی کالج میں آسانی سے تقرر ہو سکتا ہے،!"

"جی ہاں ہو تو سکتا ہے، بلکہ ایک آدھ جگہ سے آفر بھی آئی، مگر
انکار کر دیا،!"

جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا،

"ایک آپ ہیں کہ آفریں آتی ہیں اور مسترد کر دی جاتی ہیں، ایک ہم ہیں کہ
سنبُل سے نکالے گئے آج تک باب ملازمت وا نہ ہوا، ٹھوکریں کھا
——— لیکن کیوں انکار کر دیا آپ نے؟"

وہ بولی، "میں نے سوچا، ہر شخص کو روپیہ کمانے کی فکر ہے، ایم
دھن ہے۔ موٹر، بنگلہ، لباس فاخرہ، لذیذ کھانے، اونچی سوسائٹی، کلب
عشرت کی زندگی کا سودا ہے، اور یہ کچھ برا بھی نہیں، اگر کوئی ہزاروں روپیہ
اور کئی سال مغز ماری کر کے ڈگری لیتا ہے تو اسے حق ہے کہ اپنے مستقبل
سنوارنے، سدھارنے اور روشن تر بنانے کی کوشش کرے، لیکن کچھ دیوانے
بھی ہونے چاہئیں، جو روکھی سوکھی کھا کر قوم کی خدمت کریں اور مگن رہیں
ہیں اس طرح کے لوگ زیادہ ہیں، مسلمانوں میں کم،!"

جاوید غور اور توجہ سے نشاط کی باتیں سنتا رہا۔ پھر اس نے ایک تار
ہر کیا۔

"آپ کا یہ جذبہ بڑا قابلِ قدر ہے۔ اب تک میں آپ کی عزت کرتا تھا۔ اب اپنے
میں عظمت محسوس کرتا ہوں آپ کی۔!"

وہ بے پروائی سے بولی،

"نہ میں عزت کی مستحق ہوں، نہ عظمت کی، ——————

اختر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،

"نہیں مس نشاط یہ نہ کہیے، آپ نے خدمتِ ملی کا جو چراغ روشن کیا ہے،
ایک بڑا اور قابلِ احترام کارنامہ ہے،!"

نشاط مسکرائی،

"سچ کہہ رہے ہیں آپ اختر صاحب؟"

اختر نے جوش کے ساتھ جواب دیا،

"بخدا سچ کہہ رہا ہوں،!"

نشاط نے پرس کھول کر رسید بک نکالی۔

"تو لائیے چندہ۔!"

اختر پہلے تو سٹ پٹا گیا، پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دس دس کے
نوٹ نکالے،

"اس وقت تو یہی ہے،!"

نشاط نے وہ نوٹ لے لئے اور بولی،

"بہت ہے،!"

پھر رسید کاٹ کر اسے دیدی، جاوید نے کہا،

"مس نشاط اس نیک کام میں مجھے بھی شرکت کی سعادت بخشئے،!"

یہ کہہ کر اس نے دس دس کے پانچ نوٹ بڑھا دے نشاط کی طرف، نشاط

نے ایک نوٹ لے کر چار واپس کر دئے، جاوید نے پوچھا،

"یہ کیا؟ ——————

وہ بولی، میں جانتی ہوں آج کل کس طرح آپ بسر کر رہے ہیں، آج کہیں سو پچاس روپے مل گئے ہوں گے اسی پر یہ سخاوت ہو رہی ہے، —— اگر یہ رقم لے لوں تو آپ مہینہ بھر تک کیا کریں گے؟"

جاوید ہنسنے لگا، اب تو مجھے آپ کی ولایت اور کرامت کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے۔ آپ دل کا حال بھی جانتی ہیں، اور جیب کا بھی، واقعی آج ہی مجھے ایک مضمون کے معاوضہ میں سو روپے کا نوٹ ملا تھا،!"

نشاط ہنسنے لگی،

"میں نہ کہتی تھی،!

جاوید نے اصرار کیا،

لیکن یہ رقم آپ کو قبول کرنی پڑے گی،!

وہ کہنے لگی، نہیں جاوید صاحب میں دس سے زیادہ نہیں لے سکتی، آپ نے اصرار کیا تو یہ بھی نہیں لوں گی، ——————

پھر اس نے دس کی رسید کاٹ کر دے دی، جاوید نے پھر اصرار نہیں کیا، اختر نے پوچھا،

"کیا آپ یہاں ڈاکہ مارنے آیا کرتی ہیں؟"

اس نے جواب دیا،

یہی سمجھ لیجئے!"

تھوڑی دیر تک بیٹھ کر نشاط چلی گئی، اس کے جانے کے بعد، اختر نے کہا،

"سنا ہے کبھی یہ بھی تم سے محبت کرتی تھیں"! "

جاوید ہنس پڑا "! "

"لیکن روحی کی طرح دغا دے گئیں"! " ؏

---

(۴)

## حالِ دل

رستوران سے دونوں دوست باہر نکلے، اختر تو اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا، جاوید تھوڑی دیر ادھر ادھر بھٹکتا رہا، پھر نہ جانے کیا جی میں آئی کہ ادما کی کوٹھی کی طرف چل نکلا، بنرجی اکنامک کونسل میں شرکت کے لئے دہلی گئے ہوئے تھے، اوما پاس کے دوسرے بنگلہ میں اپنی کسی سہیلی سے ملنے گئی ہوئی تھی، عیدل نہایت اطمینان سے ڈرائنگ روم کے پائنداز پر انگوچھا کندھے پر ڈالے بیٹھا بیڑی پی رہا تھا، جاوید کا بہت ادب احترام کرتا تھا اسے دیکھ کر بیڑی مسل کر پھینک دی۔ اور خود کھڑا ہو گیا، جاوید نے پوچھا،

"پروفیسر ہیں؟ ——— میری اطلاع کر دو،!"

وہ گویا ہوا، "وہ تو دہلی گئے ہیں، چار پانچ دن کے بعد آئیں گے۔!"

جاوید کو جیسے کچھ یاد آ گیا،

ہاں میں نے اخبار میں پڑھا تھا، لیکن یاد ہی نہ رہا، ——— "مس اوما تو گی،؟"

عیدل نے بتایا، وہ پاس کے بنگلہ میں اپنی ایک سہیلی سے ملنے گئی ہیں، بس

اب آتی ہوں گی''!"

جاوید نے مسکراتے ہوئے پوچھا، "تم نے کیسے جان لیا بس اب آتی ہی ہوں گی؟ کیا کہہ گئی ہیں؟"

جاوید کو تبسم آشنا دیکھ کر عبدل بھی مسکرانے لگا، اس نے کہا، کہہ تو نہیں گئی ہیں، لیکن مغرب کے بعد، وہ گھر سے باہر کہیں نہیں ٹکتیں اور اب شام ہو چکی ہے''!

جاوید ایک کرسی پر دھم سے گر پڑا، "اچھا بھئی تو ہم انتظار کرتے ہیں''!"

عبدل نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموش ہو رہا، پھر جاوید کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر، وہ چلا گیا، جاوید سگریٹ پیتا رہا، ریڈیو پر کوئی بڑے میٹھے سروں میں گا رہا تھا،

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاری دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

حسرت موہانی کا شعر تھا، سنا اور تڑپ کر رہ گیا، شعر کی معنویت اور اثر آفرینی، پھر نغمۂ شیریں، کچھ عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی اس پر، اس شعر سے زیادہ وہ نہ سن سکا، اس نے ریڈیو بند کر دیا، خود بھی بہت اچھا گاتا تھا، یہی بول اس کی زبان پر جاری ہو گئے۔ آہستہ آہستہ، یہی شعر بڑی دیر تک گنگناتا رہا، کسی کی آہٹ سن کر خاموش ہو گیا، گردن اٹھا کر دیکھا تو عبدل چائے کی ٹرے لئے کھڑا تھا، جاوید سنبھل کر بیٹھ گیا،

"یہ کیا؟ —— اس کی کیا ضرورت تھی،؟"

عبدل نے جواب دیا "حکم ایسا ہی ہے صاحب''!"

جاوید نے ماتھے پر شکن ڈال کر سوال کیا،

"حکم کیسا؟ —— کس نے حکم دیا ہے؟"

بے تامل عبدل نے بتایا،

جلدی دوسری پیالی بنائی، اور اس کی طرف بڑھادی، وہ منہ بناتی ہوئی بولی،
"چائے نہیں، ——— عبدل ہم کافی پئیں گے، اگر تکلیف ہو تو

———

وہ آمادگی اور مستعدی سے بولا،

"ابھی لایا چھوٹی سرکار، !"

اوما بگڑ گئی،

کے مرتبہ کہہ چکی ہوں مجھے چھوٹی سرکار نہ کہا کرو، ہمیشہ سے بٹیا کہتے آئے ہو،
وہی کہو، نہ جانے چھوٹی سرکار کس احمق نے سکھا دیا تم کو، !"

عبدل نے بتایا،

"کملادیوی نے ———"

اوما ہنسنے لگی،

"اچھا ہیں اس کے کان اینٹھوں گی، تم کافی لاؤ جلدی سے، !"

عبدل چلا تو جاوید نے کہا،

بھئی ہمارا خیال بھی رکھنا ———

وہ مسکراتا ہوا چلا گیا، اور ذرا دیر کے بعد کافی لے کر آ گیا، اوما نے بڑے اہتمام سے دو پیالیاں تیار کیں، ایک جاوید کی طرف بڑھادی، ایک اپنے آگے رکھ لی،

اوما نے پوچھا، "کہیے خیریت تو ہے؟ مزاج تو اچھا ہے، آپ نے تو گویا آنا ہی چھوڑ دیا ہے، !"

جاوید نے ایک گھونٹ کافی کا پیا، سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے بولا،
"یہ کیسے ہو سکتا ہے مس اوما کہ آنا چھوڑ دوں؟ اس در کے سوا، اور میری

"چھوٹی سرکار نے، ——— انھوں نے کہہ رکھا ہے جب صاحب آ
کریں: میں ہوں یا نہ ہوں، ان کی خدمت میں چائے یا کافی بغیر پوچھے ہو
پیش کر دیا کرو،!"

جاوید نے کہا، "اچھا!"

پھر مسکرانے لگا، اور چائے بنانے لگا، چائے بناتے بناتے اس نے ع
سے پوچھا،

"بھئی اردو تو تم بڑی اچھی بول لیتے ہو" چھوٹی سرکار" صاحب" "چا
پیش کرنا،!" یہ سب کہاں سے سیکھ لیا تم نے — ؟

عبدل نے جواب دیا، "یہاں لکھنؤ میں رہتے تیس برس سے زیادہ ہو گئے
جب سے بڑے صاحب یہاں ہیں، میں بھی یہیں ہوں، چھوٹی سرکار یہیں پیدا ہو
یہیں پلیں بڑھیں، میں نے گودوں کھلایا، انگلی پکڑ کر کھلایا، مدتوں اسکول لے جاتا
——— وہ بھی کتنی اچھی اردو بول لیتی ہیں؟"

جاوید نے تائید کی،

"ہاں بھئی، بہت اچھی، وہ تو ہم سے بھی اچھی بول لیتی ہیں، ———
اتنے میں پھر آہٹ ہوئی، اوما، ڈرائنگ روم کا پردہ پکڑے کھڑی مسکرا رہی
تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوہ قاف سے پری اتر کر آئی ہے، جاوید اسے
دیکھ کر کھڑا ہو گیا، اوما بولی،

"اکیلے اکیلے؟ ——— ہمارا انتظار بھی نہ کیا آپ نے؟"

جاوید نے کہا، میں تو انتظار کرتا، لیکن عبدل نے کہا چھوٹی سرکار کا حکم یہی
تو مجھے تعمیل کرنی پڑی،!

اوما کچھ مسکراتی کچھ لجاتی آئی، اور پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی، جاوید نے جلد

بوجھ ۔ ہے ؟ اس آستانہ کے سوا کہاں سر ٹیک سکتا ہوں ؟ بے شک آنا کم ہو
گیا گو دل زیادہ آکر ؟ یہ تو رسمی سی بات ہے "—

ادما مسکرائی ، " ہمارے گھر پر آنا رسمی سی بات ہے ، ؟ کیوں جاوید صاحب
کچھ سوچا بھی کیا کہہ گئے آپ ؟ "

جاوید نے جواب دیا ،

ویسے تو دیوانگی کی منزل سے کچھ زیادہ دور نہیں ہوں ، لیکن آپ کے سامنے
بہک جاؤں ایسا نہیں ہو سکتا ، ! میں نے ٹھیک ہی تو کہا ہے ، یہاں آنا رسم کی
پابندی ہے ، ساتھ ساتھ ذہنی کوفت میں اضافہ بھی ، رہا آپ سے ملنا وہ ہر دن
ہوتا رہتا ہے ؟

ادما ہنس پڑی ،

" جاوید صاحب پھر اور بہکنا کسے کہتے ہیں ؟ یہاں آنا رسمی بات ہے
لیکن مجھ سے ملاقات ہر وقت ہوتی رہتی ہے ، یہ بات میری کیا بڑے بڑوں کی سمجھ
میں نہیں آسکتی ،

جاوید نے سنجیدہ لب و لہجہ میں کہا ،

مس ادما میں جاگتا ہوں ، سوتا ہوں ، کھاتا ہوں ، پیتا ہوں ، لکھتا ہوں ، پڑھتا
ہوں ، لوگ میرے پاس آتے ہیں ، میں لوگوں کے پاس جاتا ہوں ، گوشۂ تنہائی
میں بیٹھتا ہوں ، اور بزم احباب میں بھی ، گھر پر بھی اور رستوران میں بھی ، لیکن مجھے نہیں
یاد آتا کہ کوئی ایسی گھڑی بھی گزری ہو جب میں نے اپنے آپ کو آپ سے دور پایا ،
خوش ہوتا ہوں تو آپ کا باوقار ، تابناک ، اور حیات آفریں تصور میری خوشی میں اضافہ
کر دیتا ہے ، غمگین ہوتا ہوں تو آپ کا یہی تصور مجھے تسکین دیتا ہے ، میری دل
کرتا ہے ———— مس ادما ، میں اور آپ اس وقت آمنے سامنے بیٹھے

یہاں کوئی تیسرا نہیں ہے جو جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، لیکن اس یکسوئی کی مجلس میں بھی آپ مجھ سے وہ کچھ نہیں کہہ سکتیں ہیں جو آپ کا تصوّر کہہ ڈالتا ہے، میں اس کی بڑی قدر کرتا ہوں، میں اسے بہت عزیز رکھتا ہوں، ان ملاقاتوں سے وہ ملاقات کہیں طویل، کہیں دیرپا، کہیں خوش آئند اور کہیں مسرت بخش ہوتی ہے، پھر اسے رسمی کیوں نہ کہوں اور اُسے حاصل حیات کیوں نہ قرار دوں، !،

کافی کی پیالی ٹھنڈی ہوئی جارہی تھی، اوما، مدہوشی کے عالم میں جاوید کی باتیں سن رہی تھی،

میرے اور آپ کے راستے میں بڑی بڑی دیواریں نہیں اونچے اونچے پہاڑ حائل ہیں، لیکن تصور کی دنیا میں جہاں ہم آپ ملتے ہیں، وہاں نہ کوئی پہاڑ ہے، نہ ٹیلہ نہ دیوار، ——— بلکہ ریت کی دیوار بھی نہیں،

اوما اپنی ساری کے پلّو کی گرہیں بنا بنا کر کھول رہی تھی، اور جاوید کہہ رہا تھا،

میں جانتا ہوں آپ کے دل میں میری جگہ ہے، اور آپ بھی اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ میرے دل میں آپ کے سوا کسی کی جگہ نہیں ہے، یہ بہت بڑی قیمت ہے جو میرے دل نے آپ سے وصول کرلی ہے، اس کے بعد بھی اگر میں کچھ اور چاہوں تو یہ خود غرضی ہوگی، ——— یقین کیجئے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا، چاہ ہی نہیں سکتا، !

اوما کی نگاہیں، اپنے بڑے بڑے سرخ سرخ ناخنوں پر جمی ہوئی تھیں جیسے یہ آرسی ہے، جس میں وہ اپنا چہرہ دیکھ رہی ہے، اور جاوید کی تقریر جاری تھی،

آپ ہندو ہیں اور میں مسلمان ہوں، یعنی آپ ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی ہیں اس لئے ہندو ہیں، میں مسلم گھرانے میں پیدا ہوا ہوں اس لئے مسلمان ہوں، لیکن اگر صورت برعکس ہوتی، آپ کشور سلطانہ ہوتیں، اور میں اجیت پرشاد، تب بھی میں اور آپ

اسی طرح انسان رہتے جس طرح اب ہیں، انسانیت، قید مذہب و ملت، اور وطن سے ماورا ہے، اور رہے گی، اور رہنی بھی چاہیئے، ! "

خود اوما بھی حد درجہ سنجیدہ بنی یہ باتیں سن رہی تھی، جاوید کا طوفان تکلم بد جاری تھا،

"میں نہیں جانتا اسلام کیسا مذہب ہے، شاید آپ بھی ہندو مت کے بار میں کچھ زیادہ نہیں جانتی ہوں گی، اور نہ جاننا اچھا ہی ہے، میں اب تک مذہب ضرورت ہی نہیں سمجھ سکا، ویسے میں کسی مذہب کو برا نہیں سمجھتا، اگر مذہب میں کو نہ ہو نہیں تو دنیا کی بہت بڑی اکثریت اسے قبول کرنے پر مجبور کیوں ہو جاتی بہر حال میں مذہب کو مانوں یا نہ مانوں، آپ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں یہ ایک اٹل حق ہے کہ آپ ہندو ہیں، اور میں مسلمان ہوں، اس کی سنگین ترین حقیقت سے ٹکر لینا خیال میں ناممکن نہیں، لیکن یہ ایک بہت بڑا ابتلا ضرور ہے، خاص طور پر عورت لئے، ریحانہ طیب جی نے ایک ہندو سے شادی کر لی، مسلمانوں کے ہاں صف بچھ گئی، اور ونا نے آصف علی سے شادی کر لی تھی تو ایک کہرام مچ گیا تھا، ہندو میں جب مذہب ان شخصی آزادیوں میں مخل ہوتا ہے تو میں اس سے چڑ جاتا ہوں اور ونا کو اگر آصف علی پسند تھے، یا ریحانہ کو اگر شنکر لال بینکر کا بھتیجا پسند تو مذہب کو کیا حق ہے کہ اس پسند کو ناپسند کر دے ؟ ہاں تو میں ابھی کہہ رہا مذہب کی سنگین حقیقت سے ٹکرانا ممکن تو ہے لیکن ایک بہت بڑا ابتلا ضرور خاص طور پر عورت کے لئے، میں اس ابتلا میں آپ کو نہیں پھنسانا چاہتا، میں آپ کو پا لیا، میرے دل نے آپ کو لے لیا، میں آپ کا ہو چکا آپ میری ہو گئیں اگر ہمارے مذہب ہمیں ایک دوسرے سے جدا رکھتے ہیں تو رکھیں وہ ہماری روح کو جدا نہیں رکھ سکتے، روح کو فنا بھی نہیں کر سکتے، یہ جسم

دن فنا ہو جائے گا، وہ ظاہری دلکشی و رعنائی جو مرد کو عورت کی طرف اور عورت کو مرد کی طرف کھینچتی ہے ایک دن مٹ جائے گی، لیکن اگر دو روحیں محبت کرنے لگیں تو فنا و بقا کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جسم بوڑھا ہو جاتا ہے، روح بوڑھی نہیں ہوتی، جسم اندھا، کانا، لولا، لنگڑا، مفلوج ہو سکتا ہے، لیکن روح ان بیماریوں سے آزاد ہے، جسم مر جاتا ہے لیکن روح نہیں مرتی، میں نے وہ محبت جو جسم سے تعلق رکھتی ہے چھوڑ دی ہے، وہ محبت جو روح کی گہرائی سے تعلق رکھتی ہے اختیار کر لی ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی آپ کو مجھ سے چھین سکتا ہے؟"

دونوں کے سامنے کافی کی پیالیاں رکھے رکھے ٹھنڈی ہو چکی تھیں، عبدل ٹرے اٹھانے آیا تو یہ رنگ دیکھ کر حیران رہ گیا، ادما مسکراتی ہوئی بولی،

"نہ جانے کہاں سے مکھی آکر گر پڑی، ——— لے جاؤ، !"

عبدل نے از راہ اخلاق کہا،

"تو مجھے آواز دے لی ہوتی پھر سے بنا لاتا، !"

ادما نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا،

"بار بار؟ ——— نہیں یہ اچھا نہیں لگتا، تم بھی تو آدمی ہو، !"

عبدل مسکرایا، "اسی لئے تو کہہ رہا ہوں، !"

ادما ہنس پڑی،

"تو پھر بنا لاؤ، !"

وہ خوشی خوشی ٹرے اٹھا کر نئی کافی بنانے چلا گیا، !

———

(۵)

# نشاط کار

اوماکافی پیتے پیتے غمگین لہجہ میں گویا ہوئی،

"آپ نے تو سب کچھ کہہ دیا، میرے کہنے کو کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ کوئی دو آ
ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے خیالات اس درجہ یکساں ہوں، یہ میں سو
نہیں سکتی تھی،"

اوما کی آواز لرز رہی تھی جاوید نے نظر اٹھائی تو اس کی آنکھوں سے آنس
کے دو بڑے بڑے قطرے ڈھلک پڑے، جاوید نے بے تاب ہو
تقریباً چیختے ہوئے کہا،

"مس اوما ——————"

وہ مسکرانے لگی، آنکھیں اب تک پرنم تھیں، اس نے جلدی سے آنس
ڈالے، اور بولی،

"آپ جانتے ہیں عورت کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ بہت
رو دیتی ہے،!"

جاوید نے کہا، "جی سب سے بڑی کمزوری انہیں سب سے بڑی طاقت

جو کام بڑی سے بڑی قوت نہیں کر سکتی، وہ دو آنسو کر لیتے ہیں، ؟

اوما کے ہونٹوں پہ افسردہ سا تبسم کھیلنے لگا، وہ کہنے لگی۔

آپ اہل زبان ہیں، بات کو جہاں سے جہاں چاہیں لے جائیں، شاید میں اپنا مطلب ٹھیک سے ادا نہیں کر سکی ؟ میرا مطلب یہ تھا کہ میں وہ سب کچھ نہیں کہہ سکی جو آپ نے کہہ دیا ہے، میری بھی بے بسی آنسو بنکر آنکھ سے ٹپک پڑی،!"

جاوید ہنسنے لگا، "پھر بھی دعوٰی یہ ہے کہ آپ اہل زبان نہیں ؟ اتنے مفہوم کو اتنی خوبی سے کون ادا کر سکتا ہے ؟"

وہ ایک ادا سے بولی، جس کے دل میں بھی یہ مفہوم مچل رہا ہو مفہوم خود ہی الفاظ تراش لیتا ہے، !"

سگریٹ سلگاتے ہوئے جاوید نے کہا،

"لیجئے، یک نہ شد دو شد، ـــــــــ بس اوما مجھے آپ سے تھوڑا سا اختلاف ہے، مفہوم الفاظ نہیں تراشتا، وہ خیالات ہیں جو الفاظ کا سانچہ بدلتے ہیں، خیالات اگر پاک، سنہرے اور اونچے ہیں، تو الفاظ بھی، سبک، دل پذیر، اور اثر انگیز ہوں گے، خیالات اگر پست ہیں، تو الفاظ اچھے اور عمدہ ہو ہی نہیں سکتے، !

اوما مسکرائی، پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی،

"جاوید صاحب مجھے بھی تھوڑا سا اختلاف ہے آپ سے، !"

جاوید نے بڑے شوق سے سننے کے لئے آمادہ ہوتے ہوئے کہا، ـــ ضرور فرمایئے ـــــــ

اوما بولی، "گالی سے بڑھ کر بھی پست خیال کوئی ہو سکتا ہے ؟"

جاوید نے جواب دیا، یہ تو پست خیالی کی انتہا ہے، !

"یہ تو بہت برا ہوا!"

جاوید نے بے فکری کے انداز میں کہا،

"بہت برا ہوا، لیکن جب قسمت ساتھ نہ دے تو آدمی کیا کرے؟ —— ہندوستان ٹائمز نے ایک جگہ کا اشتہار شائع کیا تھا، تین سو ماہوار تنخواہ، ... روپے سالانہ ترقی، ۵۰۰ سو کا گریڈ، یہ جگہ میرے لئے قابل قبول تھی، میں نے درخواست فوراً ٹائپ کی، اور بھیج دی"!"

"خیر وہاں تو ہو جائے گا، لیکن تنخواہ کتنی کم ہے؟ کہاں اسٹیٹمین کی گراں قدر، کہاں یہ معمولی سی تنخواہ، ——

"لیکن وہ بھی تو نہیں ملی مس اوما!

"کیا انکار ہو گیا؟"

"بالکل صاف، —— انھوں نے مسٹر بھاٹیہ کو رکھ لیا،!"

"(کچھ سوچتے ہوئے) بھاٹیہ وہی سنٹینل کا اسٹاف کارسپنڈنٹ؟

"جی ہاں وہی، ——

"لیکن بھاٹیہ تو بڑا کٹر مہاسبھائی ہے۔ اور ہندوستان ٹائمز خالص کانگرسی ہے، اس کے ہیمنگ ایڈیٹر تو مہاتما جی کے بیٹے دیو داس گاندھی ہیں،!"

"جی ہاں، —— لیکن انھوں نے جاوید پر بھاٹیہ کو ترجیح دی،

"بڑی مہمل حرکت کی،!"

"یہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں؟ —— رموز مملکت خویش خسرواں دانند،

"مجھے تعجب اسی پر ہوتا ہے کہ خالص قومی اداروں میں بھی یہ تنگ نظری ہے، بھلا آپ سے بھاٹیہ کو کیا نسبت،!"

"مجھ سے تو کوئی نسبت نہیں ہے، لیکن ہندوستان ٹائمز سے تو ہے،"

"آپ کی جگہ میں ہوتی تو ضرور اسٹیشمین کی آفر قبول کرلیتی، !"

"یہ آپ صرف میرے زخم پر مرہم رکھنے کے لئے کہہ رہی ہیں ورنہ آپ بھی قطعاً وہی کرتیں جو میں نے کیا ہے، !"

"تو آخر پھر ہوگا کیا ؟"

"کوئی نئی بات نہیں ہوگی، وہی ہوگا جو ہو رہا ہے، ——— لیکن ایک در بند ہزار در کھلے، اسٹیٹمین نے اپنا دروازہ بند کر لیا، لیکن ایک دوسری جگہ سے تقریباً اتنی ہی رقم کا انتظام ہو جانے کی امید ہے"!

"(خوش ہو کر) کہاں سے ؟ بتایئے تو سہی، !"

"مدراس کے روزنامہ ہندو کو، شمالی ہند کے لئے ایک مستقل نمائندے کی ضرورت ہے، اس سے گفت و شنید ہو رہی ہے، ——— اور دیکھئے نا میرا خرچ بھی تو کچھ ایسا نہیں ہے، نہ آگے ناتھ نہ پیچھے پگھا، تن تنہا آدمی ہوں، ہر حالت میں گزر کر لیتا ہوں، ———

یہی درویشی تو آپ کو ترقی نہیں کرنے دیتی ——— اچھا مجھے تو ایک مشورہ دیجئے، !"

"اگر میرے مشورہ کا وزن آپ کی نظر میں کچھ ہے تو ضرور پوچھئے، !"

"کیا میں دہلی چلی جاؤں ؟"

وہاں جا کر کیا کریں گی ؟"

"یہاں آئی۔ ٹی کالج میں تو ترقی کے زیادہ مواقع نہیں ہیں، فضا بھی کچھ دوسری سی ہے، وہاں اندر پرست گرلز کالج کی پرنسپلی کے لئے آفر آئی ہے،

"بہت اچھی پیشکش ہے، ——— وہاں تو آپ بادشاہت کریں گی"!

"تو بتا دیئے کیا قبول کر لوں؟"

"خود آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"وہ تو آپ کی مرضی کا تابع ہے"!

اگر میں کہوں کہ نہ جایئے تو ————

"نہیں جاؤں گی"!

"اگر میں کہوں کہ چلی جایئے ————

"تو چلی جاؤں گی، لیکن ایک شرط کے ساتھ"!

"وہ شرط بھی بتا دیجئے"!

"آپ بھی وہاں کے قیام کا پروگرام بنائیں، ورنہ پھر نہیں جانے کی ————

———— کم از کم ہم ایک جگہ تو موجود رہیں"!

یہ کہتے کہتے اوما کی آنکھیں جھک گئیں، جاوید نے وفورِ مسرت سے بے خود ہو کر کہا،

"مس اوما یہی مشورہ تو میں آپ سے کرنے آیا تھا، یہی بات تو میں آپ سے کہنے آیا"!

اوما نے حیرت سے جاوید کو دیکھا پھر پوچھا،

"ذرا کھل کر کہیئے"!

جاوید نے سگرٹ کیس نکالا، اور ایک سگریٹ سلگا کر خوب لمبا سا کش لگایا پھر

"ہندو کا اصرار یہ ہے کہ اس کے شمالی ہند کے نمائندہ کا صدر مقام ... ہونا چاہیئے، میں لکھنؤ پر مصر تھا، اس حیص بیص میں اتنے دن سے یہ معاملہ ... ہوا ہے"!

جیسے اوما کو بہت بڑی دولت مل گئی، سراپا سرور و نشاط بن کر کہنے لگی،

آہا یہ تو بہت اچھا ہوا، —— بس تو پھر دہلی کا پروگرام طے ہے، آج ہی پاپا کو کال کرتی ہوں، !" —— میں نے تو تقریباً ان سے انکار کر دیا تھا، !"

جاوید نے متحیر ہو کر اوما کو دیکھا اور پوچھا،

"پاپا سے اس معاملہ کا کیا تعلق؟ اور آپ نے انکار کیوں کر دیا تھا؟"

"(مسکراتے ہوئے) انکار کیوں کیا تھا یہ تو آپ جانتے ہیں، آپ کو لکھنؤ چھوڑ کر خود دہلی جا براجوں یہ تو ممکن نہ تھا، باقی پاپا کا اس معاملہ سے یہ تعلق ہے کہ آج کل وہ دہلی میں تو ہیں انہی کے ذریعہ یہ آفر ہوئی، انھوں نے کل رات فون پر مجھ سے گفتگو کی تھی، !"

"لیکن آپ کے انکار پر خفا نہیں ہو گئے؟"

"(ہنستے ہوئے) نہیں وہ ایسے آدمی نہیں ہیں، آج تک مجھ پر خفا نہیں ہوئے کبھی میرے کسی فیصلہ میں روک نہیں بنے،

"ٹھیک ہے، ضرور انہیں اطلاع دے دیجیے کہ آپ نے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر لی ہے، !"

"ایسا ہی کروں گی، لیکن خوب مذاق اڑائیں گے میرا، !" —— کہیں گے بڑی ڈھلمل یقین لڑکی ہے، نہ انکار کرتے دیر، نہ اقرار کرتے، کبھی کچھ کہتی ہے، کبھی کچھ، !" —— لیکن یہ تو بتائیے ہندو سے نبھ جائے گی آپ کی؟"

"ہاں نبھ جائے گی، وہ کانگریسی احیار تو نہیں ہے لیکن قوم پرست بہر حال ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے آدمیوں پر بھروسہ کرتا ہے، !"

"لیکن ایک مشکل اور ہے، !"

"وہ کون سی مشکل ہے؟"

" کملا کا کیا ہوگا؟ "

اسے کیا ہوا؟ ——— کوئی نئی بات؟ "

" وہ جب سنے گی ہیں دہلی جارہی ہوں تو سرپیٹ لے گی، ———
ہم دونوں ایک دوسرے سے اتنے گھل مل چکے ہیں کہ اب علیحدگی کا سوال ہی
نہیں پیدا ہوتا، ! "

" تو کملا کو بھی لیتی چلیے اپنے ساتھ '! "

" لیکن وہ جائے جب نا ! "

" کیوں نہیں جائے گی؟ یہاں کون سے جھنڈے گاڑ دیتے ہیں اس نے؟ "

" یہ تو نہ کہیے، وہ تو گورنمنٹ ہاؤس تک کانگرسی جھنڈا گاڑنے پہنچ گئی تھی "

اتنے میں عبدل آیا،

" کھانا لگ گیا ہے ! "

اوما اُٹھی،

" آیئے جاوید صاحب کھانا کھا لیں '! " ❖

(۶)

# نیا قصّہ

کھانے کے بعد پھر ایک کافی کا مختصر سا دور چلا اس اثنا میں، ہو مارٹر نکال کر کے پروفیسر منزجی سے گفتگو کرنے لگی،

"پاپا میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ کے ذریعہ جو آفر ملی ہے اسے قبول کروں ؟"

"(ہنستے ہوئے) پاپا!"

"یہاں سے استعفا دینے میں اور وہاں پہنچنے میں کم سے کم ایک مہینہ تو لگ ہی جائے گا، !"

"لیکن پاپا اس قدر جلد کیسے آسکتی ہوں، ؟"

"پاپا، —— آپ نے وعدہ بھی کر لیا، !، اب میں کیا کروں ؟"

"جی اچھے ہیں، انہیں بھی ایک آفر ملی ہے، روزنامہ ہندو مدراس انہیں اپنا نمائندہ بنا کر دہلی رکھنا چاہتا ہے، !"

"میں بھی بہت خوش ہوں پاپا، !"

"جی ہاں بڑے اچھے، بڑے شریف ہیں تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہوں

کہ ان جیسا آدمی ہمارا ایسا دوست ہے جیسے بالکل اپنا ہو، ! "

" جانتی ہوں پاپا، آپ ہی نے تو ان کی عظمت اور عزت میرے دل میں پہلے پہل پیدا کی، مشاہدہ اور مطالعہ کی نوبت تو بعد میں آئی، ! "

" لیکن پاپا کملا کا کیا کروں ؟ "

" کیا کہا ؟ ——— اسے مہمان بنا کر لے آؤں پھر روک لوں، اور جانے نہ دوں ——— (ہنستے ہوئے) اچھا پاپا یہی کروں گی، ! "

" طبیعت ٹھیک ہے بالکل آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو جاتے ہیں، ! "

" اچھا آداب، ———

اوما نے ہنستے ہوئے رسیور رکھا، پھر کہنے لگی،

" دیکھیے پاپا آپ کو کتنا مانتے ہیں، ؟ "

جاوید نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا،

" وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس وقت ——— کیا یہ میرا ہی ذکر خیر ہو رہا تھا ——— ؟ "

اوما نے ایک ادائے دل فریب سے اسے دیکھا اور بولی،

" آپ کس کا سمجھے تھے ؟ ——— وہ کون ہے جس کی عظمت و عزت پاپا نے میرے دل میں پیدا کی ؟ وہ کون ہے جس کا میں نے دل کی آنکھوں سے مشاہدہ اور مطالعہ کیا ؟ وہ کون ہے جو ہم میں اس طرح گھل مل گیا ہے جیسے بالکل ہمارا اپنا ہو ؟ ——— بتایئے، ! " ---- بے ساختہ جاوید نے کہا

" کملا، ——— وہ بھی تو ہو سکتی ہے، ! "

اوما ذرا چڑ گئی، کہنے لگی،

" ہاں ہو سکتا ہے، اور ہے بھی، ——— چلئے وہی سہی، ! "

جاوید نے اسے منانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا،

"جناب مجھے معافی مانگنا بھی آتا ہے، ——— ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا، !"

ادما ہنس پڑی،

"باتیں نہ بنایئے، ———"

جاوید نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ عبدل نے آکر اطلاع دی۔

"کوئی صاحب آئے ہیں، وہ ملنا چاہتے ہیں، !"

ادما نے تیوری چڑھا کر کہا،

"اس وقت؟ یہ کون صاحب ملنے کا وقت ہے؟ ——— نام کیا بتاتے ہیں؟"

عبدل نے جواب دیا،

"نام تو نہیں بتاتے، لیکن ملنے پر بضد ہیں، کہتے ہیں بڑا ضروری کام ہے!"

ادما نے ترش لہجہ میں کہا،

"کہدو تشریف لے جائیں، جو صاحب بھی ہوں، ——— !"

جاوید نے مداخلت کی،

"کیا حرج ہے مل لیجئے، !" ——— جاؤ عبدل بلا لاؤ، !"

کملا نے کہا، "نہ جانے کون ہے؟"

جاوید بولا، "کوئی بھی ہو، آدمی ہی ہوگا، اور یقیناً کوئی ایسی ہی بات ہے جو اس وقت آیا ہے، !"

اتنے میں ایک صاحب انگریزی لباس میں ملبوس تشریف لائے، آتے ہی مسافرت بھری نظر جاوید پر ڈالی، پھر ادما سے اپنا تعارف کرایا،

"ڈاکٹر سکینہ'! "

اوما کا رنگ رُخ بدل گیا، اس نے کہا،

" تشریف رکھیئے ڈاکٹر صاحب'! "

ڈاکٹر صاحب نے ایک سگار جیب سے نکالا، اس کا کونا دانت سے کاٹا

پھر جب تک ماچس کی تیلی ختم نہ ہو گئی اسے جلاتے رہے، اس کے بعد فرمایا،

"آپ یقیناً میرے ناوقت آنے سے خوش نہ ہوئی ہوں گی'! "

اوما نے بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا، خوش اور ناخوش کو چھوڑیئے،

فرمایئے کس طرح تشریف لانا ہوا، میرے لائق کوئی خدمت؟

جاوید کی طرف دیکھتے ہوئے سکینہ صاحب گویا ہوئے،

"آپ کی تعریف؟ شاید آپ مسٹر جاوید ہیں'؟ "

جاوید کو یہ بات ناگوار تو گزری لیکن اس نے اخلاقاً جواب دیا،

جی ہاں مجھے جاوید کہتے ہیں' ——————

سکینہ کے ماتھے پر شکن پڑ گئی،

"لیکن اتنے ناوقت آپ کیسے؟ "

اس مہمل اور اہانت آمیز سوال پر جاوید کچھ جھکرا سا گیا، وہ کوئی سخت

دینا چاہتا تھا کہ اوما نے کہا،

ڈاکٹر صاحب آپ مجھ سے ملنے آئے ہیں' یا میرے ملنے والوں سے

ڈاکٹر صاحب نے زہر خند کرتے ہوئے فرمایا،

"آیا تو آپ سے ملنے ہوں، لیکن جاوید صاحب سے بھی ملاقات ہو گئی

اچھا ہی ہوا، ورنہ شاید مجھے ان کے در دولت پر حاضری دینی پڑتی'،

جاوید کی ناگواری ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی، لیکن اس نے ضبط سے

یا اور کہا،

"خیریت؟ میرے غریب خانہ پہ آپ کیسے زحمت فرماتے؟"

ڈاکٹر سکینہ نے سگار کا ایک لمبا سا کش لیا،

"جناب میں اسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہوں، جہاں سے پروفیسر بنرجی ریٹائر ہوئے ہیں"!"

"ہوگا، ——— تو؟"

"بنرجی کی عزت اور عظمت یونیورسٹی کے ہر فرد کے دل میں بسی ہوئی ہے"!"

"باہر کے لوگ بھی ان کی کم عزت و عظمت نہیں کرتے۔ بلکہ عقیدت تک رکھتے ہیں ان سے"!"

میں آپ کا ذکر نہیں کر رہا، ——— لیکن کر بھی رہا ہوں، اگر واقعی آپکے دل میں پروفیسر صاحب کی عزت و عظمت ہے، عقیدت ہے، ——— اور مجھے معلوم ہوا ہے ان کے آپ کی ذات پر احسانات بھی ہیں، ——— احسان شناسی کا جذبہ ہے تو آپ کو پروفیسر صاحب کی رسوائی میں حصّہ نہ لینا چاہیے، بلکہ صاف الفاظ میں کہوں تو میرا مدعا یہ ہے کہ ان کی رسوائی کا سبب نہ بننا چاہیے"!"

سارا خون سمٹ کر جاوید کی آنکھوں میں آ گیا، لیکن اس نے پھر ضبط سے کام لیا اور بولا،

"ڈاکٹر سکینہ، میں نہیں سمجھ سکا آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

ڈاکٹر سکینہ نے ایک طنز سے بھرپور نگاہ اوما پر ڈالی پھر زہر خند کرتے ہوئے فرمایا،

"اتنے بھولے بھی نہ بنئے جاوید صاحب"!"

اچھا خاصا ہٹا کٹا، مضبوط، اور تنومند نوجوان تھا، عیدل بے چارہ تو اس کے ایک چانٹے کا بھی نہیں تھا۔ جاوید کو اس سے گتھم گتھا کرنا اسے منظور نہ تھا، اور جب اس نے پولیس کی دھمکی دی تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اور خیال آیا کہیں زویدی سے ساز باز کر کے تو نہیں آیا ہے ؟ کہیں واقعی جاوید یہاں سے نکلنے کے بجائے گرفتار تو نہیں کر لیا جائے گا، ؟ اگر ایسا ہوا تو کتنی بری بات ہو گی، سکینہ کے تیور دیکھ کر اس کا سارا دم خم رخصت ہو گیا، اور وہ کمزور پڑ گئی، اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو رونے لگی،

اسے روتا دیکھ کر جاوید کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا، وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے سکینہ سے کہا،

"آپ جاتے ہیں یا مجھے زحمت کرنا پڑے گی — ؟

سکینہ کا چہرہ تمتما اٹھا، وہ اٹھ کھڑا ہوا، اور بالکل جاوید کے سامنے آ کر تند و تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا،

"کیا کریں گے آپ ؟"

جاوید نے تمسخر آمیز انداز میں جواب دیا،

"صرف یہ کہ آپ کو بیک بینی و دوگوش نکال دوں گا یہاں سے، !"

اور پھر یک بیک اس کا چہرہ خوفناک ہو گیا، اس نے گرجدار آواز میں کہا،

"جاؤ، نکلو، چلے جاؤ یہاں سے، !"

یہ الفاظ کچھ ایسے تیور سے جاوید نے کہے کہ شاید بے ارادہ سکینہ پیچھے ہٹ گیا، جاوید نے دو قدم آگے بڑھ کر کہا،

"چلے جاؤ فوراً، ورنہ تم اپنی جان سلامت نہ لے جا سکو گے، میں کہتا ہوں وقت ضائع نہ کرو، !"

سکینہ چند قدم اور پیچھے ہٹا، اس نے کہا،
جانا ہوں، لیکن پھر آؤں گا، اور جب تم اس طرح کی باتیں مجھ سے نہ کر سکو گے،
اور شاید مس ادما بھی میرا خیر مقدم دوسری طرح کریں گی، !"
جاوید نے مداخلت کرتے ہوئے کہا،
• ٹھیک ہے، لیکن وہ وقت ابھی نہیں آیا، اور شاید کبھی نہیں آئے گا، اور
اگر آیا تو دیکھا جائے گا، !"
اتنے میں سیٹی کی آواز آئی، سکینہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں کے ساتھ چلا گیا
اور اپنے پیچھے ایک ایسی دہشتناک فضا چھوڑ گیا، جس نے بڑی دیر تک فضا پر
سکوت مرگ سا طاری رکھا، جاوید اور ادما گم سُم بیٹھے ایک دوسرے کو تکتے رہے
کسی میں یارا نہ تھا کہ بات چیت میں پہل کرے، ادما کی آنکھیں اب تک پرنم تھیں،
فکر اور اندیشہ کی گھٹائیں اس پر چھائی ہوئی تھیں، !!

(۷)

# ایک نیا شگوفہ

اوما اور جاوید ابھی تک اسی طرح خاموش اور فکر مند بیٹھے تھے کہ پھر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی، اتنے میں دروازہ کھلا اور کماری داخل ہوئی، اس نے وہیں دروازے ہی کھڑے کھڑے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا، ایک نظر جاوید پر ڈالتے ہوئے اوما سے پوچھا،

کیا یہاں ڈاکٹر سکینہ آئے تھے؟

اوما نے بہت مختصر سا جواب دیا، "آئے تو تھے، !"

کماری نے پھر اسی طرح دروازے ہی کھڑے کھڑے سوال کیا،

"تو پتہ لے گئے پھر وہ؟ !"

اوما سراپا حیرت بنکر بولی،

"نہیں تو — کیسا پتہ کیسا؟"

کماری نے سنجیدگی کے ساتھ کہا،

"یونیورسٹی میں کوئی فنکشن ہو رہا ہے، اس میں پروفیسر صاحب کی شرکت ضروری ہے، مجھ سے آج پتہ پوچھتے آئے تھے، میں نے کہا میں کیا جانوں، صرف

جانتی ہوں دہلی گئے ہوئے ہیں، مس اوما سے پوچھ لیجئے جا کر" لگے اچھا پوچھ لوں گا، آج ڈنر ہیں وہ ہمارے ہاں مدعو تھے، اب تک نہیں آئے تو میں نے سوچا شاید یہیں آ کر جم گئے ہوں، بات شروع کر دیں تو پھر دم نہیں لیتے، دل کے صاف اور زبان کے کھرے ہیں، اس لئے دوسرے کی کم سنتے ہیں اپنی زیادہ کہتے ہیں، ہم اس ادا سے واقف ہیں اس لیے برا نہیں مانتے، بلکہ لطف لیتے ہیں، ـــ

ـــــ لیکن وہ یہاں آئے اور پتہ نہیں پوچھا، ؟"

اوما نے مختصر سا جواب دیا،

"نہیں ـــــــ"

کماری کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا،

"شاید مرعوب ہو گئے ہوں گے، !؟"

اوما کی تیوری چڑھ گئی، کماری نے پھر پوچھا،

جاوید صاحب بھی اس وقت تھے ؟"

اوما نے کہا، "ہاں تھے ـــــــ پھر ؟"

کماری نے اوما کو جواب نہیں دیا، جاوید سے مخاطب ہوئی،

"توبہ جاوید صاحب آپ کب سے یہاں بیٹھے ہیں ؟"

جاوید نے سگریٹ پیتے ہوئے کہا،

"بڑی دیر سے، !"

کماری نے نرم لہجہ میں کہا،

"شاید جاوید صاحب کے سامنے پوچھنا مناسب نہ سمجھا ہو ـــــــ مجھے بتا دو میں انھیں نوٹ کرا دوں گی، ورنہ پیچھے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائیں گے، !"

پتہ نوٹ کرانے کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی میں نے انہیں ٹرنک
کیا تھا، شاید پرسوں ترسوں تک وہ خود ہی آ جائیں گے، !"

کماری نے ذرا تشویش کے ساتھ پوچھا،

"کب کیا تھا؟ —— کیا ڈاکٹر سکسینہ کے جانے کے بعد؟

اوما نے جواب دیا، نہیں ان کے آنے سے کچھ دیر پہلے،

کماری کچھ مطمئن سی ہو گئی، پوچھنے لگی،

کملا کہاں ہے؟ آج کل دکھائی نہیں پڑتی؟"

اوما نے بتایا، آج کل سارا وقت کانگریس کی سرگرمیوں میں صرف کرتی ہے
آتی رہتی ہے۔ شاید ہی کوئی دن ناغہ جاتا ہو، آج البتہ نہیں آئی، ——

کماری نے کہا،

"سے سکے نہیں آئی ہوگی، بڑی ہوشیار اور تمہاری مزاج داں ہے"! ——

—— اچھا بھئی چلے ہم تو —— !"

کماری چلی گئی، نہ اوما نے اس سے کہا کہ بیٹھو، نہ وہ خود بیٹھی، اس کے جا
کے بعد جاوید سے اوما مخاطب ہوئی،

"یہ تو کچھ عجیب چکر سا معلوم ہوتا ہے، یک بیک بغیر سلیقہ رسم و
ڈاکٹر سکسینہ کا آنا، پھر نہایت غیر مہذب باتیں، اور ذلیل قسم کے ذاتی حم
پھر سیٹی کی آواز سن کر واپس جانا، اور ان کے جانے کے چند ہی منٹ بعد
کا آنا۔ اور اس طرح کی اکھڑی اکھڑی باتیں نہایت شائستہ انداز میں کرنا، اور
ہو جانا، —— جاوید صاحب میں تو پاگل ہوئی جاتی ہوں، یہ
آخر کیا ہے؟"

جاوید نے ایک، اور سگریٹ جلایا، پھر ایک لمبا سا کش لیتے ہوئے

"یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی اسکیم کی ماتحت ہو رہا ہے، سکینہ اکیلا نہیں آیا تھا، یقیناً ترویدی اور کماری اس کے ساتھ تھے، یہ لوگ وہیں کار میں بیٹھے رہے، سکینہ یہاں آ گیا، یہاں خلاف توقع میں موجود تھا چونکہ شرابی آدمی ہے، ایزا مودور المزاج بھی ہے۔ مجھے دیکھ کر برہم ہو گیا، یا نہیں تو سنے آیا تھا آپ کو پر جاسنے اور لبھانے کی، لیکن مجھے دیکھ کر اپنے اصلی رنگ میں آ گیا، میرے اور آپ کے متعلق جو اسکینڈل کماری نے برپا کر رکھا ہے، وہ ایک حقیقت ہے، وہ سمجھتا تھا ایک مجرم کی طرح، ہم ڈر جائیں گے، کچھ ترویدی کا گھمنڈ بھی تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا جب اس نے دیکھا کہ پٹنے کی منزل قریب آ گئی ہے، تو جلد آ گیا کہ اب کیا کرے تنے ہیں ترویدی، یا کماری کے ساتھ ممکن ہے اس کا کوئی عزیزہ ہو، اس کی سیٹی کی آواز آئی، اور یہ الارم تھا کہ فوراً واپس آؤ، وہ خود موقع ڈھونڈ رہا تھا، چلا گیا، وہاں جا کر رام کہانی سنائی تو کماری بچشم خود حالات کا جائزہ لینے اور معائنہ کرنے پہنچ گئی، ورنہ سوچیئے تو سہی اس وقت کماری کیسے آ سکتی تھی؟ اور وہ کس قسم کا ڈر ہے جس کا یہ وقت ہے، !"

اوما نے فکر مند لہجہ میں سوال کیا،

"آخر ان لوگوں کا مقصد کیا ہے؟"

"آپ کو حاصل کرنا اور مجھے راستہ سے ہٹانا، !"

"تو کیا اس طرح یہ مقصد حاصل ہو جائے گا؟ کیا یہ لوگ آپ کا مزاج نہیں پہچانتے، مجھے نہیں جانتے، !"

"سب کچھ پہچانتے ہیں سب کچھ جانتے ہیں لیکن وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں حصول مقصد کے لئے، بلکہ کر چکے ہیں، ——"

"کیا؟ —— کیا کر چکے ہیں؟"

(۸)

# شیوہ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

ادما کے ہاں سے واپس آکر جاوید بستر پہ لیٹ گیا، لیکن نیند کا کہیں کوسوں پتہ نہ تھا، باربار آج کا حادثہ یاد آتا تھا، اور ایک عجیب بے کلی اور اضطراب کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی تھی،

ساری رات اسی طرح گزر گئی، صبح ہوتے ہوتے اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ ادما کے ہاں نہیں جائے گا، اب وہ دہلی بھی نہیں جائے گا، اب وہ ادما سے کسی طرح کی رسم وراہ نہیں رکھے گا، وہ اپنی وجہ سے ادما کو بدنام نہیں ہونے دے گا، وہ اپنے لئے ادما کی رسوائی کا سبب نہیں بنے گا، اگر وہ یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ادما سے محبت کرے، مگر شادی نہ کرے تو یہ فیصلہ بھی کر سکتا ہے کہ محبت کرے اور دور رہے، یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ اپنی محبت کو جس سانچہ میں چاہے ڈھال لے، یہ سانچہ وہ خود ہی بنا سکتا ہے،

پھر خیال آیا، یہ سب ٹھیک ہے، لیکن آج وہاں جانا بھی تو ہے، رات اس نے وعدہ لے لیا تھا، کیا اس وعدہ کی پابندی بھی نہ کی جائے؟ اسے فراموش کر دیا جائے؟

"میرا تو سوال یہ نہیں کیا آپ کو انھوں نے بدنام اور رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا ہے؟"

" (استقلال کے لہجہ میں)، ان باتوں کی میں نے کبھی پروا نہیں کی، اگر ہمارے دل صاف ہیں، اگر ہماری نیت میں کھوٹ نہیں، اگر ہم کوئی جرم نہیں کر رہے ہیں تو دس ہزار، کماری، نردیدی، اور سکینہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ——!"

ہاں یہ تو ٹھیک ہے، لیکن آپ کی رسوائی میرے دل پر شاق ہے، ——

" (مسکراتے ہوئے) لیکن میرے دل پر تو نہیں ہے، —————— بھگوان کی کتنی کرپا ہے کہ اس طوفان کے اٹھتے اٹھتے، ہم یہاں سے رخصت ہونے کا خود ہی پروگرام بنا چکے ہیں، دہلی میں نہ نردیدی ہوں گے، نہ کماری ڈاکٹر سکینہ، ——————

اتنے میں گھڑی نے گیارہ بجائے، !

جاوید اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا،

"افوہ گیارہ بج گئے، بہت دیر ہوگئی، اب آپ آرام کیجئے، !"

اوما نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا اور کہا،

"ہاں کافی دیر ہوگئی ہے —————— کیا کل آپ آئیں گے، !"

"آجاؤں گا، !" "

---

اس نے سوچا، یہی امتحان کا وقت ہے، اوما کے ہاں جانا، اس فیصلہ کو توڑ دینا ہے، پھر یہ کبھی بھی عملی جامہ نہیں پہن سکے گا، لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ جائے اوما خود اس کے ہاں آجائے ؟ پھر کیا ہوگا ؟

دماغ چکر میں تھا کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی، اس نے جلدی جلدی شیو کیا، پھر غسل کر کے کپڑے بدلے، پھر نیچے کے رستوران میں ناشتہ کے لئے چلا گیا ناشتہ کر کے واپس آیا تو ٹائپ رائٹر سامنے رکھا، اور ایک مضمون ٹائپ کرنے لگا لیکن طبیعت جمی نہیں، چند سطریں ٹائپ کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا، اور ٹہلنے لگا، پھر کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، اور آیند روند کا منظر دیکھنے لگا، ہندو اور مسلمان ساتھ ساتھ ایک محلہ میں رہ رہے تھے، ایک سڑک پر چل رہے تھے، ایک دفتر میں، ایک کارخانہ میں، ایک کمپنی میں، ایک فرم میں جا رہے تھے، اور ایک ساتھ بیٹھ کر کام کر رہے تھے، یہ ایک ہی زبان میں بات چیت کرتے تھے بالکل ایک ہی سانچہ میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے، یہ مل جل کر زندگی بسر کر رہے تھے وہ کون سا دفتر، کون سا مقام تھا، جہاں ہندو مسلمان شیر و شکر کی طرح ملے ہوئے نہ ہوں، یہ ایک ساتھ کام کرتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، ہنستے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں لیکن یہی مسلمان، جب رفاہ عام کے کسی جلسہ میں پہنچ جاتے ہیں تو ایک جدا گانہ قوم بن جاتے ہیں، یہی ہندو جب امین الدولہ پارک کے کسی اجتماع میں شریک ہوتے ہیں تو جن سنگھی اور مہا سبھائی بن جاتے ہیں، یہی ہندو مسلمان جب کانگریس کے پلیٹ فارم پر آتے ہیں، تو ہندو، ہندو نہیں رہتا، مسلمان مسلمان نہیں رہتا دونوں ہندوستانی بن جاتے ہیں، نفسیات عوام بھی کیا چیز ہے، جیسی فضا ملی ویسے ہی نعرے لگنے لگے، وطن کے کتنے بڑے دشمن ہیں، وہ لوگ جو گوشت کو ناخن سے جدا کر رہے ہیں، جو دو قومی نظریہ پیش کر کے ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے

کردینے کے منصوبے بنا رہے ہیں"؟ ——— یہ بالکل لغو اور مہمل تصوّر ہے، ہندو اور مسلمان ایک تھے، ایک ہیں، ایک رہیں گے، انھیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کی کوشش ملک کے ساتھ غداری ہے، آنے والی نسلیں کبھی معاف نہیں کریں گی، ———

لیکن اگر واقعی یہی بات ہے تو پھر میں اور اوما اتنے قریب ہونے کے باوجود اتنے دور کیوں ہیں؟

میں اور اوما ایک دوسرے کو چاہنے کے باوجود ایک دوسرے کی زندگی کے مالک کیوں نہیں بن سکتے؟

کیا صرف اس لئے کہ وہ اوما ہے اور میں جاوید، ؟ وہ ہندو ہے اور میں مسلمان، ؟

نہیں، میں نے غلط سوچا، میرے اور اوما کے مابین جو پتھر حائل ہے، وہ قومیت کا نہیں تنگ نظری کا ہے،

اور تنگ نظر کس قوم میں نہیں ہوتے، !؟

مسلمانوں میں شیعہ سنی، مسلمان ہیں، لیکن ایک دوسرے سے شادی بیاہ کا رشتہ قائم کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے لئے کفر کا فتویٰ دینے پر تیار، ہر طرح کے سماجی تعلقات منقطع کرنے پر آمادہ، یہی کیفیت ہندوؤں میں بھی ہے، ذات پات، چھوت چھات، اونچ نیچ، یہ سارے تصوّرات تنگ نظری کی پیداوار ہیں، ان پر قومیت متحدہ کو مورد الزام نہیں قرار دیا جا سکتا صرف وہ لوگ ملزم اور مجرم ہیں جو افتراق کی آگ بھڑکا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں، لیکن جو معاملہ فہم اور سلیم الفطرت لوگ ہیں وہ ان جذبات سے ماورا ہیں، خود پروفیسر مکرجی جو اوما کے باپ ہیں ایک لمحہ کے لئے اس انداز فکر کو اختیار نہیں کر سکتے، !

پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیئے ؟ کیا اپنے فیصلہ پر قائم رہنا چاہیئے ؟ یا اُسے توڑ دینا چاہیئے ؟

بہت دیر تک سوچنے کے بعد بھی کسی پہلو پر رائے جم نہ سکی، وہ صوفے پر ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا، اور گنگنانے لگا،

دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

اور اسی طرح گنگناتے گنگناتے وہ خراٹے لینے لگا، ؁

---

(۹)

# اشک و تبسّم

ٹھیک دو بجے دوپہر کو جاوید کی آنکھ کھلی دیوار پر لگی ہوئی کلاک پر نظر گئی تو ہڑ
بڑا کر انگڑائی لیتا ہوا اٹھ بیٹھا، جلدی جلدی غسل کیا، غسل سے فارغ ہو کر پھر "لنچ"
کے لئے قریب کے ایک ہوٹل میں چلا گیا، ــــــــــــــــــــ، بھوک سے طبیعت
نڈھال ہو رہی تھی، جلدی جلدی چند لقمے کھائے، اور آ کر پھر بستر پر دراز ہو گیا،
ڈاکٹر سکینہ اور کماری کی باتیں رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں، ان کے نتائج و عواقب
پر وہ غور کر رہا تھا، جہاں تک اس کی ذات کا تعلق تھا، اسے کوئی اندیشہ نہیں تھا،
خطرہ کی پرواہ کرنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا، بلکہ خطرات کے موقع پر بے تامل کود
پڑنا اس کی سرشت تھی، وہ اکثر اقبال کا یہ شعر گنگنایا کرتا تھا،

خطر پسند طبیعت کو ساز گار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

لیکن جہاں تک اوما کا تعلق تھا اسے وہ کسی خطر میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں
تھا سکینہ چیلنج دے کر گیا تھا، یہ چیلنج اگر صرف اس کی ذات تک محدود ہوتا تو
بڑی خوشی سے قبول کر لیا جاتا، لیکن یہ چیلنج تھا اس کے محسن بنرجی کے ملئے، اس

کی دل و جان کی مالک ادما کے لئے، وہ کس دل سے گوارا کر سکتا تھا، سنرجی بد ہوں، اس بڑھاپے میں لوگ حقیر و ذلیل کریں، وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ یہ بات بھی ناقابل برداشت تھی کہ اس کے لئے ادما پر انگلیاں اٹھیں، اس کا مذ اڑایا جائے اس کی پاک دامانی پر حرف آئے، ؟

غور و فکر کے اس طلاطم میں شام ہوگئی، اس نے کوٹ پہنا اور یوں ہی بلا ارا ابن آباد کی سیر کو نکل کھڑا ہوا، بے مقصد مٹر گشت میں رات کے آٹھ بج گ طبیعت بہت پریشان تھی، ایک سنیما کے سامنے خود بخود اس کے قدم رک گئے دیر کچھ سوچتا رہا، پھر ٹکٹ لے کر اندر داخل ہو گیا، یہ ایک انگریزی فلم تھی، نہیں خاموش، چارلی چیپلن نے اسے ڈائرکٹ کیا تھا، وہی اس کا کیریکٹر ایکٹر، چیپلن کی اداکاری اسے بہت مرغوب تھی، سارا ہال اس کی دلچسپ اور خندہ ایکٹنگ سے قہقہہ زار بنا ہوا تھا، وہ خاموشی سے جا کر ایک صوفے پر بیٹھ انٹرول میں بہت سے لوگ باہر نکلے، کچھ نے وہیں بیٹھے بیٹھے چائے، کافی، آئس کریم وغیرہ سے شغل کیا، لیکن جاوید کے شغل کے لئے سگریٹ کافی تھے دھوئیں کے لچھے بنا بنا کر فضا میں بکھیرتا رہا، انٹرول ختم ہوا، پھر تاریکی ہوگئی، یہ پہلے سے بھی زیادہ دلچسپ اور پرلطف تھا، حاضرین کا یہ عالم تھا کہ ہنستے مدہوش ہوئے جا رہے تھے، شور، غل، تالیاں، سیٹیاں، قہقہے، یہ داد کی مختلف صورتیں تھیں، اور لوگ بے تکلف انہیں استعمال کر رہے فلم ختم ہوگئی، جاوید اسی طرح صوفے پر بیٹھا رہا، جانے والے جاتے بھی ہنس رہے تھے، مسکرا رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے چہرے پر بشاشت تھی، جو لطف یہاں کی نشست میں انھوں نے حاصل کیا رنگ و رخ سے عیاں تھا،

لیکن جاوید کے چہرے پہ نہ تبسّم تھا، نہ بشاشت، نہ رونق، نہ لطف و سرور کا اثر، وہ خاموش تھا، اور جانے والے لوگوں سے غافل سگریٹ پیئے جارہا تھا، دھوئیں کے چھلے بنا بنا کر اڑائے جارہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے فلم دیکھی ہی نہیں، جیسے کسی نے اسے یہاں لاکر قید کردیا تھا، ——— افسردہ، متفکر مند خاموش،!

اتنے میں اس کے پاس سے ڈاکٹر سکسینہ گزرا، نفرت سے اسے دیکھتا ہوا گزر گیا، پھر تردیدی صاحب گزرے، انھوں نے حقارت کی ایک نظر ڈالی، اور آگے بڑھ گئے، پھر کماری گزری، وہ ذرا سے ذرا ٹھٹکی اور کہنے لگی،

جاوید صاحب آپ ؟

جاوید نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے جواب دیا،

جی ہاں ———

کماری ہنسنے لگی،

لیکن تنہا ——— ؟

اور پھر ہنستی ہوئی چلی گئی، زہر میں بجھے ہوئے اس طنز کی تلخی اور شدت کو جاوید نے پوری طور پر محسوس کیا، لیکن جواب دینا بھی چاہتا تو کسے دیتا ؟ کماری تو جا چکی تھی، اس کا مقصد جواب لینا نہیں تھا، اپنی بات کہنا تھا، اپنی بات کہہ کر دل کے جلے پھپھولے پھوڑنا تھا، یہ کام کرکے وہ چلی گئی،

جب ہال بالکل خالی ہو گیا تو جاوید اٹھا، اور آہستہ آہستہ قدم رکھتا باہر نکل آیا، اب رات نصف کے قریب گزر چکی تھی، بگیوں اور ٹانگوں کا اڈا سونا ہو چکا تھا، وہ پیدل ہی اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہوا، جس ہوٹل میں وہ کھانا کھایا کرتا تھا، اب تک کھلا ہوا تھا، لیکن سونا، بند ہونے کا وقت بھی آگیا تھا، جاوید لپکتا ہوا

اندر پہنچا، ملازم اسے پہچانتے تھے، ایک ملازم نے سامنے آکر پوچھا،
" کیا آملیٹ بنا لاؤں ؟
جاوید نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور بولا،
" آملیٹ کیوں بنا لاؤ ؟ ——— یہ کیا سوجھی ہے آج تمہیں ؟ "
وہ مسکراتا ہوا گویا ہوا،
" کھانا تو ختم ہو چکا، ! "
جاوید نے نیا سگریٹ سلگا لیا، پھر کہا،
بھوک بھی نہیں ہے ؛ ——— لیکن چائے تو مل سکے گی ؟ "
ملازم نے جواب دیا،
" جتنی کہتے، ! " ——— لیکن اس کے ساتھ بھی کچھ ———
کیک وغیرہ
جاوید نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،
نہیں بھائی نہ کیک چاہیئے نہ وغیرہ، بس خوب اسٹرانگ سی چاء بنا کر جلد
" ابھی لایا صاحب، ! "
اور واقعی بڑی پھرتی سے چند ہی منٹ میں چائے کی ٹرے لے کر حاضر ہو
جاوید نے ایک نہ دو، پوری تین پیالیاں پیں، ساتھ ہی ساتھ سگریٹ نوشی
شغل بھی جاری رکھا، عملاً اب ہوٹل بند ہو چکا تھا، ملازم جلدی جلدی برتن صا
کر رہے تھے اور جھاڑو دے رہے تھے، جاوید بظاہر یہ منظر دیکھتا رہا
نہ جانے کس فکر میں ڈوبا رہا، جب ہوٹل بند ہونے کی ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں
اٹھا، بل ادا کیا، اور اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا،
راستہ میں دل نے یاد دلایا،

آج اوما کے ہاں جانا تھا، اس نے بلایا تھا، ——————

اس نے بڑے زور سے سر کو جنبش دے کر اس خیال سے جنگ کی، اور کسی دوسری طرف توجہ مبذول کرنے کے لیے کچھ اور دور از کار باتیں سوچنے لگا، یہاں تک کہ فلیٹ آ گیا،

فلیٹ میں داخل ہوا، روشنی کی تو دروازہ کے پاس آج کی ڈاک پڑی ہوئی تھی جب وہ موجود نہ ہوتا تو پوسٹ مین کو ہدایت تھی کہ دروازہ میں جو شگاف ہے، اس کے ذریعہ ڈاک اندر ڈال دیا کرے، ڈاک کو دیکھ کر شب گزاری کا اچھا موقعہ ہاتھ آ گیا ورنہ نیند آ نہیں رہی تھی، اور فکر یہ دامن گیر تھی کہ رات کا باقی حصہ کس طرح کٹے گا؛ ڈاک میں چند اخبارات تھے، ان کے ریپر بھی اس نے نہیں کھولے، انہیں ہٹا کر ایک طرف رکھ دیا،

سب سے پہلا خط جو نظر آیا وہ انجم کا تھا،

• اتنا مصروف ہوں کہ سر اٹھانے کی مہلت نہیں ملتی، لیکن تم سے بڑھ کر جھوٹا کوئی نہ ہوگا، اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہیں بھول گیا ہوں، سیاسی اور فکری اختلافات اپنی جگہ پر، لیکن ذاتی اور نجی تعلقات اپنی جگہ پر، ان دونوں میں نہ تصادم ہے نہ ہو سکتا ہے نہ ہونا چاہیے، تم متحدہ ہندوستان کی جدوجہد کرتے رہو، میرے قلم کو، پاکستان کی جدوجہد کے لیے وقف رہنے دو، وقت سے بہتر حاکم اور قاضی کوئی نہیں، اسی کا جو فیصلہ ہو گا، ہم سب کو اس کے سامنے سر جھکانا ہی ہو گا، ویسے میں مانتا ہوں، ہماری جدوجہد وقت ہی کے خلاف ہے،

خط نہیں لکھتے تو کبھی کبھی دہلی آ جایا کرو،

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے!

یہاں نہ دوستوں کی کمی ہے، نہ ہم خیالوں کی، لیکن میری آنکھیں تو اس جھگڑالو دوس
کو ڈھونڈتی ہیں، جو بالکل میرے ساتھ متفق نہیں ہے، جو اگر متحدہ ہندوستان
وزیر داخلہ ہوگیا ——— وزیراعظم یا صدر، کوئی اقلیت کا فرد کبھی نہ
بن سکتا ——— تو سب سے پہلا کام یہ کرے گا کہ مجھے جیل بھیج دے
لیکن اس کی باتوں میں وہ رس ہے کہ اب کسی اور کی باتیں اچھی نہیں لگتیں، اس کی
شخصیت میں وہ جادو ہے کہ اب کوئی دوسرا نہیں جچتا، اس کے اختلاف میں
خلوص ہے جو اتفاق رائے رکھنے والوں میں بھی مشکل ہی سے نظر آتا ہے لیکن
کبھی کبھی بھولے سے سہی تو بھی اسی طرح مجھے یاد کرلیا کر،

شہناز سے جب کبھی تمہارا ذکر آتا ہے، اور اکثر آتا ہے تو وہ بھی بڑی حسر
سے کہتی ہے کاش جاوید صاحب ایک ہفتہ ہی کے لئے یہاں آسکتے،!

ہاں بھئی ایک لطیفہ سنو، کل ایک سنیما میں، روحی اور اس کے شوہر کمال سے
ملاقات ہوگئی، کمال چند روز کے لئے ڈیوٹی پر پونہ سے آتے ہوئے ہیں ار
کو روح کی طرح اپنے ساتھ رکھتے ہیں، وہ بھی ان سے بہت ہل گئی ہے نشس
کی ترتیب یہ تھی کہ بیچ میں روحی اور شہناز، ایک طرف میں دوسری طرف کمال، روحی
کی نشست میرے ہی پاس تھی، میں نے کہا،

آپ نے ہمارے دوست اختر صاحب کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا!

روحی کی تیوری چڑھ گئی میں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

وہ بہت خفا ہیں آپ سے،!

وہ مسکرانے لگی،

"پھر تو مجھے خودکشی کرنا ہی پڑے گی، !"

میں نے کہا وہ آپ پر غداری کا الزام لگاتے ہیں، ———

ایک مرتبہ پھر روحی کی تیوری چڑھ گئی، اس نے بڑے تلخ لہجہ میں کہا،
"وہ بے وقوف ہیں، !
میں نے کہا، آپ کی مردم شناسی داد سے بے نیاز ہے، مجھے آپ کی رائے سے پورا اتفاق ہے، لیکن اگر آپ نے اس کی حوصلہ افزائی کر کے دل شکنی نہ کی ہوتی تو اچھا تھا،
وہ ہنسنے لگی،
"حوصلہ افزائی کیسی انجم بھائی، ——— میں تو اسے بے وقوف بنا رہی تھی، ——— کیا بے وقوف کو مزید بے وقوف بنانے میں آپ کو لطف نہیں آتا، !"
میں نے سراپا حیرت بن کر پوچھا،
"تو آپ بے وقوف بنا رہی تھیں اسے ؟"
وہ مسکراتی ہوئی بلکہ زہرخند کرتی ہوئی گویا ہوئی،
"تو اور کیا عاشق ہو گئی تھی، ؟ ——— انجم بھائی پہلے تو میں نے بہت ٹالا، بلکہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کی، لیکن جب وہ کسی طرح راہ راست پر نہ آئے تو میں اُس الو کو اور الو بنانے لگی، !، ——— میری جگہ آپ ہوتے تو کیا کرتے ؟"
بھئی جاوید سچ کہتا ہوں، یہ آخری جملہ "میری جگہ آپ ہوتے تو کیا کرتے" کچھ اتنی بے ساختگی اور معصومیت کے ساتھ اس نے کہا کہ ذرا دیر کے لئے تو میں چکرا گیا کہ جواب کیا دوں ؟ لیکن میں بھی انجم ہوں کوئی اختر تو ہوں نہیں، فوراً جواب دیا،
"وہی جو آپ نے کیا ہے ؟"
وہ پھر ہنسنے لگی،
اختر کی یہ ساری داستان حماقت لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ میری طرف سے

اسے مبارک باد دے دو، ـــــــــ

صدقے تیری درازی قد کے
وہ تجھے بے وقوف کہتے ہیں

واقعہ یہ ہے کہ کچھ تو بے چارہ پیدائشی احمق ہے کہ جب دیکھو جب، عاشق
پر آمادہ اور کچھ اس کی درازی قد نے لوگوں میں خواہ مخواہ یہ عقیدہ پیدا کر دیا
کہ اسے اوّل درجہ کا بے وقوف ہونا چاہیے، !

ہاں بھئی روحی نے اختر کو میری معرفت ایک پیام بھی دیا ہے، اور میں تمھار
ذریعہ اسے اختر تک پہنچا دینا چاہتا ہوں،

روحی نے منہ بگاڑ کر کہا،

"انجم بھائی، آپ انہیں سمجھا دیجئے کہ ذرا ہوش میں رہیں، ! "

پھر قبل اس کے کہ میں وضاحت طلب کروں اس نے خود ہی کہا،

وہ اب بھی مجھے خط لکھتے رہتے ہیں، یہ حد درجہ معیوب اور ناقابل برد
بات ہے، اگر کمال صاحب کو میں نے بتا دیا، یا خود ان کی نظر کسی خط پر پڑ گئی
پھر خیریت نہیں ہوگی ان کی، ! "

میں نے ذرا ٹوہ لیتے ہوئے کہا،

ہاں اور کیا وہ ٹھہرے فوجی آدمی، ایک ہی مرتبہ میں یا گلا گھونٹ دیں
یا پیٹ پھاڑ دیں گے، ! "

روحی نے سنجیدگی سے کہا،

"جی اور کیا، ـــــــــ پھر ساری بے وقوفی دھری رہ جائے گی
میں نے وعدہ کر لیا ہے کہ یہ پیام پہنچا دوں گا، اب میرے وعدہ کی
تمھارے ہاتھ ہے،

کافی لمبا خط ہو گیا ——— شاید قد میں اختر کے برابر ———

لہٰذا اب اجازت چاہتا ہوں، والسلام کے بجائے، بندے ماترم

تمہارا

انجم، !

خط کچھ اتنا پر لطف تھا کہ بے ساختہ جاوید کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا، ذرا دیر کے لئے، وہ ان تفکرات کو بھول گیا، جو گذشتہ دو روز سے اسے پریشان کئے ہوئے تھے، اور جنھوں نے اس کی نیند اڑا رکھی تھی، !،

انجم کا خط اس نے کئی مرتبہ پڑھا، اور ہر بار نیا لطف پایا، پھر اسے اختر کو دکھانے کے لئے جیب میں رکھ لیا، دوسرے خط پر نظر ڈالی، یہ روزنامہ ہند مدراس کا خط تھا، اور اس سے پوچھا گیا تھا کہ وہ دہلی جانے کو تیار ہے یا نہیں؟ تاکید کی گئی تھی کہ جواب جلد دیا جائے، کیونکہ وہاں کسی مستقل نمائندے کے نہ ہونے کے باعث دقت پیش آرہی تھی، ساتھ ہی پانچ سو ننانوے روپے بارہ آنے کا ایک چیک بھی ملفوف تھا، جو اس کے بعض مضامین کے معاوضہ پر مشتمل تھا، اجرت کالم کے حساب سے ملتی تھی لہٰذا اتنی ہی رقم بنی،

چیک دیکھ کر جاوید نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنی ساری پونجی میز پر الٹ دی ایک دس روپے کا نوٹ تھا، ایک پانچ روپے کا، باقی اور تین روپے کی ریزگاری تھی، یہ رقم پھر اس نے جیب میں رکھ لی، اب اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار تھے، یہ رقم مہینہ بھر کے لئے کافی تھی، یہ خط اس نے ٹائپ رائٹر میں لگا دیا، تاکہ صبح اٹھتے ہی اس پر نظر پڑے، اور وہ فوراً جواب بھیج دے، ——!،

تیسرا خط، آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ اسٹیشن کا تھا، اس میں ایک کنٹریکٹ فارم تھا، ہفتہ میں ایک بار حالات جنگ کا جائزہ ایک صحافی کے نقطۂ نظر سے، اور ہر ہفتہ

جنگی خبروں پر تبصرہ عوام کے لئے مجموعی طور پر پچاس روپے ہفتہ کا یہ بندوبس
بھی معقول تھا، اگر کسی وجہ سے دہلی جانا نہ ہو سکے، تو اس رقم میں بھی گزر بسر ہو سک
ہے'!

چوتھا خط، پورن چند جوشی جنرل سکریٹری آل انڈیا کمیونسٹ پارٹی کا تھا، ج
بمبئی سے آیا تھا، اور اس میں پیش کش کی تھی، کہ وہ بمبئی آکر، پارٹی کے انگلش و
"پیپلز وار" کی ادارت سنبھال لے، پھر شرائط درج تھے، یہ خط پڑھ کر بھی، جاو
کے ہونٹوں پر ذرا دیر کے لئے تبسم نمودار ہوا، پھر وہ خط اس نے دراز میں رکھ د

خطوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نے سرسری نظر اخبارات پر ڈالی، جو دہ
بمبئی، کلکتہ، مدراس اور دوسرے مقامات سے شائع ہوتے تھے، بعض میں ا
کے مضامین بھی تھے، سرسری مطالعہ کے بعد یہ اخبارات سمیٹ کر اس نے ایک طر
رکھ دیئے، اس کے بعد ایک مرتبہ پھر انجم کا خط نکالا، اور اسے مزے لے لے
پڑھنے لگا، پڑھ چکنے کے بعد جب خط پھر جیب میں رکھ لیا،

اب رات کے دو بج چکے تھے، نیند بھی آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، ک
جمائیاں آ چکی تھیں، اس نے میز کی سب چیزیں ٹھیک کیں، پھر بستر جھاڑا، تکیے ٹھ
سے رکھے، اور بتی گل کرنے کے لئے سوئچ کی طرف بڑھا تو دروازہ کے پاس
لفافہ پڑا ہوا نظر آیا، یہ بھی ڈاک کے ساتھ آیا ہوا تھا، لیکن یہیں رہ گیا، اس وقت
نظر نہ پڑی، بجلی جلتی رہنے دی، اور بڑھ کر وہ لفافہ اٹھا لیا، وہیں کھڑے
کھڑے چاک کیا، اور پڑھنے لگا،

"آداب بجا لاتی ہوں جاوید صاحب، آپ تو اب اتنے بڑے آدمی ہوتے
رہے ہیں کہ نہ ملنے جلنے ملاقات ہوتی ہے، حالانکہ آپ بھی "بے کار" ہیں، اور میں
لہٰذا ہم دونوں عام طور پر پا پیادہ چلا کرتے ہیں، نہ کبھی آپ میرے گھر آتے

نہ اپنے گھر ملتے ہیں،

تم ہی کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا،
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو،

یہ تو میں باور ہی نہیں کر سکتی کہ آپ مجھ سے خفا ہو سکتے ہیں، پھر اس بے نیازی کا سبب کیا ہے؟

ویسے تو یوں بھی آپ سے ملنے کو جی چاہتا تھا لیکن دو تین روز سے اختر صاحب نے دھول لے ڈالی ہے، کئی مرتبہ تشریف لا چکے ہیں، جب آتے ہیں روحی کا ذکر، اور گریۂ بے اختیار، زندگی میں کسی مرد کو، روتے میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا، اس لئے ترس بھی آیا اور حیرت بھی ہوئی، ——— کیا کبھی آپ بھی روتے ہیں، ؟ بچپن کے بعد؟ ——— ان کو حسن ظن یہ ہے کہ میں روحی کو اس پر آمادہ کر سکتی ہوں کہ وہ کمال سے طلاق لے لے، اور ان سے شادی کر لے، اور اگر کسی وجہ سے یہ ناممکن ہے تو کم از کم اتنا تو کرے کہ دوستی قائم رکھے، انھیں دیکھ کر نفرت سے منہ تو نہ پھیر لیا کرے، میں نے لاکھ لاکھ عذر کیا کہ روحی سے نہ میرے تعلقات و مراسم ہیں، نہ ملاقات، اس کا ذکر تو میں نے صرف آپ ہی سے سنا ہے، آپ ہی کے البم میں اس کے مختلف پوز دیکھے ہیں وہ مجھے دھتکار دے گی، خفا ہو جائے گی، لیکن وہ سنتے ہی نہیں کسی طرح، کہتے ہیں آپ کی باتوں میں وہ جادو ہے کہ وہ آپ کی بات رد نہیں کر سکتی، مجھے بار بار حیرت اس پر ہوتی ہے کہ سوا آپ کے ہاں ایک آدھ ملاقات کے ان سے کبھی اور کہیں ملاقات نہیں ہوئی، کہیں آپ ہی نے تو یہ مذاق نہیں کیا ہے کہ انہیں میرے پیچھے لگا دیا ہو؟ اگر یہ بات ہے تو میں اپنا پارٹ ادا کرنے کو تیار ہوں، لیکن اگر وہ از خود آئے ہیں تو آپ انھیں سمجھایئے کہ مجھے معاف کریں، ان کی حالت بہت قابل رحم ہے، اس لئے

ان کا دل دکھاتے مجھے تکلیف ہوگی، میں بھی آج کل بے حد مصروف ہوں کر
نہ ملوں گی،

اچھا آداب،

کملا،

جاوید نے یہ خط بھی جیب میں مسکراتے ہوئے رکھ لیا، پھر بتی بجھائی ا
بستر پر لیٹ گیا، اب ۲½ بج چکے تھے، ! ٭

---

(۱۰)

# کملا

صبح صبح جاوید کی آنکھ کھلی، پہلی نظر کلاک پر گئی، تو چھ بجے تھے، خمار اب تک چھایا ہوا تھا، کروٹ لے کر پھر سو گیا، ابھی وہ سو ہی رہا تھا کہ کسی نے دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا، آنکھ کھل گئی، ہڑ بھڑا کر اٹھ بیٹھا، دروازہ کھولا تو اوما کھڑی تھی، اور مسکرا رہی تھی، مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور آرام چیئر پر بیٹھ گئی، اپنایت کے لہجہ میں شکایت کرتی ہوئی بولی،

کچھ یاد ہے آپ نے کیا وعدہ کیا تھا؟ —————— کتنا انتظار کرتی رہی ہوں؟ بھول گئے تھے، یا عمداً ——————

جاوید کچھ سٹ پٹا سا گیا،

بھولا تو نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے میں سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوں،

تشویش اور اضطراب کے آثار اوما کے چہرے پر ہویدا ہو گئے، اس نے پوچھا،

" ذہنی کشمکش کیسی؟ خیر تو ہے؟ "

جاوید گویا ہوا، " سوچتا ہوں، میں آپ کے لئے وبال بن گیا ہوں، ! "

یہ کہتے کہتے جاوید کی آواز بھرا گئی، اپنی کیفیت چھپاتے کے لئے وہ
سے اٹھا، اور میز پر رکھے ہوئے اخبارات ٹھیک ٹھاک کرنے لگا جب
طبیعت سنبھلی تو وہ پھر آکر سامنے بیٹھ گیا، اوما نے کہا،
ناشتہ کر کے نہیں آئی، آپ کو زحمت کرنا پڑے گی، !،
جاوید فوراً اٹھ کھڑا ہوا، "ابھی لیجئے، !،،
پھر وہ باہر چلا گیا، اور ہوٹل میں آرڈر دے کر پھر فوراً ہی واپس آگیا، ذ
میں ناشتہ آگیا، اوما نے ٹرے اپنی طرف بڑھالی، اور چائے بناتے ہوئے
"کیا اب تک سو رہے تھے آپ؟ "
جاوید نے جواب دیا، "جی ہاں، دو راتیں جاگتے ہوگزری تھیں، !"
"نیند نہیں آئی؟ "
"بالکل نہیں، !"
"لیکن کیوں؟ "
"میں نے ابھی آپ سے کہا تھا، آپ کے لئے میرا وجود دردِ سر بنتا جا رہا
ہے، آپ سے زیادہ اس حقیقت سے کون آشنا ہو سکتا ہے کہ مجھے آپ
محبت ہے، لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی میں یہ نہیں چاہتا کہ اپنی محبت کی قیم
آپ کی بدنامی اور رسوائی کی صورت میں وصول کروں؟ "
اوما ہنسنے لگی،
"میں تو آپ کو بہادر سمجھتی تھی، مگر نکلے بزدل، !"
جاوید نے غور سے اوما کی طرف دیکھا،
"نہیں مس اوما، میں بزدل نہیں ہوں، کوئی محبت کرنے والا بھی بزد
نہیں ہو سکتا، محبت ایثار چاہتی ہے، قربانی طلب کرتی ہے، جو ایثار کر

ہو، قربانی دے سکتا ہو، وہ بزدل نہیں ہو سکتا، ——— لیکن یہ سچ ہے
آپ کی خاطر مجھے کبھی کبھی بزدل بن جانا پڑتا ہے'! "

"لیکن میں تو ایسا نہیں چاہتی'! "

"کیا نہیں چاہتیں آپ؟"

"یہی کہ آپ میرے لئے اتنا ایثار کریں جو میرے اور آپ کے لئے مہلک ہو!"

——— شاید آپ کا خیال ہے ڈاکٹر سکینہ کی دھمکیاں مجھے مرعوب کر سکتی
ہیں، کماری کی چاپلوسی سے میں متاثر ہو سکتی ہوں، اگر واقعی آپ کا یہ خیال ہے تو غلط
ہے اس غلط فہمی کو جس قدر جلد آپ رفع کر لیں بہتر ہے، ———

محبت جرم نہیں ہے، گناہ نہیں ہے، آپ کیوں ڈریں، اور میں کیوں ڈروں؟
اور ڈر کس کا ہے؟ میں تو آپ سے یہ توقع رکھتی تھی کہ آپ میرا حوصلہ بڑھائیں
گے، لیکن آپ تو میری ہمت توڑے دے رہے ہیں'! "

"لیکن مس اوما یہ لوگ مجھے نہیں آپ کو رسوا کر رہے ہیں؟"

"کرنے دیجئے، میں ذرا بھی پرواہ نہیں کرتی، ——— کتنے بھونکتے
رہتے ہیں اور قافلہ گزرتا رہتا ہے، ورنہ میں آپ کے لئے ضرور فکر مند تھی'! "

"کیوں میرے لئے کیوں؟"

"سکینہ ضرور تردیدی اور کماری کی شہ پر آیا تھا، مجھے اندیشہ ہے یہ
لوگ کہیں آپ کو پریشان نہ کریں۔ دورانیں اگر آپ کو جاگتے گزری ہیں، تو یقین
کیجئے میں نے بھی آنکھوں میں کاٹی ہیں'! "

"لیکن مس اوما آپ میری پروا کیوں کرتی ہیں؟"

"(مسکراتے ہوئے) میرے علاوہ یہ حق اور کسے ہے؟"

"(ہنستے ہوئے) یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ لوگ میرا کیا کر سکتے ہیں؟ میں

شرابی نہیں ہوں، جواری نہیں ہوں، آوارہ گرد نہیں ہوں، جرائم پیشہ نہیں ہوں
عیاش اور تماش بین نہیں ہوں، تردیدی صاحب کی پولیس میرا کیا بگاڑے گی!

"پولیس والے بڑے حضرت ہوتے ہیں جسے چاہیں پھانس دیں"! "

"لیکن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ——— بالکل اطمینان رکھیے"!

اگر واقعی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو اب میں مطمئن ہوں، اب میری پریشانی
رفع ہوگئی، آپ بھی فکر اور پریشانی چھوڑ دیجیے، ——— ہاں میں پر
دہلی جا رہی ہوں"! "

"پرسوں؟ اس قدر جلد؟ "

"جی ہاں کیا کروں پاپا نے کالج کی گورننگ باڈی سے وعدہ کر لیا ہے
کہا گلے مہینہ کی پہلی تاریخ سے میں چارج لے لوں گی، آج ۲۲ ہے! ——
آپ؟ "

جاوید نے ہندو کا خط نکال کر اوما کے سامنے رکھ دیا، خط پڑھ کر
وہ خوش ہوگئی،

"تو آپ نے جواب دے دیا! ——— کیا لکھا آپ نے؟ "

جاوید نے ہنستے ہوئے کہا،

رات کو دو بجے یہ خط مجھے ملا ہے آج جواب دوں گا، اس لیے تو
رائٹر سے ہلکار رکھا تھا، تاکہ بھول نہ جاؤں، ——— لکھ دوں گا،
کب تک دہلی پہنچ جاؤں گا، ———

اوما پر خوشی کی کیفیت طاری ہوگئی، کہنے لگی،

"تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ زیادہ سے زیادہ دس بارہ دن میں آپ
بھی پہنچ جائیں گے"! "

جاوید نے جواب میں کہا،

"بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے"! "

ادما کو جیسے کچھ یاد آ گیا، کہنے لگی،

" اس لئے اور زیادہ دہلی جانے کی جلدی کر رہی ہوں، کہ وہاں نئی فضا ہوگی، نئے لوگ ہوں گے، نیا ماحول ہوگا، نہ وہاں کوئی سکینہ ہوگا، نہ کماری نزدیدی، وہاں سے ہماری زندگی کا نیا دور شروع ہوگا، اور یقیناً وہ یہاں سے زیادہ شاندار ہوگا، !"

جاوید نے اس خیال سے اتفاق کا اظہار کیا،

" ہاں یہ تو ٹھیک ہے، ——— لیکن مس کملا کے لئے کیا سوچا آپ نے ؟ "

پُر اعتماد لہجہ میں ادما نے کہا،

" وہ میرے ساتھ جائے گی، اور پھر وہاں سے نہیں آئے گی، !"

" راضی ہو گئیں وہ ؟ "

" ابھی تو میں نے اس سے گفتگو بھی نہیں کی، ! "

" پھر بھی آپ کو یقین ہے وہ آپ کے ساتھ چلی جائیں گی، ! "

ادما نے بڑے اطمینان سے کہا،

" اتنا ہی جتنا اپنے جانے کا یقین ہے، ——— وہ میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی، بس اگر کہوں تو رات بھر ایک ٹانگ سے کھڑی رہے، اور خود اسے بھی کب بغیر میرے چین پڑتا ہے نہ لے جاؤں اپنے ساتھ تب بھی بھاگی بھاگی دو ہی چار دن کے بعد آ جائے گی، !"

آپ میں اور کملا میں جو دوستی اور یگانگت ہے، بعض اوقات مجھے اس

پر شک آنے لگتا ہے'، !"

"مسکراتے ہوئے! یہی وہ بھی کہتی ہے ——— میرے اور ا...
کے متعلق'، !"

یہ سب کہتے کہتے وہ کچھ جھینپ سی گئی'، !

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی، جاوید اٹھ ہی رہا تھا...
بھڑ سے دروازہ کھلا، اور کملا اندر داخل ہوگئی، حاضرین پر ایک نظر ڈالتی ہو...
وہ کرسی پر بیٹھ گئی، اس نے تیوری چڑھا کر ادما سے سوال کیا،

"تم کب آئیں؟"

ادما نے مسکراتے ہوئے کہا،

"تمہیں کیا؟ جب ہمارا جی چاہا آئے'! ——— کوئی تم قاضی...

وہ بولی، "جی نہیں ——— ڈاکٹر سکینہ'! ——— !"

یہ بات کچھ ایسی مصنوعی سنجیدگی سے کملا نے کہی کہ جاوید' اور ادما دو...
بے اختیار ہنس پڑے، ادما کہنے لگی،

"پٹنے کو جی چاہ رہا ہے شاید'!"

کملا نے چھیڑتے ہوئے کہا،

"بڑی بہادر، ——— اس وقت تو گھگھی بندھ گئی تھی دیوی صاحبہ...

ادما نے ڈانٹا،

"چل ہٹ میری گھگھی کیوں بندھتی'، ؟ ——— تو ہے بزدل
درجہ کی'، !" ——— اچھا یہ بتاؤ تم اس وقت کیسے آگئیں؟"

اس نے جاوید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

"ان سے ایک کام تھا ——— (جاوید سے مخاطب ہو کر)...

ٹل گیا تھا آپ کو ؟"

جاوید نے جواب دیا جی ہاں مل گیا تھا، یہاں سے اٹھ کر سیدھا اختر ہی کے پاس جاؤں گا، ———

کملا نے بڑی معصومیت اور بھولے پن سے کہا،

"سو کام چھوڑ کے جا بیٹے مجھے تو اب دوسرا اندیشہ پیدا ہو رہا ہے، —

جاوید نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا،

"کیسا اندیشہ مس کملا ؟"

کملا نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا،

"کہیں دو چار روز میں ان کا ارادہ بدل نہ جائے، !"

جاوید کو اور حیرت ہوئی،

"ارادہ بدل نہ جائے ——— بدل جائے تو اس سے بڑھ کر کیا ہوگا، !

اور چاہئے کیا ؟"

کملا نے اسی معصومیت کے ساتھ کہا،

"ارادہ نہیں، ——— نیت، !"

جاوید کھلکھلا کر ہنس پڑا،

"یعنی آپ کو اندیشہ ہے وہ روحی کے بجائے آپ سے نہ محبت کرنے لگے ؟"

کملا کچھ لجاتی ہوئی زیر لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئی،

"جی ہاں یہی بات ہے، ——— اب وہ روحی کا ذکر کم کرتے ہیں، میرے گن زیادہ گاتے ہیں، جتنا جتنا میں انکسار کرتی ہوں، اتنا ہی اتنا ان کا جوش مدح و تحسین بڑھتا جا رہا ہے، !"

جاوید ہنسنے لگا،

"یہ سن کر مجھے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا، وہ ایسا ہی آدمی ہے، ——
لیکن خیر چلئے بیچاری روحی کی تو جان چھوٹی'! "

کملا بگڑ گئی، واہ یہ بھی اچھی رہی، روحی کی جان چھوٹ گئی، اور میں اپنی جان کے
پیچھے بلا لگا لوں، ؟ یہ تو وہی مثل ہوئی، آ بیل مجھے مار'! "

جاوید نے لطف لیتے ہوئے کہا،

"کچھ دنوں بعد اسی آسانی سے آپ کی جان بھی چھوٹ جائے گی'! "

کملا بولی، "پھر شاید اوما کی باری آ جائے'! "

جاوید نے ایک قہقہہ لگایا،

"نہیں ایسا نہیں ہوگا'! "

کملا چڑ گئی، "کیسے نہیں ہوگا، میں خود تعارف کراؤں گی دونوں کا'! "

جاوید نے چڑھاتے ہوئے کہا،

"لاکھ تعارف کرائیے، —— مس اوما کے سامنے وہ نہیں ٹھہرے
گا ——"

کملا نے الجھ کر سوال کیا،

"کیوں؟ کیا بات ہے اوما میں جو مجھ میں نہیں؟"

جاوید نے کہا، مس اوما میں ایک قسم کا قدرتی وقار اور دبدبہ ہے ا...
دیکھ کر آدمی مرعوب ہو جاتا ہے، دل لاکھ مچلے لیکن لب جنبش نہیں کر سکتے
—— ان کے سامنے پہنچ کر خواہ مخواہ سر کے ساتھ آنکھ بھی جھک جاتی ہے

کملا ہنسنے لگی، "خوب بنا لیجئے میری بھولی بھالی مینا کو، ——

پھر نہ جانے کیا سوچ کر دفعتہ بولی،

"کیا کہا آپ نے اوما میں وقار ہے، دبدبہ ہے، اس کے سامنے دل

کہ مجلے زبان جنبش نہیں کر سکتی ــــــــــــ ؟"

جاوید نے کہا، ہاں میں نے یہی کہا تھا۔

کملا نے برہم لہجہ میں پوچھا،

"اور میں ایسی گئی گزری ہوں کہ جو چاہے میرے سامنے ماجرائے دل بیان کرنے لگے، ــــــــــــ آخر آپ مجھے سمجھتے کیا ہیں؟"

اوما اب تک چپ بیٹھی تھی، کہنے لگی،

"کہہ تو چکے چھچھوری ہو تم!"

جاوید نے ٹوکا، نہیں مس اوما میں نے یہ کہا تھا نہ کہہ سکتا ہوں، میں مس کملا کی عزت کرتا ہوں، ؟"

کملا روٹھتے ہوئے بولی،

"بڑی عزت کرتے ہیں، !"

اوما نے دخل در معقولات کرتے ہوئے پوچھا،

"آخر بات کیا ہے؟ اختر صاحب اور روحی کا کیا معاملہ ہے؟"

جاوید نے مختصر الفاظ میں ساری کہانی، روحی اور اختر کی سنا دی،

اوما نے کہا،

"روحی تو ہاتھ سے گئی، کیا حرج ہے کملا اگر تم اختر صاحب کا ٹوٹا ہوا دل جوڑ دو، ثواب ملے گا، !"

وہ جل کر بولی،

"تو کس نے منع کیا ہے لوٹ لو دونوں ہاتھوں سے جتنا ثواب چاہو، !"

(۱۱)

# تصویرِ جنوں

جاوید اختر سے جب ملنے گیا، تو چہرہ زرد، آنکھیں پرنم، بال پریشاں
——— سرتاپا تصویرِ جنوں"!"
جاوید نے اختر کی صورت دیکھتے ہی بے تکلفانہ لہجہ میں کہا،
کہیئے جناب مجنوں صاحب کیسی گزر رہی ہے ؟"
اختر نے آہ سرد کے ساتھ جواب دیا،
"چھوڑو بھی ان باتوں کو، ——— تمہیں اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیٹھے ہیں"!"
جاوید نے ایک قہقہہ لگایا، "دیکھو بھئی یاروں سے اڑنے کی کوشش نہ کرو، ہم یار شاطر ہیں، یار خاطر نہیں ہیں ہاں کہو، ہماری سنو، ہم تمہاری دلداری کریں گے، غمگساری کریں گے، مدد کریں گے، ہم سے بھی اگر حالِ دل چھپاؤ گے، تو خسارہ میں رہو گے"!"
ان الفاظ نے اختر میں ایک نیا حوصلہ پیدا کر دیا، چہرے پر رونق آگئی، ہونٹ پر تبسم رقص کرنے لگا، لیکن منہ سے کچھ نہ کہا، جاوید نے پوچھا،
"روحی کی کوئی خبر ہے ؟"

اختر نے منہ بنا کر کہا، میں اس سے نفرت کرتا ہوں،!"

جاوید حیرت کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے گویا ہوا،

"تم روحی سے نفرت کرتے ہو؟"

اختر نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا،

"ہاں، ——— حد سے زیادہ،!"

جاوید نے سوال کیا، "کیا محبت نفرت میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے؟"

اختر نے اسی لہجہ میں بتایا، "ہو بھی چکی وہ تو،!"

جاوید نے طنز کیا، "پھر تم روحی سے کبھی محبت نہیں کرتے تھے،!"

اختر نے اس طنز کو محسوس نہیں کیا، لیکن اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا،

تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، اگر اسے مجھ سے محبت نہیں ہے، تو میں کیوں کروں؟"

جاوید نے اور زیادہ سراپا حیرت بن کر پوچھا،

"تو اب تک دعوائے عشق جھوٹ تھا؟ ———

... ... ...

اختر نے جل کر جواب دیا،

"ہاں غلط اور بالکل غلط،!"

جاوید نے چھیڑا،

لیکن بغیر عشق کے زندگی کس طرح گزرے گی؟"

اختر نے کیف و سرمستی کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے جواب دیا،

"عشق کے بغیر زندگی کوئی معنی ہی نہیں رکھتی، اور ہم تو جیتے ہیں ہی عشق پیشہ!"

"تو اب کس سے عشق کر رہے ہو؟"

"(مسکرا کر) ہے ایک ——

"نام بھی تو معلوم ہو اس کا، !"

"نہیں بھئی یہ نہیں ہو سکتا —— شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا، !"

"یار اس قدر جھوٹ کیوں بولتے ہو؟ —— کملا تو کہہ رہی تھی، تم اس کے پیچھے پڑے ہو کسی طرح روحی کو رام کر دے، !"

"(مسکراتے ہوئے) میں اپنی یہ درخواست واپس لے چکا ہوں، روحی سے اب مجھے کوئی سروکار نہیں، وہ دوسرے کی بن چکی، میں کسی اور کا ہو چکا، اب تو اگر ناک بھی قدموں پر آ کر رگڑے گی تو منہ نہیں لگاؤں گا، !"

"تو اس بے چاری کے خطوط تو واپس کر دو، !"

"وہ خطوط تو میں نے جلا دئے، لیکن اس کے سر پر تلوار لٹکتی رہے گی اسی لئے اس راز کا افشا نہیں کرتا، !"

"بڑے اچھے آدمی ہو، !" —— اچھا بھئی اب چلتے ہیں، ——

(دامن پکڑ کر بٹھاتے ہوئے) چلتے کہاں ہو، بیٹھو ذرا دیر، یہ تو بتاؤ مس کملا سے تمہارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟"

"مس کملا کے اور میرے تعلقات کی نوعیت سے آپ کو کیا سروکار، ؟ قاضی کیوں دبلے شہر کے اندیشہ میں، !"

"میرا مطلب یہ ہے کہ ——

"کیا مطلب ہے؟ کیا مس کملا کو دل دے بیٹھے؟"

"فرض کرو یہی بات ہے پھر تم کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"صرف مشورہ کی حد تک مدد کر سکتا ہوں، !" ——

میرا مشورہ یہ ہے کہ خوب رات بھر جاگو، اور اختر شماری کرو، آہیں بھرو، اور

پھر بھی جل تھل ایک کردو، غم عشق میں کھانا پینا چھوڑ دو، شہر چھوڑ، صحرا کی راہ لو، یہ سب کر سکتے ہو، اور اگر سچے عاشق ہو تو کرنا بھی چاہئے، لیکن کبھی بھولے سے بھی اظہار عشق کی جرأت اس کے سامنے نہ کرنا،!" ورنہ اتنے بے بھاؤ کے پڑیں گے کہ سر پر ایک بال بھی نہیں رہ جائے گا، وہ بڑے تیکھے مزاج کی ہے، ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی، اس کے ماں باپ تک اس سے گھبراتے ہیں تم چیز کیا ہو، چہ پدی کا شوربہ،!؟"

یہ باتیں سنکر اختر پریشان ہو گیا، اس نے کہا،

"جاوید میری مدد کرو، ورنہ میں مر جاؤں گا،!"

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں، جاوید نے جواب دیا۔

"تم اتنے سخت جان ہو کہ دس ہزار مرتبہ دس ہزار لڑکیوں سے عشق کرو گے مگر مر نہیں سکتے،

تم پیدا ہی اسلئے ہوئے ہو کہ نئے نئے عشق کرتے رہو، لیکن میرے عزیز دوست اپنی نگاہ انتخاب کو ذرا قابو میں رکھو، ایسی غلط جگہوں پر اگر تم نے قدم رکھا تو واقعی کہیں کے نہ رہو گے،!"

اختر نے خفا ہوتے ہوئے کہا،

"اب جا کر بات سمجھ میں آ گئی معلوم ہوتا ہے جناب خود مائل ہیں کلا پر،
——— ہو گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا،! تمہارے مقابلہ میں وہ مجھے شکل سے ترجیح دے گی، لیکن میرا نام اختر نہیں اگر اسے اسیر دام محبت نہ کر لوں دیکھ لینا ایک نہ ایک دن، ——— کچے دھاگے میں چلے آئیں گے سرکار بندھے،!"

"وہ بڑا مبارک دن ہو گا، اور سب سے پہلے مبارکباد میں ہی دوں گا،!"

وجی مجھے آپ کی مبارکباد نہیں چاہئے،!" تم دوست تھے لیکن تم نے د
تم یارِ غار تھے، لیکن تم نے میرے دل کی پونجی لوٹ لی، تمہاری ذات میرے
سرمایۂ امید و آرزو تھی، لیکن، ——— لیکن تم ہی میرے خرمنِ آرزو پر بجلی
کر گرے، اور اسے خاکستر کر دینے کی غدارانہ کوشش کی، جاؤ تم اپنا کام کر
میں اپنا کام کروں گا، تمہارا عشق ہوس ہے، میرا عشق صادق، تم ناکام ہوگے
میرے قدم چومے گی،!

دفعتہً جاوید نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا،

"تو پاگل خانے کب جا رہے ہو! ——!"

اختر کا جوشِ غضب اور بڑھ گیا،

تمہارا بس چلے تو مجھے پھانسی دلا دو!" ——— لیکن تم اپنے کسی
میں کامیاب نہ ہو سکو گے،!"

جاوید اور اختر میں زور شور سے یہ باتیں ہو رہی تھیں، اور کملا دروازہ سے
دونوں کی باتیں سن رہی تھی اور مسکرا رہی تھی، دفعتہً وہ اندر آ گئی، اسے دیکھ
نے تو صرف اتنا کہا آہا ——— کملا؟ آئیے، خوب آ گئیں آپ، لیکن اختر سکتے میں آ
گیا، وہ سرو قد تعظیم کے لئے اٹھا، لیکن نہ اس سے ہاتھ ملا سکا، نہ یہ کہہ
تشریف رکھئے، نہ خود بیٹھ سکا، کملا مسکراتی ہوئی، کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اسنے اختر
کہا،

کھڑے کیوں ہیں اختر صاحب؟ بیٹھئے،!"

وہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھ گیا، کملا نے سوال کیا،

"شاید آپ دونوں دوستوں میں کچھ جھگڑا ہو رہا تھا؟"

جاوید نے جرح کرتے ہوئے پوچھا،

"آپ کو کیسے معلوم ؟" کیا آپ کن سوئیاں لے رہی تھیں ؟"
وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی،
"آپ کی تو نہیں، لیکن اختر صاحب کی آواز تو سڑک تک جا رہی تھی، اور میرا نام بھی بیچ میں آ رہا تھا، ورنہ کسی کی نجی باتوں سے مجھے کیا سروکار ؟ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں، میرا نام کیوں اس قدر شور سے لیا جا رہا تھا ؟"

---

(۱۲)

# کھیل

کملا کو سامنے دیکھ کر اختر کی گھگھی بندھ گئی، کہنے لگا،

"آپ کا نام؟ ——— کیا آپ نے میری آواز سنی تھی؟"

وہ مسکراتی اور اٹھلاتی ہوتی بولی، میرے کانوں نے اگر دھوکا نہیں دیا تو آ

کی آواز تھی، ا——— کیوں جاوید صاحب؟"

جاوید سمجھ گیا، یہ اس وقت اختر کو بنائے گی، کہنے لگا،

"ان کی زبان پر، آپ کے سوا اور نام آتا کس کا ہے؟، بقول حسرت مو

وظیفے سب چھٹے اک نام تیرا

دعائے شام ہے وردِ سحر ہے!

اختر کا چہرہ دہشت کے باعث سفید پڑ گیا کہ اس انکشاف راز کے بعد دیکھیے

حسن سے کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے، لیکن کملا کا تبسم جاں پرور بدستور قائم تھا،

نے بے یقینی کی نظروں سے جاوید کو دیکھا پھر پوچھا،

کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اختر صاحب مجھ سے محبت کرتے ہیں؟"

جاوید کو رحم طلب نظروں سے اختر نے دیکھا، اور پہلو بدل کر رہ گیا، جاوید

کہا،

"ہاں میرا مطلب یہی ہے، یقین نہ ہو تو سامنے بیٹھے ہیں پوچھ لیجئے، ـــــ
اختر چپ کیوں ہو؟ ابھی ذرا دیر پہلے تو خوب بڑھ بڑھ کے باتیں بنا رہے تھے، !"
بڑی کشمکش کے بعد اختر نے تاب گویائی پیدا کی اور کہنے لگا،
"کیا تم مجھے مس کملا کی نظر میں ذلیل کرنا چاہتے ہو؟ کیا تمہارا مقصد یہ ہے
کہ وہ مجھ سے خفا ہو جائیں؟ کیوں ایسی بے سر و پا باتیں کر کے انہیں مشتعل کرنے کی ...
کوشش کر رہے ہو؟"
کملا نے نگاہ التفات سے اختر کو دیکھا، پھر گویا ہوئی،
"یہ آپ کی غلط فہمی ہے اختر صاحب، ـــــــــ
اختر حیرت سے اسے دیکھنے لگا، کملا نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے
کہا،
"محبت ایسی چیز نہیں کہ ٹھکرائی جا سکے، وہ تو قابل پرستش چیز ہے، !"
جاوید نے چھیڑا "تو گویا آپ نے اختر صاحب کا پیام الفت قبول کر لیا کیوں
مس کملا؟!"
بغیر کسی جھجک کے وہ بولی،
"یہ سوال آپ کو نہیں اختر صاحب کو کرنا چاہیئے، ـــــــــ
سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا، اختر کے سہمے ہوئے چہرے پر رونق آگئی،
اس نے شوخ نظروں سے جاوید کو دیکھا گویا کہہ رہا تھا، دیکھو یوں محبت کرتے
ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں پھر ایک نظر کملا پر ڈالی، کچھ کہنا چاہا لیکن قبل اس کے
لب جنبش کرتے کملا نے جاوید سے کہا،
"محبت واسطہ کی محتاج نہیں ہوتی، آپ اگر کسی سے محبت کرتے ہیں تو کیا
کسی کو بیچ میں ڈال کر نامہ و پیام کرتے ہیں؟ ـــــــ دیکھئے پھر میں بھی

راز اگلنے لگوں گی،! "

جاوید ہنسنے لگا، " میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، ——— لیکن اختر
تم کیوں خاموش ہو؟ "

وہ ذرا شرماتا ہوا بولا،

" میں تمہاری طرح ڈھیٹ نہیں ہوں،! "

کملا نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اور اسے ٹٹولتے ہوئے کہا،

" لیکن اختر صاحب اگر آپ واقعی، میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ واقعی مجھ
سے محبت کرتے ہیں تو پھر روحی کا کیا انجام ہوگا؟ "

اختر نے بے پروائی اور حقارت کے ساتھ کہا،

اس کا نام نہ لیجئے میرے سامنے،!

کملا نے سوال کیا، " کیوں؟ کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتے؟ کیا آپ
کے دل میں اب اس کی چاہت نہیں رہی؟

اختر نے نفرت کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا،

" بالکل نہیں، وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے محبت کی جائے، وہ اس
قابل ہے کہ اس سے نفرت کی جائے اور میں اب اس سے نفرت کرتا ہوں، ——
——— اس نے میرے اعتماد کو توڑا، اس نے میری محبت کو پامال کیا، اس نے
بے وفائی کی، وہ غدار ہے، فریب کار ہے، بدنہاد ہے، میں اس کا ذکر بھی سننا
نہیں چاہتا،! "

کملا نے پھر ایک سوال کیا،

لیکن اگر وہ تائب ہو کر آپ کے پاس آئے، ؟ اگر وہ گڑگڑا گڑگڑا کر معافی
مانگے، اور اپنی غلطی تسلیم کرلے، پھر آپ کا سلوک کیا ہوگا اس کے ساتھ؟

اختر نے بے تامل جواب دیا،

" میں پھر بھی اس سے نفرت ہی کروں گا، محبت جب نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے تو اٹل ہوتی ہے، پھر کوئی انقلاب بھی اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا، میں نے اسے جب چاہا تو دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو کر اس کی پرستش کرتا رہا، کسی چیز کی پروا نہیں کی، اور اب نفرت کرتا ہوں، تو زندگی کی آخری سانس تک نفرت ہی کرتا رہوں گا، اس نے میرا دل توڑا ہے مس کملا، ——— میرا دل، !،

کملا غور اور توجہ سے اختر کی باتیں سنتی رہی پھر بولی،

ایک سوال کروں آپ خفا تو نہیں ہو جائیں گے،

اختر نے بڑے اشتیاق کے ساتھ کہا،

" آپ جو سوال بھی کریں گی میں اس کا شافی جواب دوں گا، فرمائیے کیا پوچھنا چاہتی ہیں آپ ——— ؟"

بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ اس نے پوچھا،

" جاوید صاحب وغیرہ آپ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں کیا وہ سچ ہے ؟"

اختر کے کان کھڑے ہوئے، اس نے ایک نظر جاوید پر ڈالی، پھر گویا ہوا،

" کیا کہتے ہیں میں نہیں جانتا، ! "

کملا نے بتایا، " کہتے ہیں کہ اختر صاحب کا پیشہ ہی عشق بازی ہے، وہ اب تک نہ جانے کتنوں سے پیمان وفا باندھ چکے ہیں، مگر کبھی ثابت قدم نہیں رہے، وہ اس طرح عشق کرتے ہیں جس طرح لوگ اخبار پڑھتے ہیں ———

اختر کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس نے کملا کو جواب دینے کے بجائے گرج کر جاوید سے سوال کیا،

" کیوں جاوید ؟ کیا تم تردید کر سکتے ہو مس کملا کے بیان کی ؟ وہ جھوٹ نہیں

بول سکتیں، تمھارے منہ پر کہہ رہی ہیں تمھیں کیا حق تھا میرے بارے میں ایسی
طرازی کا دعویٰ دوستی کا، حرکتیں دشمنوں کی ؟ ———— اس کے معنی یہ
کہ ابھی مس کملا کے آنے سے پہلے میں نے جو کچھ تم سے تمھارے بارے میں
تھا وہ سچ ہے ؟

کملا بیچ میں بول پڑی،

" کیا کہا تھا آپ نے ؟

جاوید نے بتایا، یہ کہہ رہے تھے کہ میں ان کا رقیب روسیہ ہوں
کملا نے ایک مرتبہ گھور کر، اختر کو دیکھا " یہ میں کیا سن رہی ہوں اختر
کیا آپ نے واقعی یہ الفاظ استعمال کئے تھے ؟ "

اختر نے پہلو بدلتے ہوئے کہا، " بے شک میں نے ان پر یہ الزام
تھا، اور افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میرا الزام صحیح تھا،"
جاوید نے تردید کرتے ہوئے کہا، " تم جھوٹے ہو، میں ہرگز کسی کا رقیب
نہیں ہوں، ————

کملا نے جاوید کی بات ان سنی کرتے ہوئے اختر سے پوچھا،
" کیا آپ کا مطلب یہ تھا کہ جاوید صاحب مجھ سے محبت کرتے ہیں ؟"
اختر نے سٹ پٹاتے ہوئے کہا، " جی ہاں، ———— اس حوصلہ کو
اور ان کو دیکھئے، محبت کرنے چلے ہیں، یہ محبت کریں گے ؟ نہ جانے کس سے
لفظ سن لیا اور اس کی رٹ لگانے لگے، ! ———— جاوید صاحب، محبت کے
کے لئے حوصلہ چاہئے، جگر چاہئے، دم خم چاہئے، آپ کی یہ حرکتیں دیکھ
بے ساختہ نوک زبان پر غالب کا یہ شعر آجاتا ہے،

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی ۔۔۔ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

آپ صحافت کے میدان میں جھنڈے گاڑ دیجئے، مضامین لکھئے، مسلم لیگ کو گالیاں دیجئے
کانگرس کے ترانے گایئے، انگریزوں کو صلواتیں سنایئے، آزادئ ہند کے نعرے
لگایئے، خارزار الفت میں قدم رکھنا آپ کا کام نہیں، یہ کام تو ازل سے
ہم جیسے آشفتہ سروں کے حصہ میں لکھا جا چکا ہے، جناب جاوید صاحب جیل جانا
سہل ہے، روٹیاں کھانا آسان ہے، پیٹھ پر گولیاں کھا لینا بھی دشوار نہیں، لیکن
راہ الفت میں قدم رکھنا، صحرائے محبت میں رہروی کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں،
یہ حوصلہ قدرت صدیوں میں کسی کسی کو عطا کرتی ہے، یہ منزل عجیب منزل ہے، اس
میں سر کے بل چلنا پڑتا ہے، اس میں خودی، خودداری، خود پرستی کی قربانی کرنا
پڑتی ہے، اس کوچہ میں قدم رکھنے کے بعد، آدمی دنیا کے کام کا نہیں رہتا،
رہبر دلہ محبت کا خدا حافظ ہے۔!

اس میں دو چار بڑے سخت مقام آتے ہیں تم اس چکر میں کیوں پڑتے ہو،
جاؤ کسی اخبار کے دفتر میں بیٹھ کر زمین آسمان کے قلابے ملاؤ، ہم فقیروں اور
مدہوشوں سے کیوں الجھتے ہو، ؟ "

اختر کی یہ تقریر جاری تھی کہ کملا نے جاوید کو مخاطب کیا،

"مان لیجئے ہار، !"

جاوید نے سگریٹ کا ایک زوردار کش لگایا، اور جواب دیا،

"مان لی، ——— اتنی لمبی چوڑی تقریر نہ کرتے جب بھی مان لیتا، کہاں
یہ، کہاں میں؟ یہ ٹھہرے پیشہ ور عاشق، میں اناڑی، ان کی چرب زبانی نے
چند منٹ میں آپ کو رام کر لیا، میں عمر بھر آپ کی چوکھٹ پر سر رگڑتا رہتا، تو بھی
آپ منہ نہ لگاتیں، اب اتنا بے وقوف بھی نہیں کہ اتنی معمولی سی بات نہ سمجھ سکوں، !"

کملا نے اختر سے پوچھا،

"کہیے اب مطمئن ہو گئے آپ جاوید صاحب کی طرف سے!"

بے ساختہ اختر نے کہا۔ "ان کی طرف سے تو ہو گیا لیکن ——

کملا ہنسنے لگی، "میری طرف سے نہیں ہوئے؟ —— نہیں اختر
مجھے غلط نہ سمجھئے، میں روحی نہیں ہوں، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں کسی سے محبت کر
اور پھر اسے دغا دوں کسی سے عشق کر دوں اور پھر بے وفائی کا ارتکاب کر
یہ میری فطرت اور سرشت کے خلاف ہے، میری محبت اتنی ہی اٹل ہے۔ جتنا
ہمالیہ پہاڑ، ——

جاوید نے لقمہ دیا،

"پھر تو اختر کو آپ کی طرف سے بالکل مطمئن ہو جانا چاہیے۔"

ایک لحظہ بھی تامل کئے بغیر کملا بولی،

"اختر صاحب کو مطمئن ہونا چاہیے یا نہیں یہ وہ جانیں، باقی اپنے متعلق
میں کہہ سکتی ہوں کہ بالکل مطمئن ہوں'!"

جاوید نے اختر کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا،

"بس تو اب دعوت ہے آج آپ کی اختر صاحب کی طرف سے!"

اختر نے ذرا بھی مزاحمت نہیں کی، جیب سے ۲۷ روپے برآمد ہوئے

جاوید نے ساری رقم پر قبضہ کرتے ہوئے اختر سے کہا،

"تم بھی آ جانا رات کو غریب خانہ پر، بڑی شاندار اور پُر تکلف دعوت ہوگی
تم بھی کیا یاد کرو گے، ——

اختر نے اعتراض کیا،

"لیکن دعوت تمہارے غریب خانہ پر کیوں ہو؟ میرے غریب خانے نے کیا
خطا کی ہے؟"

کملا اٹھ کھڑی ہوئی،

"اچھا آپ دونوں فیصلہ کر کے مجھے مطلع کر دیجئے گا، میں حاضر ہو جاؤں گی جہاں حکم ہوگا،!"

جاوید نے کملا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

"مس کملا آپ اس طرح پیچھا نہیں چھڑا سکتیں، صاف الفاظ میں وعدہ کیجئے کہ دعوت میں شریک ہوں گی، پھر یہ وعدہ کیجئے کہ میرے غریب خانہ پر دعوت ہوگی اور آپ آئیں گی،!

وہ تبسم کی بجلیاں گراتی ہوئی بولی، جہاں تک دعوت کا تعلق ہے، ضرور آؤں گی، سریکے بل آؤں گی، اختر صاحب کی دعوت رد نہیں کی جا سکتی، لیکن جہاں تک آپ کے دولت خانہ پر حاضر ہونے کا تعلق ہے، میں اختر صاحب کے فیصلہ کی پابند ہوں۔ بتایئے اختر صاحب کہاں ہوگی دعوت،!"

ان الفاظ نے اختر کو آسمان پر پہنچا دیا، تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر، نئے جوش اور امنگ کے ساتھ گویا ہوا، "دعوت میں کر رہا ہوں میرے گھر پر ہوگی!"

جاوید نے بے پروائی سے کہا، "ہم تو نہیں آئیں گے، ہماری جیب میں ۲۷ روپے ہیں ہم خود اپنی دعوت کر لیں گے، اور پاس پڑوس کے لوگوں کو بھی پیٹ بھر کے کھلا دیں گے، مس کملا اب زحمت نہ کیجئے گا، اور اگر آ ہی گئیں تو میرا دروازہ بند ملے گا، اور جناب اختر صاحب اگر آپ تشریف لائے تو نقب زنی کے الزام میں گرفتار کرا دوں گا،!"

اختر نے ان باتوں کو سچ سمجھ لیا، "اچھی دھاندلی ہے، یہاں کسے شوق ہے تمہارے ڈربے میں آنے کا، بس چپ چاپ روپے واپس کر دو، کہیں ایسے نہ ہوں"! جاوید نے ہنستے ہوئے کہا،

رازدارانہ انداز میں، سرگوشی کا لہجہ اختیار کرتے ہوئے کملا
اختر سے کہا،

" لیکن اگر جاوید صاحب ہی کے ہاں دعوت ہو جاتے تو کیا حرج ہے
اختر صاحب ؟"

اختر نے فوراً جواب دیا، کوئی حرج نہیں ہے "!"
وہ فیصلہ کن انداز میں جاوید سے گویا ہوئی،
" اچھا جناب آپ کے ہاں سہی "!"
جاوید نے کملا سے کہا، " شکریہ" اور اختر سے کہا، " بے غیرت "!
اور چلا گیا، کملا بھی اس کے ساتھ رخصت ہو گئی" ! ٭

دہلی

(۱)

# محبت کی باتیں

دو تین دن تک کملا نے اختر کو خوب بنایا جاوید بھی بڑھ چڑھ کر اس دلچسپ بین میں حصہ لیتا رہا اوما کو دلی گئے دو تین دن ہو چکے تھے آج جاوید بھی رخت سفر باندھ رہا تھا، یکایک کملا آئی، جاوید نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اُس کے ہونٹ لرز رہے تھے آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں جاوید نے مسکراتے ہوئے کرسی پیش کی اور کہا،

آخر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا معلوم ہوتا ہے آپ دلی جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہیں میرے خدمات حاضر ہیں آپ کی خاطر اتنا کر سکتا ہوں کہ آج نہ جاؤں کل چلا جاؤں لیکن اس سے زیادہ ایثار کی توقع مجھ سے نہ کیجئے گا،

کملا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا میں کسی سے ایثار کی توقع نہیں رکھتی نہ اوما سے نہ آپ سے نہ کسی اور سے وہ چلی گئی ہیں اس کا دامن نہ پکڑ سکی، آپ جا رہے ہیں مجھ میں یہ تاب نہیں کہ راستہ روک کر کھڑی ہو جاؤں، اوما دو دن بھی میرا انتظار نہ کر سکی لیکن میں اپنی ساری زندگی اُس کے انتظار میں بسر کر سکتی ہوں، وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں اُسے نہیں چھوڑ سکتی وہ مجھ سے روٹھ گئی ہیں اُس سے خفا نہیں ہو سکتی زندگی کی ریت کچھ ایسی ہی ہے ہم جس کے قریب ہونا چاہتے ہیں وہ ہم سے دور بھاگتا ہے جس سے دور رہنا چاہتے ہیں وہ ساتھ رہا تھا چپکا ہے آپ نے جو طنز

بجھا جو روزنِ زنداں تو ہم نے سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اٹھے جو سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر ترے رخ پر بکھر گئی ہوگی

فرمایا ہے میں اُسے محسوس کرتی ہوں اُس کا اعتراف بھی کرتی ہوں میرا خیال تھا اور
پر میرا کچھ حق ہے لیکن معلوم ہوگیا یہ غلط فہمی تھی آپ نے ٹھیک کہا میں اب پچھتا
رہی ہوں لکھنؤ کی گلیاں سونی حیران اور سنسان نظر آتی ہیں گنگا پرشاد ہال کے جلسے
امین الدولہ پارک کے اجتماعات کانگرس آفس کی چہل پہل کسی چیز میں نہ اب رونق نظر
آتی ہے نہ زندگی یہ سب کچھ اوما کے دم سے تھا یہ چیزیں اب وہیں ملیں گی جہاں
اب وہ ہے آپ جا رہے ہیں آج جا ہیں چاہے کل چاہے مہینہ بھر بعد لیکن میں تو
اسی وقت کی ٹرین سے جا رہی ہوں یہاں اس لئے نہیں آئی تھی کہ آپ کو رفیق
بنا کر لے چلوں اس لئے آئی تھی کہ اگر آپ اُسے کوئی پیام دینا چاہتے ہوں
تو بتا دیجئے،

جاوید نے یہ ساری باتیں سننے کے بعد محبت بھری نظروں سے اُسے دیکھا
اور گویا ہوا مس کملا۔ آخر میری کیا خطا ہے مجھ سے کیوں الجھ پڑیں آپ ہی نے اُس
وقت کہہ دیا تھا اوما کے بغیر آپ یہاں نہیں رہ سکیں گی اور آپ نے بڑے زور شور
کے ساتھ فرمایا تھا کیوں نہیں رہ سکوں گی کیا وہ میری زندگی ہے اگر آپ نے اُس
وقت مس اوما کا کہنا مان لیا ہوتا اور ان کے ساتھ چلی گئی ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا
کملا نے جواب دیا کہاں تک آپ مجھ سے اعتراف خطا کرائیں گے جو کچھ
تھا ہو چکا میں اس بھول میں تھی اوما کسی قیمت پر بھی مجھے چھوڑ کر نہیں جائے
اچھا ہوا غلط فہمی رفع ہوگئی —— میں ہوں اپنی شکست کی آواز

جاوید نے سوال کیا، کیا واقعی آج ہی جا رہی ہیں آپ،
کملا نے تیور چڑھا کر پوچھا کیا آپ نے ارادہ بدل دیا آپ بھی تو جا رہے
جاوید ہنسنے لگا، جا تو رہا تھا لیکن مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ آج
اور میں کل، تاکہ وہاں پہنچنے کے بعد اطمینان سے آپ مس اوما سے اپنے

کرلیں اور میں جب پہنچوں تو خیر مقدم کے لئے آپ اور اوما دونوں اسٹیشن پر موجود ہوں اگر آپ میرے ساتھ گئیں تو مجھے بھی اس جھگڑے میں حصہ لینا پڑے گا شاید میری مداخلت اوما کو ناپسند ہو،

کملا کچھ دیر خاموش رہی پھر اُس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،

بہت زیادہ اپنے بارے میں حسنِ ظن سے کام نہ لیجئے شاید آپ اس مغالطہ میں ہیں کہ اوما آپ سے خوش گئی ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے وہ آپ سے بھی اتنی ہی خفا ہے جتنی مجھ سے میرا جہاں تک تعلق ہے ، لکھنؤ اسٹیشن پر دوبارہ انڈ کہنے بھی چل سکتی ہوں اور دلی اسٹیشن پر خیر مقدم کے لئے بھی آسکتی ہوں لیکن اوما سے ایسی امید نہ قائم کیجئے جو نہ پوری ہو تو آپ بھی بری طرح رونے پر مجبور ہو جائیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم ساتھ ساتھ چلیں یہاں سے ایک تار دے دیتے ہیں اگر وہ اسٹیشن پر موجود ملی تو یہ آپ کا معجزہ ہوگا اور اگر نہ ملی یہ میری بدقسمتی کی بات بن جائے گی لہٰذا تقاضا دانش یہ ہے کہ قیاس آرائیاں نہ کیجئے بستر باندھئے اور چلئے،

جاوید نے بندھے ہوئے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

وہ تو تیار ہے لیکن کیا واقعی مس اوما مجھ سے کچھ خفا تھیں آپ کو جھٹلانا بھی نہیں ہوتا لیکن اسے بھی نہیں بھول سکتا کہ جب تک گاڑی چھوٹ نہیں گئی وہ برابر ہنس ہنس کر اور مسکرا مسکرا کر مجھ سے باتیں کرتی رہی تھیں اگر خفا ہوتیں تو اُس کا رویہ یقیناً دوسرا ہوتا،

کملا ہنسنے لگی اُس نے کہا آپ نہیں جانتے وہ حرفوں کی بنی ہوئی ہے آپ فقط اس کے صورت شناس ہیں میں مزاج شناس ہوں، اس کے تبسم میں کتنی تلخی تھی آپ نہ محسوس کر سکے مگر مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا،

جاوید یہ سنکر کچھ پریشان سا ہو گیا، اُس نے کہا،
لیکن میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی تھی جو انھیں ناگوار گزرتی آپ کا معا
صاف ہے انھوں نے کہا چلو آپ نے جواب دیا نہیں چلتے وہ کہنے لگیں
کبھی مجھ سے بات نہ کرنا آپ نے فرمایا نہیں کریں گے انھوں نے کہا خبر دار جو کبھ
دلّی کا رخ کیا آپ نے برجستہ ارشاد فرمایا کچھ دماغ خراب ہے جو دلّی کا رخ
انھوں نے حکم دیا چلی جاؤ آپ وہاں سے اٹھیں تو سیدھی اسٹیشن پہنچ گئیں
پر انھوں نے آپ سے آنکھ بھی نہیں ملائی مجھ سے باتیں کرتی رہیں پھر یہ نکتہ
نے کہاں سے پیدا کر لیا کہ وہ مجھ سے خفا ہو کر گئی ہیں،
کملا نے موضوع کو ختم کرتے ہوئے کہا جب آپ اتنے بھولے ہیں
کس احمق نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ محبت کیجئے، جاوید صاحب کیا اوما نے
سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ آپ بھی ساتھ ہی کیوں نہیں چلتے اور آپ نے یہ جوا
نہیں دیا تھا کہ دو چار دن میں یہاں کے کام نپٹا کر آجاؤں گا پھر اُس کے بعد
یک بیک خاموش ہو گئی تھی یاد آیا ؟ ،
کچھ سوچتے ہوئے جاوید نے جواب دیا ہاں یہ گفتگو تو ہوئی تھی لیکن اتنی سی
پر وہ خفا ہو جائے گی اس کا تو مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔
کملا کے ہونٹوں پر تبسم رقص کرنے لگا وہ ہنستی ہوئی بولی۔
اسی معصومیت پر تو میرا دل پگھل جاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ آپ سے
کرنے لگوں لیکن اسے کیا کیا جائے کہ بیری طرح اوما کا مزاج شاعرانہ نہیں
وہ بے انتہا نازک مزاج واقع ہوئی ہے جو بات اُس کے منہ سے نکل جا
ہونی ہی چاہیے ہے تو ایک متوسط خاندان کی لڑکی لیکن طبیعت شاہانہ پائی
اپنی سادہ لوحی کے باعث محسوس ہی نہ کر سکے اور وہ روٹھ گئی میرا معاملہ تو

کر رو دھو کر اور خوشامد درآمد کر کے چٹکیاں اور بلائیں لے کر گدگدا کر کسی نہ کسی طرح اُسے منالوں گی لیکن آپ اپنی روٹھی رانی کو کس طرح منائیں گے یہ آپ جانیں،

بڑی بےبسی کے ساتھ جاوید نے کملا کی طرف دیکھا پھر پوچھا لیکن آپ بھی کچھ مشورہ دیجیے کیا کرنا چاہیے،

کملا نے جواب دیا دو ہی صورتیں ممکن ہیں ——

جاوید پر امید نظروں سے مجسمہ سوال بن کر اُسے دیکھنے لگا وہ بولی دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو آپ خود بھی روٹھ جائیے اور دلی کا ارادہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیجیے وہ خط لکھے جواب نہ دیجیے ٹرنک کال کرے رسیور نہ اٹھائیے خود آئے تو ملنے سے انکار کر دیجیے، کسی کو سفارشی بنا کر بھیجے جھڑک دیجیے اور یا پھر سر کے بل دلی چلئے بتائیے کیا کریں گے آپ،

جاوید نے اٹھ کر کوٹ پہنا اور کہا،

چلئے ——

---

(۲)

# ڈرائینگ روم میں

دلّی کی زندگی لکھنؤ کی زندگی سے کتنی مختلف تھی !!

وہاں ذہنی کوفت تھی، کماری کی سازشیں تھیں سکینہ کی بزدلانہ اور غیر ...
سرگرمیاں تھیں، تردیدی کی بے جا مداخلت آتی، ٹی کالج میں افواہوں کی کثرت ...
یونیورسٹی میں پروفیسر برجی کے لئے طرح طرح کے طنز اور حقارت سے بھرے ...
القاب و خطابات، کانگرس کے دفتر میں بے سروپا حکایتیں، سنیٹیل کے آفس ...
آفس سے باہر، تہمت تراشیاں اور افسانہ طرازیاں غرض ایک ایسا طوفان تھا، جس ...
اوسائی اور جاوید کی اور ان دونوں کی وجہ سے کملا کی بھی زندگی اجیرن کر رکھی ...
قیام لکھنؤ کا یہ آخری حصہ انتہائی تلخ اور صبر آزما ثابت ہوا تھا، مگر اب صورت ...
دوسری تھی، اب زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا، جو ہر اعتبار سے راحت ...
اور نشاط آفریں تھا، لکھنؤ میں جاوید کی زندگی، مالی اعتبار سے حد درجہ پر ...
کن تھی، لگی تو روزی نہیں تو روزہ، کبھی فاقے کرنا پڑتے، کبھی صرف چائے پر ...
گزارا کرنا پڑتا، آمدنی کم، اور کبھی بالکل نہیں، مصارف بہرحال موجود، اور ناگزیر، لیکن ...
اسے معقول تنخواہ مل رہی تھی، اور نہایت آسائش کے ساتھ زندگی بسر کر ...

اوما کو آئی۔ ٹی کالج میں چار سو کے قریب ملتے تھے، یہاں اس کی تنخواہ تقریباً دوگنی تھی، وہاں کوٹھی کا کرایہ دینا پڑھتا تھا، یہاں آراستہ بنگلہ کالج کی طرف سے پیش کیا گیا تھا، یونیورسٹی سے ریٹائر ہونے کے بعد بنرجی کی آمدنی بھی ختم ہو گئی تھی، پراویڈنٹ فنڈ کی جو رقم ملی تھی اسی سے کام چلتا تھا، لیکن یہاں آتے ہی وہ دلی یونیورسٹی میں سیاسیات و معاشیات کے آنریری پروفیسر مقرر ہو گئے تھے، اور آنریریم اچھا خاصا مل جاتا تھا کملا کا سارا وقت صرف کانگریس کے دفتر میں بسر ہوتا تھا، یہاں اس کے لئے بھی روزگار کی صورت نکل آئی تھی، اور وہ ہندوستان ٹائمز میں اسٹاف رپورٹر کی حیثیت سے کام کرنے لگی تھی، وہ اوما کے ساتھ مقیم تھی، جاوید نے کشمیری گیٹ میں ایک چھوٹی سی کوٹھی سو روپے مہینہ پر لے لی تھی، اور قسط پہ ایک موٹر سائیکل بھی حاصل کر لی تھی، یہ جگہ اوما کے کالج سے کچھ بہت زیادہ دور نہیں تھی، دونوں میں سے جب کوئی چاہتا آسانی سے ایک دوسرے کے پاس پہنچ سکتا تھا، کملا تو کبھی کبھی پھیرے کر لیا کرتی تھی، جاوید بھی فرصت کے اوقات زیادہ تر اوما کے ہاں صرف کیا کرتا تھا، بنرجی ہوتے تو وہ بھی شریک گفتگو ہو جاتے، ورنہ پھر کملا ساری کسر پوری کر دیتی، اتنا بولتی کہ کسی دوسرے کو بولنے کا موقع نہ دیتی، دنیا جہان کی خبریں سناتی، ان پر تبصرے کرتی، لیڈروں، وزیروں، سرکاری حکام عمال اور تاجر پیشہ اصحاب سے انٹرویو لینے اکثر جایا کرتی، اور اسی دوران میں کچھ نہ کچھ سربستہ راز بھی معلوم کر آتی، جو اخبار کے صفحات پر تو شائع نہ ہوتے، لیکن اس بزم بے تکلف میں بڑی تفصیل سے ان کا جائزہ لیا جاتا، اور بعض ایک سنسنی خیز خبر کی حیثیت دے دی جاتی،

ایک روز جاوید حسب معمول اوما کے ہاں بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا، بنرجی کہیں باہر گئے ہوئے تھے، اس نے دریافت کیا،

آج مس کملا نہیں آئیں اب تک ؟

اوما نے مسکراتے ہوئے کہا،

کر رہی ہوگی کہیں مٹر گشت، اس کا تو کام ہی یہ ہے کہ صبح سے شام تک ا
ادھر گھومتی پھرے اور جھوٹ سچ خبریں تراش کر اخبار کے حوالے کر د
اور جو خبریں اخبار میں نہ شائع ہو سکیں انھیں یہاں آکر اور زیادہ حاشیہ آرائی
ساتھ بیان کر دے،

جاوید نے پُر خیال انداز سے کہا،

کملا کی شخصیت اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی، !

اوما نے کہا، اس کی شخصیت اگر آپ تک سمجھ میں نہ آسکی تو آپ کی ذا
کے بارے میں جو میں نے حسن ظن قائم کر رکھا تھا وہ ختم ہو جائے گا ——
وہ سراپا محبت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، وہ کتنی شوخ، چنچل، اور شریر نظر آ
ہے، سب کا مذاق اڑاتی ہے، سب کو بناتی ہے، لوگوں کے ساتھ بھی اس کا
عمل یہی ہے، اور حالات و واقعات کے ساتھ بھی، آپ اسے کبھی سنجیدہ نہیں
پائیں گے، وہ ہر وقت ہنستی اور مسکراتی رہے گی، بڑے سے بڑے حاد
کو بھی خاطر میں نہیں لاتی، بڑے سے بڑے سانحہ کو بھی وہ ہنس کر سہ لیتی
اس کی زندگی تبسّم اور قہقہہ کے سوا کچھ نہیں ہے، یہ تو ہوا ظاہر، اور باط
کیفیت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر حساس کوئی نہیں، جن کا وہ مذاق اڑاتی
انہی کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ جاتی ہے، وہ خود ہنستی رہتی ہے، لیکن اس کا
دوتا رہتا ہے، جس سے محبت کرتی ہے اس پر ہر چیز قربان کرنے کو تیار
ہے، میرے ہی ساتھ اس کا معاملہ دیکھ لیجئے، یونہی جھوٹ موٹ اس سے
ہو کر چلی آئی تھی، لکن پھر چند دن بھی لکھنؤ میں ٹک سکی، بھاگوں بھاگ پہنچی

اس طرح جیسے پیاسا کنوئیں کے پاس پہنچتا ہے، وہاں اسے کس چیز کی کمی تھی، کنبہ، عزیز، دوست، خاندان سب ہی کچھ وہاں تھا، لیکن وہ اس طرح سب چھوڑ کر یہاں آ گئی جیسے سب کچھ یہیں ہے'!

شاید اوما اپنی تقریر کچھ دیر اور جاری رکھتی مگر جاوید ہنسنے لگا، اوما نے سلسلۂ کلام منقطع کر کے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا،

آپ ہنسنے کیوں لگے؟

جاوید نے کہا، سوچ رہا ہوں کملا آپ سے زیادہ محبت کرتی ہے، یا آپ اس پر زیادہ فریفتہ ہیں؟

اوما کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا، اس نے کہا،

اس سوال کا جواب دینا واقعی مشکل ہے'!

جاوید نے کہا، میرا خیال ہے آپ کو کملا سے عقیدت بھی ہے'!

اوما نے اعتراف کرتے ہوئے کہا،

ہونی بھی چاہیئے، اہمیں جو خوبیاں ہیں آج تک کسی اور میں تو میں نے دیکھیں نہیں'!

جاوید نے چھیڑتے ہوئے کہا،

بہت اچھا ہوا، مجھے اپنی حقیقت معلوم ہو گئی'!

اوما کی تیوریاں چڑھ گئیں،

'ایسا نہ کہئے، ———— آپ کی اور کملا کی حیثیت بالکل مختلف ہے'!،

جاوید نے چھیڑنے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا،

وہی تو میں بھی عرض کر رہا ہوں، میری اور کملا کی حیثیت بالکل مختلف ہے'!

اوما ہنسنے لگی، آخر آج کیا ہو گیا ہے آپ کو — ؟ خواہ مخواہ ہماری کملا سے جلنے لگے، اچھا ٹھہرتے، اسے آنے دیجئے، یہ معاملہ اسی کے سامنے رکھا جائیگا،

اور اُسی سے فیصلہ کرایا جائے گا، !،

جاوید نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا،

" خدا کے لئے ایسا غضب نہ کیجئے گا، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، مع
مانگتا ہوں، عہد کرتا ہوں کہ اب ایسی غلطی نہیں کروں گا، !"

اوما نے قہقہہ لگایا اور بولی،

اتنے دہشت زدہ ہیں آپ اس مشت خاک کملا سے ؟

جاوید نے جواب دیا،

بے شک وہ مشت خاک ہیں، لیکن ان میں وہ دم خم ہے جو قیامت میں ہو
ہے، آپ نے کچھ کہا، اور جھاڑ کا کانٹا بن کر میرے پیچھے پڑ جائے گی، اور
پھر میری شامت آجائے گی، !"

اوما لطف لیتی ہوئی بولی،

بڑا مزا آئے گا ——————

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بھڑ سے دروازہ کھلا، اور پرس ہاتھ میں لئے کملا اند
داخل ہوئی، اس نے شوخ اور شریر نظروں سے جاوید اور اوما کو دیکھا، پھر کرسی
پر بیٹھتی ہوئی جاوید سے مخاطب ہوئی،

" آپ یہاں تشریف فرما ہیں، ——————

اذاں دی دیر میں ناقوس کعبہ میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا،

---

اوما ہنسنے لگی، اس نے جاوید سے کہا،

لیجئے مجھے کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی، جاوید بھی ہنس پڑا، !

---

(۳)

# روحی

جاوید نے پوچھا، "کہئے کوئی نئی خبر؟" اس نے جواب دیا، "جی ہاں نئی بھی اور
چٹ پٹی بھی،!" ادما بولی، "تو پھر ترسا کیوں رہی ہو؟ بتاؤ کیا ہے وہ تمہاری نئی
اور چٹ پٹی خبر؟" وہ کہنے لگی "آج عجیب اتفاق پیش آیا، روحی سے ملاقات ہو گئی،!"
ادما اور جاوید سراپا گوش ہو گئے، کملا نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔
"امپیریل ہوٹل میں، بھولا بھائی ڈلیسائی ٹھہرے ہوئے ہیں ان سے ایک
بیان لینے کے لئے وہاں پہنچی، مسافروں کی لسٹ میں ایک نام "کیپٹن کمال اور بیگم
کمال کا نظر آیا، یہ نام دیکھ کر خواہ مخواہ طبیعت میں امنگ اور ترنگ پیدا ہوتی۔ ڈلیسائی صاحب
سے ملنے کے بعد سیدھی ۱۲ نمبر کے کمرہ میں پہنچی، دستک دی، تو ایک بت پر فن
نے دروازہ کھولا، دیکھ طبیعت خوش ہو گئی، میں نے پوچھا،
کیا میں بیگم روحی سے مخاطب ہوں؟"
وہ مسکرائیں پھر فرمایا،
"جی ہاں مجھے روحی کہتے ہیں، مگر یاد نہیں پڑتا آپ سے کبھی ملاقات ہوئی ہو،
ویسے آپ سے مل کر خوشی بہت ہوئی، ————
میں نے جواب دیا، جی ہاں ملاقات تو نہیں ہوئی، لیکن آپ کا ذکر خیر اس کثرت

سے سنا ہے کہ نہ جانے کیوں تصور تصور ہی، آپ کی ایک دل آویز، اور دل نشیں تصویر بن گئی، اور جناب اسی سے ملاقاتیں شروع ہوگئیں، باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، گھنٹوں اور پہروں، دن کو بھی، اور رات کو بھی، تنہائی میں بھی اور مجمع میں بھی لہذا آپ سے کچھ اجنبیت نہیں محسوس ہوتی، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم بہت دنوں سے دوست ہیں،! "

وہ ایک ساحرانہ تبسم کے ساتھ میری باتیں سنتی رہی، پھر پیچھے ہٹ کر بولی، یہاں کھڑے کھڑے کب تک باتیں ہوں گی آیئے اندر آجایئے، ــــــ

میں اندر پہنچی اس نے گھنٹی بجا کر بیرے کو طلب کیا، اور اسے چائے کا آرڈر دینے کے بعد، پھر مجھ سے مخاطب ہوئی،

سوچ رہی ہوں کہ آپ نے میرا ذکر خیر اس کثرت کے ساتھ کس سے سنا، ہمارا حلقۂ احباب و تعارف بھی تو مشترک نہیں ہے،!

میں نے ٹوکا، کیسے نہیں ہے، کیا آپ جاوید صاحب کو نہیں جانتیں، ــــــــــ؟

یہ نام نامی سنتے ہی وہ اچھل پڑی، سراپا حیرت و تجسس بنکر گویا ہوئی،

" جاوید صاحب، ــــــ؟ آپ انھیں جانتی ہیں، ؟ "

میں نے جواب دیا،

" بہت اچھی طرح،! "

کہنے لگی، " کتنے اچھے، کتنے اونچے، کتنے شریف آدمی ہیں،! "

میں نے کہا، " جی ہاں وہ بھی اور ان کے دوست بھی،! "

یہ سنکر ذرا چونکی پوچھا،

" آپ ان کے دوستوں کو بھی جانتی ہیں؟ ــــــــ کیسے کیسے ــ؟

میں نے جواب میں کہا،

"ایک دوست تو ان کے اختر صاحب ہیں، انھیں تو بہت اچھی طرح جانتی ہوں،———"

اختر کا نام سنتے ہی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی،

"ارے آپ انھیں بھی جانتی ہیں، ؟"

میں نے کہا، کیوں نہیں جانتی، کیا وہ جاوید صاحب کے دوست نہیں ہیں، ؟"

اتنے میں بیرا ٹرے لے کر آ گیا اس نے ٹرے اپنے سامنے رکھ لی، اور چائے بناتی ہوئی بولی،

"اچھا تو آپ جاوید صاحب سے بھی واقف ہیں، لیکن بہن انہی کے بہانے اختر صاحب کو نہ دیکھنے لگئے گا، !"

میں نے بالکل انجان بنکر کہا،

"کیوں کیا فرق ہے کچھ دونوں میں ؟ ——— میں تو انہیں جاوید ہی صاحب کے واسطے سے جانتی ہوں، اور میرے خیال میں وہ خاصے مرد معقول ہیں،———"

پیالی میری طرف بڑھاتی ہوئی بولی،

"کیا ان کی نظر توجہ سے آپ اب تک محروم ہیں ؟"

میں نے اور زیادہ انجان بنکر پوچھا،

"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ ؟ نظر توجہ کیسی ؟ "

ہنسنے لگی، " وہ بڑے حضرت ہیں، اور کسی خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر عشق کئے بغیر نہیں رہتے، اور ان کا عشق خدا کی پناہ، پھر واقعی کچھ دنوں کے لئے وہ

فرہاد اور مجنوں بن جاتے ہیں ، !"

میں نے اپنی معلومات کو چھپاتے ہوئے کہا ،

"یہ تو بالکل نئی بات سن رہی ہوں ، مجھ پر تو انھوں نے ذرا بھی نظر توجہ فرمائی ، شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ میرا شمار خوب صورت لڑکیوں میں نہیں ہوتا ، !"

وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی ،

"آپ کا شمار خوب صورت لڑکیوں میں نہیں ہوتا ؟ ——— آپ خوب صورت نہیں ہیں ، تو پھر دنیا میں کوئی بھی حسین نہیں ہے ، !"

اب میری باری تھی ، میں نے بھی ایک زور دار قہقہہ لگایا ،

ایسا نہ کہیے مجھے اپنے بارے میں ذرا بھی غلط فہمی نہیں ہے ، دیکھئے نا عمر ہونے کو آئی ، مگر آج تک کسی نے جھوٹوں بھی اظہار عشق نہیں کیا ، حالانکہ روز اس امید میں بن سنور کر گھر سے نکلتی ہوں کہ شاید کسی مرد عارف کی نظر سے سرفراز ہو جاؤں ———

بیچاری کو اچھو آ گیا ، پیالی ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی ، اور چکنا چور ہو گئی وہ ہنستے ہنستے دوہری ہوئی جا رہی تھی ، بڑی مشکل سے سنبھلی ، اور کہنے لگی

"آپ تو بے انتہا دلچسپ ہیں ، مجھے اپنی اسی محرومی پر افسوس ہو رہا ہے اب تک آپ سے کیوں نہیں ملاقات ہوئی ، !"

میں نے کہا ، "شاید آپ نظر توجہ فرما رہی ہیں اس خاکسار ذرہ بے مقدار پر لیکن میری بہن گو اس عنایت کی شکر گزار ہوں ، لیکن یہ میرے درد کی دوا نہیں !"

وہ اٹھلاتی ہوئی اور مسکراتی ہوئی بولی ،

چھوڑیئے بھی ان باتوں کو ، جب چاہے آئینہ اٹھا کر دیکھ لیجئے ، آپ خود اپنے اوپر عاشق نہ ہو جائیں تو میرا ذمہ ، !"

میں نے کہا، اپنے آئینہ میں تو آپ ہی کی تصویر نظر آتی ہے، اور واقعی میں اس پر عاشق ہو چکی ہوں ——

اس نے کہا،

"کیسی دل فریب اور من موہنی باتیں ہیں آپ کی۔ —— شاید آپ لکھنؤ کی رہنے والی ہیں؟"

میں نے اقرار کرتے ہوئے کہا،

"جی ہاں، —— ہم رہنے والے ہیں اس اجڑے دیار کے، !، لیکن فکرِ روزگار کشاں کشاں یہاں لے آئی، !"

"کیا کرتی ہیں یہاں آپ؟"

"ایک اخبار کی اسٹاف رپورٹر ہوں، !"

"اور جاوید صاحب؟"

"وہ ایک اخبار کے معزز نمائندے ہیں، ٹھاٹھ سے رہتے اور شان کی زندگی بسر کرتے ہیں، !"

"وہ شان کی زندگی بسر کریں یا غربت کی، —— اور وہ سب کچھ کر سکتے ہیں، مگر میں ان سے ملنا چاہتی ہوں، کیا آپ میری رہنمائی کریں گی۔؟"

"ضرور جب چاہئے، —— لیکن ان سے مل کر آپ کیا کریں گی؟"

اوّل درجہ کے قوم پرست، آپ اسی درجہ کی سرکار پرست، —— !

وہ ہنسنے لگی، "اس سے کیا ہوتا ہے، ایک انسان کی حیثیت سے ان کا پایہ اتنا اونچا ہے کہ وہ کوئی جرم کریں تو بھی، ان سے محبت ہی کی جا سکتی ہے، نفرت نہیں کی جا سکتی، اور یہ تو صرف نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، ممکن ہے ان کا خیال صحیح ہو، ممکن ہے دوسروں کا، !"

میں نے داد دیتے ہوئے کہا،

"آپ تو بڑی وسیع الخیال، اور عالی ظرف معلوم ہوتی ہیں، مجھے خوشی ہے
میرا انتخاب غلط نہیں ثابت ہوا، !"

وہ پھر ہنسنے لگی، اور جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ دروازہ کھلا، اور ایک
مع ایک خاتون کے تشریف لائے، ان دونوں کو دیکھتے ہی وہ اٹھی، بڑے تپا
اور گرم جوشی سے ملی، پھر اس خاتون کا مجھ سے تعارف کراتے ہوئے کہا،

"یہ ہے میری نہایت عزیز سہیلی، محبوب دوست، اور پرانی یار غار، شہنا
ہم دونوں نے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کی، ——— ہائے وہ زمانہ، !"

پھر وہ مرد سے مخاطب ہوئی،

"انجم صاحب ان سے ملئے، یہ میری نہایت عزیز اور اجنبی دوست
ہیں، !"

میں نے اعتراض کیا،

"لیکن آپ نے میرا نام تو انہیں بتایا نہیں، !"

وہ ہنستی ہوئی گویا ہوئی،

"معلوم ہوتا تو بتاتی، ———

وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ لطف آ گیا، میں نے شہناز اور انجم سے کہا،
میرا نام کملا ہے، لکھنؤ کی رہنے والی ہوں، وہاں جب تک رہی کانگریس کا کا
کرتی رہی، یہاں جب سے آئی ہوں، یہی کام کر رہی ہوں، وہاں بیکار تھی، یہاں
اتفاق سے ہندوستان ٹائمز میں اسٹاف رپورٹر کی جگہ مل گئی ہے، وہاں گدا
بوریہ نشین تھی یہاں شاہ جمجاہ ہوں، وہاں دوسروں کے سر پڑی رہتی تھی؛ ا
یہاں، رنج وہاں ڈنر کہیں نہیں، اور یہاں چار سو روپے مہینہ پاتی ہوں

سہیلی کے ہاں رہتی ہوں، کھانا ناشتہ اس کے ذمہ، تنخواہ صرف میری،!"
میرے کانگریسی ہونے پر، انجم صاحب اور شہناز دونوں کچھ ذرا جزبز سے
ہوتے تھے، لیکن میری باغ و بہار باتیں سنکر دونوں پھول کی طرح کھل گئے،
شہناز نے کہا،
"آپ سے مل کر واقعی بڑی خوشی ہوئی آپ کے اور ہمارے سیاسی خیالات
کیسے ہی کیوں نہ ہوں، لیکن باہمی ربط ضبط اور میل جول تو بالکل الگ چیز ہے
اس میں تو فرق نہ آنا چاہیئے،!"
میں نے اطمینان دلایا،
"میری طرف سے تو کبھی نہیں آئے گا،!"
روحی نے انجم سے کہا،
"جاوید صاحب بھی تو یہیں ہیں،!"
وہ بولا، "ہاں یہیں ہیں،!"
روحی نے سوال کیا،
"خود تو حزب ملتے رہے ہوں گے، ہم سے آپ نے ذکر بھی نہیں کیا،!"
اس نے جواب دیا،
"میں آج تک اس سے نہیں ملا، نہ ارادہ ہے، ——— چونکہ میں اس کا نام
سننا نہیں چاہتا لہذا آپ سے ذکر بھی نہیں کیا،؟"
روحی نے حیرت سے مسٹر انجم کو دیکھا اور بولی،
"ارے ارے یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کہہ رہے ہیں یہ؟"
انجم صاحب نے سگریٹ کا ایک لمبا سا کش لیتے ہوئے کہا،
"میں اس سے بہت خفا ہوں، وہ نہایت نالائق ہو گیا ہے، اگر راستہ گلی

میں اتفاقاً کبھی ملاقات ہوگئی، تو اسے پہچاننے سے بھی انکار کر دوں گا،! "

میں بیچ میں بول پڑی،

"لیکن وہ تو اکثر آپ کا ذکر کیا کرتے ہیں اور وہ بھی بڑی محبت سے،! "

انجم کو شاید میری بات کا یقین نہیں آیا، کہنے لگا،

"آپ کی خاطر سے تردید نہیں کرتا، لیکن غور تو کیجئے، اس شہر میں آئے ہوئے ا

کتنے دن ہو گئے ہیں، آج تک ملنے کی توفیق نہیں ہوئی، اپنے آنے کی اس

اطلاع بھی نہیں دی، مجھے نہیں معلوم وہ کب آیا، اور کہاں ٹھہرا، لیکن اسے تو معل

تھا میں کہاں ہوں،! ——— اس سے بڑھ کر بھی کوئی بیہودگی ہو سکتی

کہ اس کے دلّی آنے کی مجھے اطلاع بھی نہ ہو، اور وہ میرے علاوہ کسی اور کے ہا

ٹھہرے،! " ——— نہیں مس کملا آپ اس کی سفارش نہ کیجئے میں اسے

ہرگز معاف نہیں کروں گا،! "

میں ہنسنے لگی، لیکن انجم صاحب میں نے سفارش کب کی جو آپ اسے قبول کر

سے انکار کر رہے ہیں آپ دونوں دوست ہیں چاہے لڑیں چاہے صلح رکھیں

میں بیچ میں ٹانگ اڑانے والی کون؟

روحی نے یہ ساری باتیں سنکر فیصلہ کیا،

"بہرحال آپ دونوں میں صلح ہو جانی چاہئے،! "

انجم نے کہا، " میں تیار ہوں، بشرطیکہ آپ بھی اختر سے صلح کر لیں،! "

یہ سنتے ہی وہ جھینپ گئی، اس کا رنگ رخ بدل گیا، پھر دفعتہً کھلکھلا کر ہ

پڑی اور بولی،

" دیکھئے انجم بھائی اس احمق کا ذکر کئے دفعہ کہہ چکی ہوں، میرے سامنے

کیا کیجئے، مگر آپ کی یہ عادت نہیں جاتی،! " میری آپ کی لڑائی ہو جائے گی

خیال ہے آپ اسے شہ دیتے رہتے ہیں'' !''

انجم نے انکار کیا،

" بالکل نہیں ——— میں تو اس کا ناصح مشفق بنا ہوا ہوں'' !''

روحی نے بے اعتباری کے لہجہ میں کہا،

" کس طرح مان لوں،'' ؟ دھر کچھ عرصہ سے وہ خاموش تھے، مگر کل ہی، پونہ سے جو ڈاک آئی ہے اس میں پھر ان کا ایک لمبا چوڑا خط وصول ہوا ہے' اور اس میں وہی بے تکی اور مہمل باتیں درج ہیں، میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب اگر ان کا کوئی خط آیا تو ضرور کمال صاحب کے حوالے کر دوں گی، پھر وہ خود ہی نپٹ لیں گے'' !''

انجم ہنسنے لگا، بڑا مزا آئے گا، ——— شاید پھر عمر بھر کے لئے عشق سے تائب ہو جائے،'' !'' ——— ہاں تو آپ جاوید کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں،'' ؟''

روحی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،

" میں تو کچھ بھی نہیں کہہ رہی تھی،'' !''

شہناز نے یاد دلایا،

ارے بھئی ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ جاوید اور انجم میں صلح ہو جانی چاہیئے، تم نے ایک سرسری سی بات کہی تھی، کہی، اور بھول گئیں، مگر ان حضرت کے تو دل سے لگی ہوئی ہے کہ جس طرح ہو سکے صلح کر لیں، لہٰذا اسی کی یاد دہانی کر رہے ہیں، ——— کرا دو صلح ورنہ مجھ سے ان کی جنگ کا سلسلہ شروع ہو جائے گا،'' !''

روحی نے حیران ہو کر پوچھا،

" تم سے کیوں جنگ کا سلسلہ شروع کر دیں گے ——— ؟ "

اس نے بتایا، "ان کی عادت ہے جب زیادہ پریشان ہوتے ہیں، تو جی بہلانے کے لئے مجھ سے بات بات پر لڑنا شروع کر دیتے ہیں"! "

روحی ہنسنے لگی، اس نے مجھ سے کہا،

"تو مس کملا ایسا کیجئے کہ آج شام کو کسی طرح جاوید صاحب کو یہاں لے آیئے جب تک یہاں پہنچ نہ جائیں، پتہ نہ چلے کہ کہاں لے جائے جا رہے ہیں، انجم صاحب پہلے سے یہاں موجود ہوں گے، پھر آپ اور ہیں دوسرے کمرے ہیں چل کر بیٹھ جائیں گے، اور گا ماز لیکو کشتی لڑکر اپنا فیصلہ کر لیں گے، ——— کہیے انجم صاحب منظور ہے؟"

انجم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا،

"منظور ہے"!"

"میں نے وعدہ کر لیا اور ایک شرط بھی پیش کر دی،

جاوید نے پوچھا،

شرط کیا پیش کی آپ نے؟ ضرور کوئی دلچسپ شرط ہوگی؟"

کملا نے کہا، "شرط یہ پیش کی کہ ہم دونوں کے ساتھ مس اوما بھی ہوں گی"!"

اوما بگڑ گئی،

"یہ کیا بیہودگی ہے، میں کیوں جاؤں ——؟"

کملا نے کہا سن تو لو بھائی، تمھارا نام سنتے ہی شہناز اور روحی دونوں اچھل پڑیں، جو تقریر تم نے کالج کے سالانہ جلسہ کے موقع پر، چند دن ہوئے پڑھی تھی، دونوں اس سے بہت متاثر ہیں، اور تم سے ملنے کی حد درجہ شائق ہیں شکریہ ادا کرو کہ میں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ تقریر میں نے لکھی تھی"!"

اوما ہنسنے لگی،

"چل ہٹ، ——— یہ لکھیں گی ایسی عالمانہ فاضلانہ تقریر،
یہ منہ اور مسور کی دال، !"

کملاتے شوخ نظروں سے ادما کو دیکھا اور بولی،

"خفا ہو گئیں ادما دیوی، اطمینان رکھو یہ راز غیروں پر منکشف نہیں ہوگا، اور اپنوں سے راز کو راز کی طرح چھپانا بدتمیزی اور بے ہودگی ہے'۔ بہر حال میرا جہاں تک تعلق ہے تمہاری اس 'افدری کا، میں نے ذرا برا نہیں مانا، جب چاہو ایک نہیں دس تقریریں لکھ دوں گی ——" سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے، !" ٭

# (۳۴)
# دوستوں کی ملاقات

جاوید جب کملا اور اوما کے ساتھ امپیریل ہوٹل میں پہنچا تو روحی اور کمال
سراپا اشتیاق بنے اس کا انتظار کر رہے تھے، کمال سے گویا پہلی ملاقات تھ
لیکن جاوید کا ذکر اس کثرت سے وہ سن چکا تھا کہ ملاقات میں اجنبیت ذرا بھی
تھی، اپنائیت بہت زیادہ تھی، ذرا دیر میں انجم اور شہناز بھی آ گئے، وہ آکر
کے پاس بیٹھ گئی، پھر جاوید سے مخاطب ہوئی،

"جاوید بھائی آپ سے کٹی، ——— ہم آپ سے نہیں بولتے

انجم نے نعرہ لگایا، "ہم بھی نہیں بولتے، ہم سے بھی کٹی، !"

پھر بغیر مصافحہ اور معانقہ کیے، وہ کمال کے پاس آکر بیٹھ گیا، جاوید
اٹھ کر زوردار مصافحہ انجم سے کرتے ہوئے کہا، "گوشت سے کہیں ناخن بھی
ہو سکتا ہے، !"

انجم نے جواب دیا، "اتنے دن تک کیا ہوتا رہا ہے ——— گو
الگ تھا یا ناخن جدا، !"

جاوید نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا، "اب ایسا نہیں ہوگا،
کہو تمہارے اخبار کا کیا حال ہے ؟"

انجم نے سگریٹ کا ایک لمبا سا کش لگایا اور کچھ سوچتے ہوئے کہا،
"شکر ہے خدا کا،!"
"بادش بخیر آپ کے ارض مقدس، یعنی وطن موعود پاکستان شریف کا کیا حال ہے؟"
انجم نے ایک قہقہہ لگایا،
"ارے بھائی، ارض مقدس اور وطن موعود کا طعنہ لاکھ دو، مگر وہ تو ایک اٹل حقیقت ہے، اسے اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی،!"
جاوید نے بھی ایک زور دار قہقہہ لگایا،
میرے دوست اس غلط فہمی میں نہ رہنا ——— ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور، یہ دل آویز مقصد، ہرگز تصور کی منزل سے آگے نہیں گزر سکتا،!"
انجم نے ماتھے پر بل ڈالے بغیر کہا،
جب کوئی نئی تحریک ابھرتی ہے تو اس کا استقبال اسی طرح کیا جاتا ہے، اسے ناکام بنانے کی سرگرم کوششیں کی جاتی ہیں، لیکن اگر وہ حق وصداقت پر مبنی ہوتی ہے، تو طوفان اختلاف کے باوجود پروان چڑھتی اور کامیاب ہو کر رہتی ہے، تم آج بڑھ بڑھ کر پاکستان کی مخالفت کر رہے ہو، اس کا مذاق اڑا رہے ہو، اسے ایک ناممکن تصور قرار دے رہے ہو، تمھاری بے پناہ ذہنی صلاحیتیں پاکستان کے خلاف، اور کانگرس کی حمایت میں صرف ہو رہی ہیں، لیکن شاید جلد ہی وہ دن آجائے گا، جب میں علی الاعلان کہہ سکوں گا،
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے،! ———
جاوید نے شوخ نظروں سے انجم کو دیکھا اور گویا ہوا،

"کچھ دماغ چل گیا ہے، اس بکواس کا کیا مطلب؟ موقع ہو یا نہ ہو، کوئی بھ
ہوا مصرعہ پڑھ دینے سے کیا مطلب؟"

انجم نے چھیڑتے ہوئے کہا،

"موقع کیسے نہیں ہے؟ آج تم صنم خانہ میں ہو، یعنی کانگرس کے نقیب
اور ترجمان بنے ہوتے ہو، کل تم ہمارے ساتھ ہو گئے، اور پاکستان کی جدو
میں حصہ لے رہے ہو گے، کتنا مبارک دن ہوگا وہ بھی!!"

جاوید نے ہنستے ہوئے کہا،

اتنا زیادہ مت بکو میری ذات سے اتنی بڑی بدظنی؟ میں پاکستان کی فوج کا
سپاہی بن سکتا ہوں؟ میں سارے ہندوستان سے دست بردار ہو کر، ایک چ
سے قطعۂ ارض پر قانع ہو سکتا ہوں؟ تم مجھے گالی دیتے ہو، اور وہ بھی میر
منہ پر؟

انجم اس گرم گفتاری سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا، اس نے کہا،

حالات ایسے ہیں کہ میری پیش گوئی حرف بحرف پوری ہو کر رہے گی،
یہ بات کہ تم سارے ہندوستان سے دست بردار ہو کر، ایک چھوٹے سے قط
ارض پر جس کا نام پاکستان رکھا گیا ہے قانع نہیں ہو سکتے، تو میرے بھا
جس طرح ساری دنیا سے دستبردار ہو کر، ایک چھوٹے سے قطعہ ارض پر جس
نام ہندوستان ہے قانع ہو سکتے ہو تو ہندوستان سے دستبردار ہو کر پاک
پر کیوں نہیں قانع ہو سکتے؟ اگر دنیا میں ہندوستان کے وجود کا جواز ہے
ہندوستان میں پاکستان کیوں نہیں بن سکتا؟"

اوما اور کملا دوسری طرف شہنانہ اور روحی سے گھل مل کر باتیں کر ر
تھیں کملا کے کان میں انجم اور جاوید کی باتوں کی بھنک پڑی، تو اس نے جا

ے شکایت آمیز لہجہ میں کہا،

"آپ لوگ اکیلے اکیلے کیا باتیں کر رہے ہیں؟"

جاوید نے کہا،

"لڑ رہا ہوں"!"

کلا آ کر پاس بیٹھ گئی،

"کس سے لڑ رہے ہیں؟"

جاوید نے انجم کی طرف اشارہ کیا،

"سلطان محمود غزنوی سے"!"

یہ بات اس نے کچھ اتنی بے ساختگی سے کہی کہ خود انجم کو بھی ہنسی آ گئی، اس نے کلا سے کہا،

"یہ ایک دیوانہ شخص ہے، اس کی باتوں پر یقین نہ کیجے"! ——————

یہ اکثر لڑا کرتا ہے مجھ سے"!"

"لیکن اس لڑائی کی کوئی بنیاد بھی تو ہو گی انجم صاحب!"

"بنیاد ہوتی تو پھر رونا کس بات کا تھا مس کلا"! —————— میں کہتا ہوں، دو اور دو چار ہوتے ہیں یہ کہتا ہے نہیں پانچ ہوتے ہیں، میں کہتا ہوں" دودھ کا رنگ سفید ہوتا ہے اس کا قول ہے کالا ہوتا ہے، میں کہتا ہوں حق کامیاب ہوتا ہے" اور باطل ناکام، یہ کہتا ہے، حق کے لئے ناکامی، اور باطل کے لئے کامیابی مقدر ہو چکی ہے، میں کہتا ہوں دنیا کی ہر قوم کو حق خود ارادیت ملنا چاہیے، یہ کہتا ہے نہیں ملنا چاہئے، میں کہتا ہوں، پاکستان مسلمان قوم کا آخری اور اٹل مطالبہ ہے، یہ کہتا ہے کسی قیمت پر بھی یہ مطالبہ منظور نہیں کیا جا سکتا" —————— یہ ہے میری اور جاوید کی جنگ

پانی پت کی کہانی، !"

کملا غور سے انجم کی باتیں سنتی رہی پھر گویا ہوئی،

"یک بیک میدان کیوں تبدیل کر لیا آپ نے؟"

انجم سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا،

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

وہ بولی، "ابھی تو آپ محمود غزنوی بنے ہوئے تھے، دفعتاً احمد شاہ ابدالی کیسے بن گئے؟ ——— خیر، بڑی دلچسپ جنگ ہے، ہم بھی یہ تماشہ دیکھنا چاہتے ہیں،

روحی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا،

"توبہ ہے انجم بھائی، کبھی ذرا دیر کے لئے تو پاکستان کو بھول جایا کیجئے اور آج کتنی اچھی محفل جمی ہوئی ہے، یہ باتیں بعد میں کیجئے گا، مجھے ایک مخبر نے خبر دی ہے کہ مس ادما گانا بہت اچھا جانتی ہیں، ———

ادما نے فوراً تردید کی،

"جھوٹ، بالکل جھوٹ سفید جھوٹ، !"

کملا تڑ سے بولی،

"سچ، بالکل سچ، سفید سچ، !"

اس بے ساختہ جواب پر سب کو ہنسی آگئی، روحی نے کملا کی تائید کرتے ہوئے کہا،

"ادما بہن انکسار سے کام نہیں چلے گا، گانا تو ہم سنیں گے، اور آپ کو سنانا پڑے گا، ! ورنہ پھر ایسی جنگ ہوگی کہ فیلڈ مارشل لارڈ ویول بھی منہ دیکھتے رہ جائیں گے، !"

اومانے روحی کے بجائے جاوید سے مخاطب ہو کر کہا،

"آپ اپنا کام جاری رکھئے، یعنی خوب لڑیئے، ہمیں بھی دیکھنا ہے کون جیتتا ہے،!"

جاوید نے سوکھا سا منہ بنا کر کہا،

"ہم نے عارضی صلح کرلی ہے، اور یہ اسی وقت ٹوٹے گی جب آپ گانا سنا چکیں گی، لہذا اگر ہماری جنگ کا تماشہ دیکھنا ہے تو پہلے گانا سنا دیجئے، پھر دیکھئے کیسی چومکھی جنگ لڑتے ہیں ہم لوگ،!"

انجم بھی سنبھل کر بیٹھ گیا،

"مجھے جاوید کی رائے سے کامل اتفاق ہے مس اوما،!"

---

## (۵)
# حادثے

حادثے آتے ہیں اور گزرتے رہتے ہیں، کچھ ایسے ہوتے ہیں، جو آ
ہیں اور گزر جاتے ہیں، زندگی کے سمندر میں ان سے کوئی خاص ہلچل برپا نہیں
اور ہوتی بھی ہے تو صرف اتنی جتنی کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں کنکر پھینک دی
مختصر سے دائروں اور لہروں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، لیکن کچھ ایسے ہوتے
جو زندگی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں، زیروزبر کر دیتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
کا آخری وقت آگیا ہے، جس کی تعبیر درد نے ان الفاظ میں کی ہے،

"زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے"
——!

جاوید، اوما، اور کملا کی زندگی میں بھی کچھ عرصہ تک، دلّی کی بے فکر اور مطمئن ز
گزارنے کے بعد اسی طرح کے حادثات رونما ہوتے، اور ان حادثوں نے
یہ کہ زندگی کی رعنائی چھین لی، بلکہ زندگی کو بھی خطرہ میں ڈال دیا، یہ حادثے ذا
بھی تھے اور قومی بھی، اور ان دونوں سے مل کر زندگی پہ ایسی غارت گری کہ لینے ک
دینے پڑ گئے،

ایک روز بیٹھے بیٹھے برجی اس دنیا سے سدھار گئے، برجی جب تک زندہ تھے، اوما کو زندگی کی ہر راحت اور عافیت میسر تھی، کسی طرح کی فکر و تشویش نہ تھی، جو چاہتی تھی وہ ہوتا تھا، جو مانگتی تھی وہ پاتی تھی، گھر کی آبادی اور رونق میں کسی طرح کی کمی نہ تھی، بلکہ ان کے دم سے اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا، ہر طرح کے لوگ، قوم کے اہل علم، ہر نقطۂ خیال کے ارباب فکر آتے رہتے تھے، ان کے آنے سے ایک طرح کی بہار آجاتی تھی علم میں اضافہ ہوتا تھا، تہذیب کے گُر معلوم ہوتے تھے، نئے نئے نقطۂ نظر سامنے آتے تھے، فکر و خیال کے نئے نئے سانچے ڈھلتے اور بنتے رہتے تھے، ——— لیکن برجی کے رخصت ہوتے ہی یہ ساری باتیں بھی ختم ہو گئیں، وہی گھر جو ان کے دم سے چمن بے خزاں بنا ہوا تھا اب ایک اجڑا ہوا باغ تھا، جس میں نظر کو طراوت بخشنے والی ہریالی تھی نہ روح میں اہتزاز پیدا کرنے والی فضا، جب کوئی مشکل پیش ہوتی، جب کوئی دشواری حائل ہوتی، برجی کا دامن بہترین پناہ گاہ ثابت ہوتا، ——— لیکن اب؟ اب نہ برجی تھے نہ وہ پناہ گاہ،!

باپ کے غم سے ابھی اوما سنبھلنے نہ پائی تھی کہ قانون شکنی کرتی ہوئی کملا گرفتار ہوئی، سرسری سماعت کے بعد اسے چھ مہینہ کے لئے جیل بھیج دیا گیا ملک و قوم کی خدمت کرتے ہوئے، قانون شکنی کے جرم میں گرفتار اور سزایاب ہونا، کملا کے لئے باعث مسرت اور اوما کے لئے باعث فخر تھا، لیکن جس موقع پر وہ گرفتار ہوئی تھی، وہ بڑا نازک تھا، کملا کے جیل جانے کے بعد اوما بالکل تنہا رہ گئی، برجی کی جدائی کا غم کملا اپنی خدمت اور خلوص سے کم کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی، دل سنبھلے یا نہ سنبھلے، آنسو رکیں یا نہ رکیں لیکن ایک طرح کا سکون تو تھا، کملا کی غیر موجودگی سے اب وہ بھی گیا،!

کملا کے بعد جاوید کا وجود اوما کے لئے اور زیادہ قیمتی ہو گیا تھا، ویسے بھی
بہت کچھ تھا، لیکن باپ کے مرنے اور کملا کی سزایابی کے بعد اس کی اہمیت
اور زیادہ بڑھ گئی تھی، دن بھر میں کئی مرتبہ وہ پھیرا لگا جاتا تھا، شہر کے کسی گوشہ میں
کسی کام میں مصروف ہو، کیسا ہی اہم کام ہو، لیکن ممکن نہ تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھ
کر دن میں تین چار پھیرے اوما کے ہاں نہ کرے، اور شام کو کاموں سے فراغت
کر کے تو رات کو بڑی دیر اوما کے پاس بیٹھتا اور اس کا دل بہلایا کرتا تھا، اس کی مو
ہی کچھ کم مایۂ تسکین نہ تھی، پھر اس کی غمگساری اور ہمدردی تو واقعی زخم دل کے ل
مرہم بن جاتی تھی، وہ پہلے بھی جاوید کو چاہتی تھی لیکن اب تو اسے اپنے لئے ضرور
زندگی میں سے سمجھنے لگی تھی، !

لیکن قسمت کھڑی مسکرا رہی تھی، !

یہ آخری سہارا بھی وہ چھین لینا چاہتی تھی اور اس نے چھین بھی لیا، !

جاوید کمزور طبیعت کا آدمی نہیں تھا، وہ آہنی عزم اور اٹل ارادہ کا انسان تھا
جس بات کو سچ سمجھتا اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتا، جس مسلک کو اختیار کرلیت
اس کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کرتا، میدان میں اتر آتا تو زندگی اور موت کی
فکر سے آزاد ہو جاتا، اس نے سوچ سمجھ کر سیاسی مسلک اختیار کیا تھا اور اس پر
سختی سے قائم تھا، کوئی لالچ، کوئی دھمکی اسے اپنے راستہ سے منحرف نہیں کر سکی
تھی اپنے مسلک کے لئے اس نے تکلیفیں اٹھائی تھیں قربانیاں دی تھیں، د
جھیلے تھے، ایثار کیا تھا، فاقے کئے تھے، بیکاری اور بے روزگاری کی زندگی بس
کی تھی، پولیس والوں کی لاٹھیاں کھائی تھیں، گولیاں روکی تھیں، یہ سب کچھ کسی لا
سے نہیں دلی جذبہ سے مجبور ہو کر کیا تھا، وہ کہا کرتا تھا میری رائے غلط ہو سکتی
ہے لیکن میری نیت غلط نہیں ہے، اسی لئے نہایت استقلال و استقامت

ساتھ اپنے راستے پر گامزن تھا،

یہ زمانہ جوش وخروش کا تھا، اکثریت اور اقلیت کی کشمکش میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا، اور تلخی بڑھتی جاتی تھی، راج گوپال اچاریہ نے پاکستان کی تائید میں ہلکی سی آواز بلند کی تھی، وہ اپنی قوم کے معتوب قرار دیے گئے، ان پر گندے انڈے پھینکے گئے، انہیں کانگرس سے نکال دیا گیا، ان کی پبلک زندگی ختم کرنے کی کوشش کی گئی، بھولا بھائی ڈیسائی نے لیاقت علی خاں سے صلح ومفاہمت کی گفتگو کی تھی کہ مرکز میں ایک متحدہ وزارت قائم کی جائے، یہ گفتگو مفاہمت اصول توڑ کر نہیں بلکہ اصولوں میں کسی حد تک لچک پیدا کر کے کی گئی تھی، کانگرس اور مسلم لیگ کے موقف میں کوئی بنیادی تبدیلی پیش نظر نہ تھی، صرف مفاہمت کا جذبہ کارفرما تھا، لیکن یہ اتنا بڑا اور سنگین جرم قرار پایا کہ بھولا بھائی ڈیسائی کو ہندو قوم کا غدار قرار دیا گیا، کانگرس نے انہیں دشمن نمبر ایک کا خطاب دیا، وہ ہمیشہ سے مرکزی اسمبلی میں کانگرس پارٹی کی قیادت کرتے آتے تھے، لیکن اس مرتبہ نئے انتخابات میں پٹیل نے انہیں اسمبلی کا ٹکٹ تک نہ دیا، گویا اب وہ اس قابل بھی نہیں رہ گئے تھے کہ اسمبلی کے ممبر بن سکتے، اسی طرح جو مسلمان کانگرس کی حمایت کرتے تھے، اور اپنے نیشنلزم پر مصر تھے وہ اپنی قوم میں معتوب تھے، نہ ان کی کوئی عزت تھی نہ وقعت، انہیں حقیر و ذلیل سمجھا جاتا تھا، اور یہ بات گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ وہ اپنی قوم کے مسلّمہ غدار ہیں،

"ہندوستان خالی کردو،" کی تحریک ختم ہو چکی تھی، جنگ بھی آخری مراحل پر تھی، اور اتحادیوں کی کامیابی کے امکانات روشن تر ہوتے جارہے تھے، ان حالات میں حکومت نے کوشش کی کہ کانگرس اور لیگ میں اتحاد ہو جائے، یہ اتحاد نہ ہو سکا تو اب یہ طے ہوا کہ عام انتخاب مجلس آئین ساز کے کرائے جائیں،

اور انھیں فیصلہ کن قرار دیا جائے، اگر کانگرس ہندو نشستوں پر قبضہ کر لیتی ہے اور لیگ مسلم نشستیں جیت لیتی ہے، تو اصولی طور پر یہ بات مان لی جائے گی یہ دونوں جماعتیں ملک کی دو بڑی قوموں کی واحد نمائندہ جماعت ہیں، اور یہ مان لینے کے بعد مستقبل کا فیصلہ اسی روشنی میں کیا جائے گا،

انتخاب میں کامیابی کے لئے، ہر جماعت پوری کوشش کر رہی تھی، ایک طرف کانگرس ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی، دوسری طرف لیگ نے تن من دھن کی بازی لگا دی تھی، کانگرس کی خواہش تھی کہ تمام، ورنہ زیادہ سے زیادہ مسلم نشستوں پر قبضہ کر لے، چنانچہ اس نے قوم پرست مسلمانوں کو اپنا نمائندہ بنا کر کھڑا کیا اور ان کی امداد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، لیگ کا یہ فیصلہ تھا کہ ایک مسلمان بھی کانگرس کے ٹکٹ پر کامیاب نہ ہونے دیا جائے،

جیسے جیسے انتخاب عام کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا، گہما گہمی بڑھتی جاتی تھی، جلوس جلسے، مظاہرے، نعرے روزمرہ کا معمول بن گئے تھے، اخبارات میں زور دار مضامین نکلتے تھے، اور مخالف جماعت کی پول کھولی جاتی تھی، عظیم الشان عام اجتماعات ہوتے تھے اور ان میں شعلہ بار تقریریں کی جاتی تھیں، چھوٹی چھوٹی ٹولیاں اور ٹکڑیاں شہر کے مختلف حلقوں اور محلوں کا گشت کرتی رہتی تھیں اور اپنے خیال وعقیدہ کی تبلیغ میں منہمک رہتی تھیں، کبھی کبھی ان ٹکڑیوں اور جماعتوں میں تصادم کی بھی نوبت آجاتی تھی، جو سر پھٹول اور خون خرابے پر ختم ہوتی تھی،

جاوید ان لوگوں میں تھا، جن کی دلی آرزو تھی کہ لیگ کا ایک نمائندہ بھی کامیاب نہ ہو، صرف کانگرس کے نامزد مسلمان کامیاب ہوں، لیکن جاوید میں اور اس کے ہم خیالوں میں ایک فرق یہ تھا کہ دوسرے اپنی سرگرمیاں صرف تقریر و تحریر تک محدود رکھتے تھے اور جاوید سراپا عمل بنا ہوا تھا، وہ اخبارات میں مضا

بھی لکھتا تھا، ——— اردو میں بھی اور انگریزی میں بھی، ——— ساتھ ہی ساتھ تقریر بھی کرتا تھا، جلوس کی قیادت بھی کرتا تھا، مظاہروں میں بھی حصہ لیتا تھا دن ہو یا رات، دوستوں کا مجمع ہو یا مخالفوں کا، کانگرسی مسلمانوں کا سامنا ہو یا لیگی مسلمانوں کا، وہ فاش اور برملا، دل کی بات، نتائج سے بے پروا ہو کر زبان پر لے آتا تھا، خواہ انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو،

چونکہ اس انتخاب پر جاوید کے نقطۂ نظر سے قومیت متحدہ، اور آزادیٔ ہند کے مستقبل کا فیصلہ تھا، لہٰذا ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر، وہ سراپا عمل بنا ہوا تھا، بعض دوست سمجھاتے کہ کیوں آگ سے کھیل رہے ہو، اپنے مسلک پر شوق سے قائم رہو، اپنے دل کی بات کہو بھی اور لکھو بھی، لیکن ہر شخص وقتے و ہر نکتہ مقامے وارد مخالفوں کے جلسے میں پہنچنا، اور ان کے اسٹیج پر ان کی مخالفت میں تقریر کرنا مصلحت اور دانش کے خلاف ہے، لیکن ان مشوروں کو وہ خاطر میں نہ لاتا، اس کا جواب یہی ہوتا کہ جو لوگ میرے ہم خیال ہیں ان کے سامنے تقریر کرنے سے کیا فائدہ؟ جو کانگرس کو ملک کی واحد نمائندہ جماعت، اور بھارت کی تمام اقلیتوں کا ترجمان سمجھتے ہیں، ان کے سامنے کانگرس کے گن گانے سے کیا حاصل؟ یہ باتیں تو انہی لوگوں کے سامنے کہنی چاہئیں جو کانگرس کی اس حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے، جو فرقہ پرست ہیں، کانگرس کو بھی لیگ کی طرح ایک فرقہ وارانہ جماعت سمجھتے ہیں، ضرورت ان کے خیالات بدلنے اور ان کی اصلاح کرنے کی ہے!

چنانچہ ایک روز اسی سعی اصلاح میں اس کی شامت آ گئی، !

جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد، عام طور پر سیاسیات حاضرہ پر تقریریں ہوا کرتی تھیں، اس پلیٹ فارم پر لیگ کا قبضہ تھا، ان تقریروں میں لیگ کے امیدوار کی حمایت کی فضا ہموار کی جاتی تھی، لیگ کی نمائندگی اور قائد اعظم کی قیادت کا اعتراف کیا

جاتا تھا، اور اللہ اکبر کے پُرجوش اور پُرخروش نعروں سے ان خیالات کی
کی جاتی تھی، ایک مرتبہ ایسے ہی موقعہ پہ ایک صاحب نے لیگ کی تائید میں
معرکہ آرا تقریر کی، اور سارے مجمع کو اپنا ہمنوا بنا لیا،

تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ جاوید کھڑا ہوا، اور اس نے کہا،

مجھے آپ کے خیالات سے اختلاف ہے، آپ نے جو کچھ کہا ہے غلط کہا
ہندوستان میں صرف ایک ہی سیاسی جماعت ہے، اور وہ کانگرس ہے،
کا پلیٹ فارم ہر قوم کے لئے کھلا ہوا ہے، نہ وہ مہاسبھا کی طرح صرف ہندؤں
ہے نہ لیگ کی طرح صرف مسلمانوں کی، وہ ہندوستان کی ہر قوم کی ترجمان اور
ہے، جو لوگ لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں گے، وہ اس ملک میں فرقہ پرستی
زہر پھیلائیں گے، اور متحدہ ہندوستان سے غداری کریں گے، مہاتما گاندھی —

---

اس سے زیادہ جاوید نہ کہہ سکا، حاضرین میں ہلچل پیدا ہوئی، بیٹھ جاؤ، بیٹھ
جاؤ، نہیں بیٹھیں گے، نہیں بیٹھیں گے، لیکن جاوید اپنی جگہ کھڑا رہا، اور تقریر کرتا
——— وہ اس وقت تک کھڑا رہا، اور تقریر کرتا رہا، جب تک پا بدست
دگرے دست بدستِ دگرے، ہسپتال نہ پہنچا دیا گیا، !

اور ماگو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو وہ بے ہوش ہو گئی، ! ❊

---

(۶)

# نوک جھونک

ان پے بہ پے حادثات نے اوما کو حواس باختہ کر دیا، اس کی افسردگی اور دل گرفتگی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا، وہی گھر جہاں ہر وقت چہل پہل، گہما گہمی اور رونق رہتی تھی، اب ایک ویرانہ نظر آنے لگا، جہاں نہ چہچہے تھے، نہ قہقہے، نہ مجلس آرائیاں نہ عنوان تکلم، نہ محبت کی باتیں، نہ الفت کے چرچے، نہ سیاسیات وطن پر مباحثے، نہ ملک کے لیڈروں پر تنقیدیں، نہ متحدہ ہندوستان کا خوش آئند خواب، نہ آزادیٔ ہند کے ترانے اور نغمے،

اوما کا بہ معمول تھا کہ کالج سے واپس آنے کے بعد وہ سیدھی ہسپتال جاتی تھی اور پھر بڑی دیر تک جاوید کے پاس بیٹھا کرتی تھی، آج بھی کچھ پھل خرید کر گئی، وہ اسپتال پہنچی، جاوید پٹیوں میں لپٹا بستر پر دراز تھا، پاس ہی ایک کرسی پر انجم بیٹھا تھا، وہ آئی، انجم اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا، ایک افسردہ تبسّم سے اس نے اس تپاک کا جواب دیا، پھر اس سے مخاطب ہوئے بغیر، دوسری کرسی پر بیٹھ گئی، اور جاوید سے کچھ کہے بغیر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر حرارت کا اندازہ کیا، پھر نبض دیکھی اس کے بعد ٹمپریچر لیا، اسے جھٹک کر نلکی میں رکھتے ہوئے کہنے لگی،

"بخار تو نہیں ہے، مگر ماتھا کیوں گرم ہے، ؟ "

جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا،

انجم سے لڑائی ہوگئی تھی، شاید دل کی گرمی ماتھے پر آگئی ہو، !

اوما نے تیور چڑھا کر جاوید کو دیکھا، پھر بولی،

آخر آپ ہر وقت لڑنے پر اور بحث کرنے پر کیوں ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہیں؟ سوچے سمجھے فیصلے بحث سے تو طے نہیں ہوا کرتے، نہ گرما گرم مباحثوں سے انجم صاحب کی رائے میں تبدیلی ہوگی، نہ آپ کی، پھر سر کھپانے سے کیا حاصل،،؟

انجم نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا،

یہی تو میں بھی کہتا ہوں لیکن اس دیوانے کی سمجھ ہی میں نہیں آتا، !،

اوما نے بڑے درد بھرے لہجہ میں کہا،

" پھر آپ ہی نے تھوڑا سا صبر کر لیا ہوتا، نہ بحث کرتے، جانتے تو ہیں، ان کی طبیعت کا کیا حال ہے، فکر و نظر کا اختلاف اپنی جگہ، لیکن دوست کی صحت اور زندگی کا تو خیال رکھنا چاہیے، ——— اچھے دوست ہیں آپ بھی !،

انجم کچھ جھینپ سا گیا،

" مس اوما بات یہ ہے کہ یہ چھیڑ چھیڑ کر بحث کرتا ہے، ! "

تیکھے لہجہ میں اوما بولی،

" اور جواب دینا فرض ہے، ! "

انجم ہنسنے لگا،

" لیکن مس اوما سنئے تو سہی، میں آیا، اور وہ سب کچھ میں نے بھی کیا جو ابھی آپ نے کیا تھا، یعنی ماتھا بھی ٹٹولا، نبض بھی دیکھی، ٹمپریچر بھی لیا، اور پھر بڑے محبت بھرے لہجہ میں سوال کیا، کیوں بھئی جاوید کیسے ہو؟ یہ سنتے ہی حضرت برس پڑے

زمانے لگے، تمہیں کیا؟ اگر میں مار ڈالا جاتا تو شاید تم گھی کے چراغ جلاتے دور کعت شکرانے کی نماز پڑھتے۔ میں نے کہا خدا کے بندے یہ کیا کہہ رہے ہو؟ فرمایا، اردو زبان میں بول رہا ہوں، جو میری اور تمہاری مادری زبان ہے، میں نے عرض کیا کیا تم سمجھتے ہو میں تمہاری تکلیف سے خوش ہو سکتا ہوں؟ کہنے لگے تم سے بڑھ کر خوشی کا حق اور کسے ہے؟ ایک دشمن پٹا، اور اگر یہ دشمن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹ جاتے، تو اور زیادہ خوش ہو لیتا، یہ ہے آپ کی لیگی سیاست، میں نے کہا، مجھے گالیاں دیتے دیتے لیگ پر آ گئے؟ کہنے لگے، جن بزدل لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا وہ لیگی ہی تو تھے، میں نے بتایا ہرگز نہیں تھے، اگر لیگی ہوتے، تو لیگ کے اخبار و منشور، میں میں ان کے خلاف مضمون کیوں لکھتا؟ کہنے لگے یہ مگرمچھ کے آنسو ہیں ——— (فائل سے ایک اخبار نکال کر اوما کی طرف بڑھاتے ہوئے)

——— آپ بھی دیکھ لیجئے مگرمچھ کے آنسو ———

اوما نے اخبار انجم کے ہاتھ سے لے لیا، اور اسی حادثہ پر جو مضمون اس نے لکھا تھا، اسے شروع سے آخر تک پڑھا، پھر اسے واپس کرتی ہوئی بولی،

واقعی بہت اچھا مضمون لکھا ہے آپ نے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کتنے شریف آدمی ہیں،'!،

انجم نے جواب میں کہا،

اور یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ جس جماعت سے میں وابستہ ہوں، وہ طاقت کے بل پر فکر و نظر کے اختلاف کا فیصلہ پسند نہیں کرتی،'!"

اوما مسکراتی ہوئی بولی،

"حقائق کا انکار نہ کیجئے انجم صاحب، !"

اور پھر انجم کا جواب سنے بغیر، اس نے پھلوں کی ٹوکری میں سے کچھ سنترے

انگور، اور انار نکالے، ان کا افشردہ تیار کر کے گلاس جاوید کی طرف بڑھایا،

"لیجئے، پی لیجئے"! "

جاوید نے اٹھنے کی کوشش کی، ادما نے ایک ہاتھ سے گلاس سنبھالا، دوسرے سے اسے پھر لٹا دیا،

"لیٹے رہیے، لیٹے لیٹے پی لیجئے"! "

جاوید نے کوئی مزاحمت نہیں کی، انجم نے کہا،

"اس شخص کے لئے آپ ہی جیسا تیماردار چاہیے، یہ کسی کی نہیں سنتا لیکن آپ کے فرمان کے سامنے کس طرح سر جھکا دیتا ہے"! "

ادما مسکرانے لگی"! ٭

---

## (۷)

# جیل

جیل میں کملا کو کسی طرح کی تکلیف نہیں تھی، ہر طرح کی سہولتیں میسّر تھیں، لکھنے پڑھنے ملنے جلنے پر بھی کوئی پابندی نہ تھی، اوما اکثر آتی رہتی، جاوید اوما کے ذریعہ خیریت پوچھتا رہتا شہناز کئی مرتبہ اوما کے ساتھ، ایک آدھ مرتبہ انجم کے ساتھ ملنے آتی اور جب آتی، تو بہت سے پھل، مٹھائیاں اور کھانے پینے کی بہت سی چیزوں کا انبار بھی ساتھ لاتی، انجم سے ایک مرتبہ ...نے کہا۔

انجم صاحب سمجھ میں نہیں آتا آپ اس خاکسار کو اس قدر کانٹوں میں کیوں گھسیٹتے رہتے ...؟ شہناز کا آنا تو سمجھ میں آتا ہے، بیچاری سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی، اور رکھتی ...ہے تو صرف آپ کی وجہ سے، اور عورت چونکہ مہر و محبت کی پتلی ہوتی ہے، اس لیے میری ...کی زندگی سے اس کا کڑھنا، اور مجھ سے ہمدردی رکھنا قدرتی ہے، لیکن آپ؟ —— ...کو مجھ سے کیوں ہمدردی ہے؟ آپ کیوں میری خبر گیری کے لیے تشریف لاتے ہیں؟ میرا ...چلے تو آپ کو ہمیشہ کے لیے جیل ہی بند کر دوں، آپ کا بس چلے تو مجھے پھانسی پر لٹکا ...دیں۔

انجم نے کملا کو آگے کچھ نہیں کہنے دیا،

"آپ نے برے اور اپنے مابین اتنا بڑا فرق کیوں رکھا ہے؟

کملا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا،

کیسا فرق؟ میں نہیں سمجھ سکی، ؟

انجم نے بتایا، میں اگر بس چلنے پہ آپ کو پھانسی دے سکتا ہوں، تو آپ قابو پا
مجھے صرف عمر بھر کیلئے جیل کیوں بھیجیں گی؟ پھانسی کیوں نہیں دیں گی؟

کملا ہنسنے لگی، انجم صاحب یہ تو بہت معمولی بات ہے، میں عورت ہوں آپ مرد
میں بڑی سے بڑی سزا عمر قید ہی کی دے سکتی ہوں، اور وہ بھی شاید کسی دن رحم آ جا
معاف کر دوں، آپ، میرا مطلب ہے مرد حضرات خدا نظر بد سے بچائے، کیا کچھ نہیں کر
شقاوت اور سنگ دلی میں اپنی مثال آپ ہیں، لہذا آپ تو پھانسی دیے بغیر ماننے کے
نہیں ———

شہناز بیچ میں بول پڑی۔

خدا نہ کرے، کملا کیوں ایسی باتیں کرتی ہو خواہ مخواہ، ؟"

کملا نے اسے گلے سے لگا لیا۔

میری پیاری بہن،

پھر انجم سے گویا ہوئی،

کیسے آیا کچھ سمجھ میں جناب کی، ؟

انجم نے جواب دیا، "نہیں آیا، نہ آنا چاہیئے، میں تو ایک بات جانتا ہوں مس کملا
" (مسکراتے ہوئے) صرف ایک بات؟ ——— نہیں آپ بہت سی باتیں
،ہیں،

" مذاق نہیں، ——— میں ایک بات جانتا ہوں، ہمارے اختلافات کتنے ہی گہ
اور ناقابل مفاہمت کیوں نہ ہوں، لیکن ہمیں ایک دوسرے کی دیانت پر شک ———
جب تک واضح ثبوت نہ مل جائے ——— شبہ نہیں کرنا چاہیئے، میرا خیال ہے کہ

...یں نے اختیار کیا ہے، وہی سچا راستہ ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے راستے کے
...یں بھی یہی خیال رکھتا ہے تو اسے حق ہے، آدمی غلط راستے پر چل کر بھی دیانت دار
...سکتا ہے، ——————

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انجم صاحب؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں،!"

"پھر غور کر لیجئے!"

"کر لیا ہے، —————— مثلاً میرے خیال میں آپ کا راستہ غلط ہے، لیکن میرے
...ں آپ کی عزت ہے، عظمت ہے، محبت ہے، وہی محبت جو ایک بھائی کے دل میں ایک
...کی ہو سکتی ہے ——————

کملا ہنسنے لگی،

"اس بھائی بہن کی پیش بندی کی کیا ضرورت تھی؟ کیا شہناز کے ڈر سے؟ یا سچ مچ؟!"
"(ہنستے ہوئے) میری باتیں سنیئے، دل لگی بھر ہوتی رہے گی، —————— لیکن کیوں
...یرے دل میں آپ کی عزت، اور عظمت اور محبت؟"

"میں کیا جانوں؟ میرے خیال میں تو آپ مجھے بنا رہے ہیں، اور ایمان کی بات یہ ہے کہ
...نے میں مجھے لطف آرہا ہے، لہذا آپ کہتے، میں سن رہی ہوں!"

"جی نہیں، جہاں عزت اور محبت ہو، وہاں بنانے کا کیا سوال؟ میرے دل میں آپ کے
...جذبہ اس لیے ہے کہ میں دیکھتا ہوں، آپ کو نہ وزارت مل سکتی ہے، نہ قیادت، نہ
...ولائسنس، نہ اسمبلی کا ٹکٹ ——————

"واہ انجم صاحب اچھی قدر افزائی کی آپ نے، کیوں نہیں مل سکتیں یہ چیزیں مجھے؟
...بالکل ہی نالائق ہوں؟"

"آپ کی قابلیت میں شبہ نہیں، لیکن یہ چیزیں جن لوگوں کو ملتی ہیں آپ ان میں نہیں ہیں،

پھر بھی آپ نے اپنے سوچے سمجھے خیالات کو عمل میں لانے کے لیے، اپنا مستقبل برباد کر
اپنے حال کو بدتر بنا لیا، آسائش اور راحت کی زندگی سے منہ موڑ لیا، نہایت خاموشی کے
ساتھ جیل میں قید کی زندگی بسر کر رہی ہیں، خیال اور عقیدہ کے لیے مصائب کا خیر مقدم
بھی تو دیانت فکر کی دلیل ہے،!"

"(مسکراتے ہوئے) شکریہ، گویا میں بھی کچھ ہوں؟ ——— ہم بھی ہیں پانچ
سواروں میں،!"

"جی ——— اور اس کے علاوہ، میں نے ایک بات اور بھی دیکھی ہے آپ
میں، ———"

"بھئی آپ تو یہ باتیں کر کر کے مجھے مغرور بنا دیں گے، اب چھوڑیئے قصیدہ خوانی، کوئی
اور ذکر شروع کیجئے،"

"کوئی اور ذکر بعد میں شروع ہوتا رہے گا، آپ نے مجھ پر بڑا سنگین الزام لگایا تھا
مجھے صفائی دینے دیجئے، ———!"

"اچھا خفا نہ ہویئے، ——— فرمایئے کون سی ہے وہ ایک اور بات،!"

"یہ کہ آپ میں تعصب بالکل نہیں ہے، آپ کی نظر میں ہندو اس لیے معزز نہیں ہے کہ
ہے اور مسلمان اس لیے ذلیل نہیں ہے کہ مسلمان ہے، آپ انسان کو دیکھتی ہیں، یہ اتنی بڑی
خوبی ہے کہ ساری خوبیاں اس کے آگے ہیچ ہیں،!"

"ہاں میں انسان کو انسان کی حیثیت سے دیکھتی ہوں، مذہب انسان کا نجی معاملہ
کم از کم میں یہی سمجھتی ہوں،!"

"اسی چیز نے تو آپ کی عظمت میرے دل میں پیدا کی ہے،!"

"میں ایک مسلمان سے بھی اتنی ہی محبت کرتی ہوں، جتنی ایک ہندو سے، میں ایک
ہندو سے بھی اتنی ہی محبت کرتی ہوں، جتنی ایک مسلمان سے، ——— اس لیے کہ دونوں

انسان ہیں'! اور انسانیت ہر تفریق سے بالا ہے، ابھی آپ نے عزّت، عظمت، محبت کے الفاظ استعمال کیے تھے، یہی چیزیں میں اپنے دل میں جاوید صاحب کے لیے پاتی ہوں، حالانکہ وہ مسلمان ہیں، میں ہندو، مجھے اپنے مذہب پہ فخر ہے، انھیں اپنے مذہب پہ ——— !'

"بالکل ٹھیک یہی ہونا چاہیے ——— اور یہی چیزیں میں نے مس اوما میں بھی دیکھی ہے'!"

"ابھی ان کا ذکر نہ کیجئے وہ تو گرو ہیں، میں تو صرف ان کی داسی ہوں، ——— لیکن انجم صاحب اگر گستاخی معاف ہو تو کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتی ہوں'!

"ضرور، آپ کہیں اور میں دل کے کانوں سے نہ سنوں؟ ——— فرمایئے ———!"

"جب آپ بھی انسانیت ہی کو اصل معیار قرار دیتے ہیں تو پھر یہ تفریق کی جدوجہد کیوں؟

"اوّل تو تفریق یا تقسیم کوئی بری چیز نہیں ہے، اگر دوستانہ اور برادرانہ طور پہ ہو ——— دو بھائی اپنا اپنا حصہ لے کر الگ ہو جاتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے دشمن تو نہیں ہو جاتے بلکہ اس کے بعد بنائے نزاع ختم ہو جاتی ہے اور تعلقات میں زیادہ خلوص آجاتا ہے، مسلمان ——— چھوٹا بھائی، ——— اگر اپنا حصّہ مانگتا ہے، تو بڑا بھائی، ——— بلکہ انسان ——— خفا کیوں ہو؟ کیوں نہ اس کا حصہ سونپ کر، وجہ مخاصمت ختم کر دے، اور زیادہ مستحکم بنیادوں پر خلوص و محبت کے روابط قائم کرے'؟ ——— کہئے مس کملا میں غلط تو نہیں کہتا؟"

"ہاں ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے، لیکن کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ مل جل کر رہنے میں زیادہ فائدہ ہے'؟"

"نہیں میں اس سے انکار نہیں کرتا، لیکن جب مل جل کر رہنے کا امکان ختم ہو جاتا ہے تب ہی علیحدگی کا سوال پیدا ہوتا ہے، جو جذبہ آپ میں اور مس اوما میں نظر آتا ہے، وہی اگر

ہمارے قومی لیڈروں میں بھی ہوتا تو رونا کاہے کا تھا؟ ذرا حالات کے تدریجی ارتقار پر غور کیجیے،!"

"اتنی بھاری بھرکم اور ثقیل اصطلاحیں نہ استعمال کیجیے۔ انہیں ہضم کرنا میرے بس سے باہر ہے،!"

"میرا مطلب یہ ہے کہ ذرا غور تو کیجیے، رفتہ رفتہ حالات کہاں سے کہاں جا پہنچے؟،

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"ہمارے قائد اعظم کا ایک زمانہ میں مسلک یہ تھا کہ مسلمانوں کو کانگرس میں شریک ہونا چاہیے، فرقہ دارانہ تنظیم کی ضرورت نہیں، اور اپنے اس خیال پر اس سختی سے وہ قائم تھے کہ خود کبھی لیگ میں شریک نہیں ہوئے، اس کے ممبر نہیں بنے، مانتی ہیں آپ؟"

"ہاں مانتی ہوں،!"

"پھر وہ دور آیا کہ مسلم لیگ میں قائد اعظم شریک ہوئے،؟ لیکن کیوں؟ ——— کیا اس لیے کہ فرقہ پرست ہو گئے تھے؟"

"اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"اس لیے شریک ہوئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں لیگ اور کانگرس میں مستقل دائمی صلح کرا دیں، "لکھنؤ پیکٹ" کا نام تو آپ نے سنا ہوگا،؟"

"جی ہاں سنا ہے!"

"اس لکھنؤ پیکٹ کی خاطر انھوں نے مسلم لیگ کو نوازا تھا، اور مسز سروجنی نائیڈو کی زبان سے "سفیر صلح" کا خطاب پایا تھا،!"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے ——— ؟"

"ہوم رول یعنی آزادی ہند کی تحریک میں جس بے جگری، جرأت، دلیری اور بہادری کے ساتھ انھوں نے حصہ لیا گاندھی جی آج تک اس کے ثنا خواں ہیں،!"

"وہ تو حق کے پرستار ہیں، !"

"پھر بعد میں جب قائداعظم رفتہ رفتہ کانگرس سے دور ہوئے ——"

"کیوں دور ہوئے؟"

"نہرو رپورٹ کے باعث، —— صرف اسی لیے، !"

"ہاں مجھے یاد آیا، !"

"تو کانگرس سے دور ہونے کے باوجود، وہ اتنے بڑے نیشنلسٹ تھے کہ "جداگانہ انتخاب" کے نام سے چڑتے تھے، لیکن آج وہ جداگانہ قومیت یعنی پاکستان کے علمبردار ہیں —— کیوں؟"

"یہی سوال تو میں خود کرنے والی تھی، —— بتائیے کیوں؟"

"اس لیے کہ وہ باہر ہو گئے، مل جل کر رہنے کا کوئی امکان باقی نہ رہا، اکثریت تنگ دل اور تنگ نظر بن گئی، !" جواہر لال اپنی محبوبیت کے باوجود، بے اثر ہو گئے، گاندھی جی اپنی حق پرستی کے باوجود بے بس ہو گئے، مہاسبھا، اور جن سنگھ، ساورکر اور پٹیل وغیرہ کا ڈنکا بجنے لگا، وہ کچھ نہ کر سکے، !"

"پٹیل؟ —— تو کانگرس، ——"

"جی ہاں وہ کانگرس کے بہت بڑے لیڈر رہیں، کانگرس ان کی مٹھی میں ہے، لیکن ان کی مٹھی میں کانگرس اس وقت آئی جب جواہر لال، اور گاندھی کے ہاتھ سے نکل گئی آخری سہارا بھی مسلمانوں کا جاتا رہا، آخری امید بھی مسلمانوں کی یاس سے بدل گئی وہ اپنی قسمت جواہر لال اور گاندھی کے حوالے کر سکتے ہیں، لیکن پٹیل کو اپنا سہارا نہیں بنا سکتے، ! ان حالات میں پاکستان کے سوا چارۂ کار بھی کیا ہے؟"

"کیوں نہیں ہے؟"

"بتلائیے کیا ہے؟"

"کیا جاوید صاحب نے آپ کو نہیں بتایا؟"

انجم ہنسنے لگا، کملا بھی مسکرانے لگی، پھر وہ گویا ہوئی،

"اچھا صاحب، آپ اپنے رستے چلئے، ہم اپنے رستے چلیں گے، زمانہ خود ہی فیصلہ کر دے گا کون سا راستہ ٹھیک تھا؟ —— اسی کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے، اور اسی کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے، چاہے وہ کملا ہو یا شہناز، انجم صاحب ہوں، یا جاوید حسن گاندھی جی ہوں یا قائداعظم"!"

"بے شک بے شک مجھے آپ کی رائے سے پورا اتفاق ہے"!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک نغمہ سا گونجا،

"کملا بہن کیا میں آ سکتی ہوں"!"

انجم اور شہناز نے نظر اٹھا کر دیکھا، ایک خوب رو، اور من موہن لڑکی کھڑی تھی، شہناز اور کملا بھی حسین تھیں، لیکن اس کے آنے کے بعد یوں محسوس ہوا، جیسے ستاروں کی محفل میں چاند آ گیا"!

کملا اٹھ کھڑی ہوئی،

"کون رضیہ؟ —— آؤ آؤ، —— آجاؤ، کھڑی کیوں ہو دروازے پر"!"

وہ آ گئی"! •

---

(۸

# رضیہ

رضیہ آئی اور مسکراتی ہوئی کملا کے پاس بیٹھ گئی، کملا نے اسے پیار بھری نظروں
ے دیکھا اور انجم سے کہا،

"یہ ہماری رضیہ ہے،!" پھر رضیہ سے مخاطب ہوئی،

"یہ انجم صاحب ہیں، بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں لیکن (ذرا سے وقفہ کے بعد) لگی ہیں!"

پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، رضیہ بھی مسکرانے لگی، کملا نے رضیہ سے کہا،

"اور یہ ہماری پیاری دلاری بہن شہناز بیگم ہیں، انجم بھائی کی رفیقۂ حیات،——
—— سچ کہنا کیسی ہیں،؟"

رضیہ نے ذرا شرماتے ہوئے زیر لب تبسم کے ساتھ جواب دیا،

"بہت اچھی،!"

کملا نے چھیڑتے ہوئے پوچھا،

"کیا تم سے بھی؟"

بے ساختہ اس نے جواب دیا،

"مجھ سے تو آپ بھی اچھی ہیں،!"

ایک فرمائشی قہقہہ پڑا،

کملا نے اسے ہلکی سی دھپ لگاتے ہوئے کہا،

"کیوں رو رہی ہیں آپ گئی گزری ہوں؟"

پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ بولی،

"رضیہ کی وجہ سے جیل کا جہنم، جنت بنا ہوا تھا، لیکن اس بے مروت نے بھی حق وفا
نہ کیا، مجھے تنہا چھوڑ کر بھاگی جا رہی ہے ——— !"

رضیہ میں بھی اب تاب گویائی آ گئی،

"بھاگ تو نہیں رہی بھگائی جا رہی ہوں، نہ یہاں شوق سے آئی تھی، نہ خوشی سے
جا رہی ہوں، نہ جانے کس نے مجسٹریٹ صاحب سے کہا تھا کہ تین مہینہ کی سزا دی، کم سے
کم سال بھر کی سزا تو دیتے، یہاں کی لائبریری بڑی اچھی ہے، ایک ایک کتاب چاٹ جاتی
اگر کچھ اور رکنے کا موقع مل جاتا، !"

کملا نے ٹوکتے ہوئے کہا،

"تو ایسا کیوں نہیں کرتیں پھر قانون شکنی کر کے چار چھ مہینہ کے لیے آ جاؤ، ———
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو، !"

وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی، "جی بخشئے، پہلے آپ اپنی میعاد کسی طرح بڑھوا لیجئے تو
آؤں گی، میں یہ نہیں چاہتی کہ ادھر میں داخل ہوں، ادھر آپ رہا ہو رہی ہوں، !"

کملا نے کچھ مسرت، کچھ فخر، کچھ ناز کے ساتھ انجم کی طرف دیکھا، اور بولی،

دیکھا آپ نے انجم صاحب ہماری رضیہ کو، کس دل گردہ کی لڑکی ہے، ؟ یہ جھیل سا جبر
اور جیل کی زندگی، لیکن اتنے استقلال اور آن کے ساتھ اس نئی زندگی کو بسر کر رہی ہے
کہ مجھے رشک آتا ہے، ——— لوگ کہتے ہیں، مسلمان فرقہ پرست ہیں
انہیں وطن سے محبت نہیں، وہ ملک کے غدار ہیں، انگریزوں کے آلۂ کار ہیں، لیکن
مولانا آزاد سے لے کر جاوید تک، اور ریحانہ طیب جی سے لے کر ہماری رضیہ تک اسلام

...دوں اور عورتوں کے ملک اور وطن کے لیے ولولہ انگیز کارنامے، قربانیاں، اور شاندار ...دمات کس طرح فراموش کر دوں؟ جس طرح مسلمانوں کا ایک طبقہ صرف مسلمان ہی کی ...یثیت سے ——— کچھ سوچتا ہے کیا ہندوؤں کا بھی ایک بہت بڑا طبقہ صرف ہندوؤں کی ...حیثیت سے نہیں سوچتا، اگر لیگ کی وجہ سے پوری مسلمان قوم، غدار، وطن دشمن، اور ...ملک فروش کہی جاسکتی ہے، تو مہا سبھا کی وجہ سے پوری ہندو قوم کو یہی خطاب کیوں نہیں ...دیا جا سکتا؟ ——— یہ مہمل باتیں ہیں، اچھے اور برے لوگ ہر قوم میں ہوتے ہیں ہندوؤں ...میں بھی ہیں اور مسلمانوں میں بھی، !"

شہناز نے انجم سے کہا، آپ تو بڑی محویت سے کملا کی تقریر سن رہے ہیں، ؟

انجم نے جواب دیا، یہ محویت کچھ غلط تو نہیں، ان کی لذت تقریر میں واقعی کھو سا گیا تھا، ...اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ ان کے منہ سے وہی نکل رہا تھا، جو میرے قلم سے ہمیشہ نکلتا رہتا ہے ——— بہرحال مس کملا مجھے آپ کی بہت سی باتوں سے کامل اتفاق ہے، !"

رضیہ نے اس بحث و گفتگو میں اب تک حصہ نہیں لیا تھا، چپ چاپ دونوں کی باتیں ...سن رہی تھی، لیکن اب اس نے اپنے لبوں کو جنبش دی اس نے انجم سے کہا،

"آپ کا اخبار برابر پڑھتی رہتی ہوں، !بڑا اچھا اخبار ہے، خاص طور پر آپ جو کچھ لکھتے ...ہیں اس میں بڑا زور اور اثر ہوتا ہے، ؟"

انجم ہنسنے لگا، مس رضیہ یہ نہ کہیئے، میرے لکھنے میں اگر اثر ہوتا تو آپ یہاں نہ ہوتیں، !"

رضیہ ہنسنے لگی، "لیکن آپ کے دلائل کمزور ہوتے ہیں، ورنہ واقعی مجھے آپ یہاں نہ ...دیکھتے، !"

کملا رضیہ کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولی،

"شاباش، ——— آج معلوم ہوا کہ ہماری بھولی بھالی، شرمیلی اور بے زبان ...رضیہ جب بحث کرتی ہے تو بڑے بڑوں کا پتہ پانی کر دیتی ہے، !"

انجم نے ہنستے ہوئے پوچھا، "اب آپ مجھ سے چاہیں گی کہ آپ کی تائید کر دوں،
زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا، !"

کملا بے پروائی سے بولی، "نہیں میں آپ کا اتنا کڑا امتحان نہیں لینا چاہتی، !"
کیسے خوش ہو گئے آپ؟"

رضیہ نے سامنے رکھے ہوئے ٹوکرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،
"کیا یہ بالکل خالی ہے؟"

کملا ہنسنے لگی، "یہ شہناز کا لایا ہوا تحفہ ہے جو ابھی تو بے شک لبالب نظر آرہا
لیکن تمہاری نظر پڑ چکی ہے تو — خالی ہوتے زیادہ دیر نہیں لگے گی، !"

رضیہ نے بے پروایانہ لہجہ میں کہا، "میرا ہاضمہ خراب رہتا ہے، لہذا سوا چھل اور
کے مجھے کوئی چیز موافق نہیں آتی،

شہناز نے لقمہ دیتے ہوئے کہا، "اس ٹوکرے میں یہی دو چیزیں تو ہیں، !"

رضیہ بڑی معصومیت کے ساتھ گویا ہوئی، "تو اس سے کیا ہوتا ہے، کملا بہن کا بھی
ہاضمہ میری طرح خراب ہے، انہیں بھی یہی دونوں چیزیں راس آتی ہیں، لہذا میرا حصہ
جلوہ ہی رہے گا، یعنی آنکھیں میری باقی ان کا، !"

انجم، شہناز، کملا سب ہی بے اختیار ہنس پڑے،

(۵)

# زندگی کا، کارواں چلتا رہا، !

جاوید ہسپتال سے تندرست ہو کر واپس آچکا تھا، اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا
...کی جیل سے رہا ہو چکی تھی، ادما کے ہاں جو محفلیں ترتیب پاتی تھیں، ان میں دو آدمیوں کا اور
...ہو گیا تھا، رضیہ، اور شیام، !

جیل سے آنے کے بعد رضیہ کملا کے حسب ہدایت ادما سے ملی، اور پھر ملنے لگی، ادما
...سے وہی برتاؤ کیا، جو ایک بڑی بہن کا ایک چھوٹی بہن کے ساتھ ہوتا ہے، کملا کی رہائی
...بعد، یہ ناتہ اور مضبوط ہو گیا، اب یہاں فرصت کے اوقات اکثر صرف ہونے لگے، بلکہ
...نکال کر آنے لگی، جاوید کی گمبھیر شخصیت، ادما کا اخلاق، کملا کی محبت، یہ سب چیزیں اسے
...کشاں یہاں لے آتیں، اور جب آجاتی تھی یاد نہ رہتا کہ یہاں سے جانا بھی ہے،

...اپنے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے کچھ عجیب سی لڑکی تھی، اس کا گھرانہ سرکار پرست
...خان بہادر فضل کریم صاحب اس کے والد تھے، یہ راولپنڈی کے رہنے والے تھے،
...ایک عرصے سے یہاں رہ رہے تھے، سرکاری ٹھیکوں سے ہر سال لاکھوں روپیہ کما لیتے تھے
...دلی میں ایک شاندار کوٹھی بھی بنالی تھی، کئی موٹریں، بہت سے نوکر چاکر، اچھے خاصے تعلقات
...ہوتے تھے، حکام اور افسران کی دعوتیں کرنے کے بڑے شائق تھے، ان دعوتوں میں

جی کھول کر خرچ کرتے تھے لیکن گھاٹے میں نہیں رہتے تھے، جتنا خرچ کرتے تھے
سے کہیں زیادہ کما لیتے تھے، خان بہادر صاحب کے کئی لڑکے تھے، ایک لندن میں
کی تعلیم حاصل کرنے گیا ہوا تھا، دوسرا کنگ ایڈورڈ کالج لاہور میں ڈاکٹری کی تعلیم حا
رہا تھا اور یہ اس کا آخری سال تھا، تیسرا ڈیرہ دون کنٹونمنٹ ملٹری کالج میں تربیت
کر رہا تھا اور کمانڈر انچیف بننے کا خواب دیکھ رہا تھا، چوتھا بی اے کرنے کے بعد باپ کا
بازو بن گیا تھا، اور سارے کاروبار کو بڑی ہوشیاری سے چلانے میں باپ کا ہاتھ بٹا رہا تھا
صرف ایک تھی، ——— رضیہ ——— ماں باپ اور بہن بھائی دیوانہ وار اس
تھے، اسکی ہر خواہش پوری کرتے تھے، لیکن اب کچھ دنوں سے وہ ان سب کے لیے درد
وبال جان بن گئی تھی، جب تک ایف اے میں رہی، اس سے بڑھ کر کم سخن، شرمیلی
اور معصوم صفت کوئی نہ تھا، لیکن بی اے میں آنے کے بعد اس نے پر پرزے نکالنا شروع
دیے اب وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتی، بھائیوں سے خوب بحثیں کرتی، باپ کا انتہائی ادب کرنے
باوجود، اس کے سامنے، سیاسیات پر اپنے بے لاگ اور کھرے خیالات اس بے تابی سے
کرتی کہ بیچارے منہ دیکھتے رہ جاتے، حد یہ ہے کہ حکام والا مقام اور افسران ذی شان
کبھی مدعو ہوتے، اور ملکی سیاست پر گفتگو چھڑ جاتی، تو ایسے روکھے انداز میں انگریزوں
اور ان کی سامراجی ذہنیت کی، سرکار پرستوں کی اور ان کی غلامانہ فطرت کی عکاسی کرتی
ہی حیران ہو کر اسے تکنے لگتے کہ جس زبان سے نغمہ شیریں سننے کی توقع ہو سکتی تھی
سے انگارے اور شعلے کیسے برس رہے ہیں، ؟ رفتہ رفتہ اس کے باپ اور بھائی
کی طرف ڈھلکنے لگے تھے، اور پاکستان کا نام ان کی زبان پر بار بار آنے لگا تھا، اور
کی امی تک قائد اعظم اور دوسرے لیگی لیڈروں کی خبریں ریڈیو پر بڑے شوق سے
لگی تھیں، اور صبح اٹھ کر سب سے پہلے اخبار لے کر رضیہ کے پاس پہونچتیں اور
خبریں بڑے چاؤ اور شوق سے سنتیں، خان بہادر کی بیوی ہونے کے باوجود، ان کی تعلیم

...زلف اور راہ نجات تک محدود تھی، اخبارات کی زبان ان کے لیے ناقابل فہم تھی، اور
...ٹک کر پڑھتے میں وقت بھی بہت صرف ہوتا تھا، رضیہ اد بدا کر انھیں کانگرس،
...جی اور جواہر لال وغیرہ کی خبریں سناتی، وہ ان خبروں سے نہ صرف یہ کہ کوئی دلچسپی
...تی تھیں، بلکہ بھڑکتی تھیں ان کا تقاضا اور اصرار صرف یہ تھا کہ بس قائد اعظم اور
...ن کی خبریں سناؤ، رضیہ کو ان خبروں سے چڑھتی وہ ٹال جاتی، کچھ چٹ پٹی سی خبریں ہوتیں
...ل کو جاتی، اور کہہ دیتی، امی کوئی خاص خبر نہیں ہے سناؤں کیا آپ کے قائد اعظم کو تراتی
...ے کے سوا اور آتا کیا ہے، مہاتما جی کی خبریں سنئے تو معلوم ہو کہ ہاں دنیا میں کچھ ہو رہا
...اخبار پٹک کر چل جاتیں ایسی خبریں بس اپنے ہی پاس رکھ، اور پھر محبت بھری نظروں
...اپنی امی کی طرف اس وقت تک دیکھتی رہتی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتیں
...روز تو اس رضیہ نے سارے گھر میں قیامت ہی برپا کر دی تھی، خان بہادر کے دیرینہ
...ں میں سے، مسٹر ریمنڈ بھی تھے یہ پرانے آئی سی ایس تھے، اور محکمہ دفاع کے سکریٹری تھے،
...نے انھیں خان بہادر صاحب کی کون سی بات بھا گئی تھی کہ وہ ان کا بہت خیال رکھتے
...نذر منظور کر لیا کرتے اور بڑے بڑے ٹھیکے انھی کو دیتے، خان بہادر صاحب بھی ان پر
...ن سے فریفتہ تھے، انھوں نے ڈنر پہ ریمنڈ صاحب کو مدعو کیا، وہ تشریف لائے، اتفاق
...کا بڑا لڑکا اشفاق بھی موجود تھا، جو ابھی ابھی لندن سے انجینئرنگ کی اعلیٰ سند لے کر
...اور متوقع تھا کہ اسے کوئی عمدہ سی سرکاری ملازمت مل جائے گی، اس سلسلہ میں مسٹر
...ے بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں، کھانے کے دوران میں ریمنڈ صاحب نے خود ہی
...ذکر لیا، اور جب یہ معلوم ہوا کہ وہ سرکاری ملازمت کرنا چاہتا ہے تو اپنی طرف سے ہر
...امداد و اعانت کا یقین دلایا، اسی اثنا میں ریڈیو سے خبریں سنائی جانے لگیں، خبروں
...سیاسیات پر گفتگو چھڑ گئی، باتوں باتوں میں ریمنڈ صاحب نے کہا،
...ہندوستانی بھی کتنے ناقدر شناس لوگ ہوتے ہیں، ہم نے جب اس سرزمین پر قدم

رکھا تھا، تو یہاں خاک اڑ رہی تھی، لیکن ہم نے آتے ہی یہاں کی کایا پلٹ دی، آج کے ہند کو جس کے پاس بہترین قسم کی فوج ہے، بہترین قسم کی سول سروس ہے، طیارے ہیں، ر... ہیں، ڈاکخانے ہیں، عمدہ عمدہ اور ہزاروں میل تک پھیلی ہوئی سڑکیں ہیں، اخبارات ہیں، ٹیلی... ہیں، ریڈیو ہیں، اعلیٰ درجہ کے میڈیکل کالج ہیں، اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹیاں ہیں، کالج ہیں... ہیں، بھلا اس ہندوستان سے کوئی نسبت ہے، جس کے پاس چھکڑے تھے، بیل گاڑیاں ... نامکمل اور ناوفادار فوج تھی، بدترین ایڈمنسٹریشن تھا، کالج، یونیورسٹی اور ریسرچ انسٹی... قسم کی کوئی چیز نہ تھی، فون نہیں تھا، ریل نہیں تھی، ڈاکخانے نہیں تھے، طیارے نہیں تھے... بنانے والی ملیں نہیں تھیں، وہ سہولتیں اور آسائشیں نہیں تھیں، جن سے آج ہر ہند... بہرہ ور ہو رہا ہے؟ پھر بھی یہ قوم ہماری دشمن ہے!"

خان بہادر صاحب نے بڑی توجہ اور انہماک سے یہ باتیں سنیں اور ارشاد فرمایا،

"جی اس میں کیا شک ہے، یہ آزادی کی لہر ایسی اٹھی ہے کہ سارے ملک کا امن در... برہم ہو کر رہ گیا ہے!"

رضیہ خاموش نہ رہ سکی، اس نے ادب سے لیکن تلخ لہجہ میں شریک گفتگو ہوتے ہو...

"پاپا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!"

پھر وہ ریمنڈ صاحب سے مخاطب ہوئی،

"آپ نے اپنی قوم کے احسانات کی جو طویل فہرست سنائی ہے، وہ اپنی جگہ پر بہت ... ہے، لیکن معاف کیجیے گا، اگر میں یہ کہوں کہ یہ برکتیں اور نعمتیں جو آپ نے ہمیں عطا فرمائی... سے فائدہ بھی ہم سے کہیں زیادہ آپ ہی نے اٹھایا!"

یہ تیکھی گفتگو سنکر ریمنڈ صاحب ذرا جھکیاسے گئے، انھوں نے سگار کا ایک کش لگا... ہوئے کہا،

"مس رضیہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!"

خان بہادر صاحب نے مداخلت کر کے گفتگو کا موضوع بدلنا چاہا، ارے صاحب آج کل کے نوجوانوں کی عقل پر تو پردے پڑ گئے ہیں جیسے، ———

لیکن ریمنڈ صاحب اس کے لیے تیار نہیں تھے، وہ جب بات چھڑ گئی تھی تو اسے صاف کر لینا چاہتے تھے، انھوں نے گفتگو سے دلچسپی لیتے ہوئے کہا،

ہاں مس رضیہ آپ کیا کہہ رہی تھیں جو نعمتیں اور برکتیں ہم نے ہندوستان کو دی ہیں کیا وہ خود غرضی پر مبنی تھیں ———؟

رضیہ نے تڑ سے جواب دیا، "جی بے شک خود غرضی، اور وہ بھی نہایت پست قسم کی، جسے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی"!

خان بہادر صاحب کا چہرہ دفور غضب سے سرخ ہو گیا، لیکن ریمنڈ صاحب ہنس پڑے، انھوں نے سوال کیا، وہ کیسے مس رضیہ ———؟

رضیہ نے کہا، بے شک ریل بڑی نعمت ہے، لیکن یہ نہ ہوتی تو آپ کا مال تجارت پڑا سڑتا رہتا، ٹیلیفون بھی بہت بڑی نعمت ہے، لیکن انہی کے دم سے آپ کا ایڈمنسٹریشن قائم ہے، اسکول، کالج، یونیورسٹی، نعمت ہیں لیکن اس لیے کہ یہاں سے لوگ پڑھ کر نکلیں اور ملازمت کی بھیک مانگنے آپ کے در دولت پر پہنچ جائیں، میڈیکل کالج بھی نعمت ہے، لیکن ان میڈیکل کالجوں سے نکلے ہوئے ڈاکٹروں نے اس غریب ملک کو لب گور کر دیا، ———

ریمنڈ صاحب نے پھر سگار کا ایک کش لیا، اور پوچھا، وہ کیونکر مس رضیہ؟

رضیہ نے کہا وہ اس طرح مسٹر ریمنڈ کہ ان ڈاکٹروں کی وجہ سے کروڑوں روپیہ کی آپ اپنی پیٹنٹ دوائیں بیچ رہے ہیں، ———

"کیا ان سے فائدہ نہیں پہونچتا؟" ریمنڈ نے ذرا تلخ لہجہ میں سوال کیا، "کیا ان دواؤں سے لوگ تندرستی نہیں حاصل کرتے؟"

"ضرور کرتے ہیں" رضیہ نے کہا، "لیکن جب یہ نہیں تھیں تب بھی، اموات کا اوسط اتنا

نہیں تھا جتنا آج ہے، !"

"جب آبادی بھی کم تھی، !"

"جی ہاں اب آبادی بھی زیادہ ہے، اور امراض کی تعداد میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو چکا ہے اور خود آپ کے چوٹی کے ڈاکٹر بتاتے ہیں کہ اضافہ امراض میں انجکشنوں، اور پیٹنٹ دواؤں کا بہت بڑا حصہ ہے، !"

"ردِ عمل ہر چیز کا ہوتا ہے دواؤں کا بھی ہوتا ہے دیکھنا چاہئے کہ کس چیز میں فائدہ زیادہ ہے یا نقصان؟ پھر اندازہ لگانا چاہئے کہ یہ مفید ہے یا مضر؟"

"لیکن اس جنجال میں پڑے بغیر بھی کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان دواؤں کی تشریف آوری سے پہلے بھی لوگ بیمار پڑتے تھے اور تندرست ہوتے تھے،

"وہ کس طرح؟"

(ہنستے ہوئے) چھومنتر سے نہیں دواؤں سے ہماری طب مشرقی جو صحیح معنی میں طب اسلامی ہے، اب بھی اس ملک کا سب سے بہتر اور موثر علاج ہے، اتنے بڑے بڑے ہسپتال قائم ہیں، اتنے اونچے اونچے ڈاکٹر موجود ہیں، اتنی قیمتی اور گراں مایہ دوائیں بہم ہو رہی ہیں، پھر بھی جب، چاہے کسی شہر میں، قصبہ میں، دیہات میں جا کر دیکھ لیجئے مریضوں کا جمگھٹا حکیم صاحب کے مطب میں زیادہ ہے، یا ڈاکٹر صاحب کے کلینک میں؟ اسی طرح ہمارے ملک کے وید ہزاروں سال سے ایک مخصوص طریق علاج رکھتے ہیں اور وہ ہمیشہ کامیاب ثابت ہوتا رہا ہے، —

— اور مسٹر ریمنڈ ایک بات اور بھی عرض کروں؟"

"ضرور فرمایئے میں توجہ سے سن رہا ہوں — !"

"ڈاکٹری نے اس ملک کی چاہے جتنی خدمت کی ہو، دو نقصان ایسے پہونچائے ہیں جن کی تلافی نہیں ہو سکتی — !"

"کن نقصانات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں آپ؟"

"ایک تو یہ کہ طریق علاج کو گراں سے گراں تر کر دیا، یہ علاج ہر شخص کے بس کا روگ نہیں وہی اس وادی پرخار میں قدم رکھ سکتا ہے جس کی جیب بھاری ہو، دوسرے یہ کہ ہمارے ویدوں اور حکیموں نے اس فن کو خدمت خلق کا ذریعہ بنا لیا تھا، وہ ذاتی منفعت کا بہت کم خیال کرتے تھے، ان کے پیش نظر بیماروں اور معذوروں کی خدمت تھی، وہ فیس نہیں لیتے تھے قیمتی دوائیں نہیں لکھتے تھے، دو پیسہ کا نسخہ وہ کام کرتا تھا جو پچاس روپے کی پیٹنٹ دواؤں سے بھی ممکن نہ تھا، لیکن اب یہ ایک منظم پیشہ بن گیا ہے، جتنا بڑا ڈاکٹر ہے اتنی ہی بڑی اس کی فیس ہے!"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"بہت کچھ ہوتا ہے بینڈ صاحب، بات یہ ہے کہ آپ کی قوم تجارتی قوم ہے، آپ نے ہر چیز کو کاروباری بنا دیا ہے، ڈاکٹر بغیر فیس لیے نبض پر ہاتھ نہیں رکھے گا، پروفیسر بغیر تنخواہ لیے لکچر نہیں دے گا، اور سکول، کالج، یونیورسٹی اور دوسری تعلیم گاہوں میں اس وقت تک طالب علم قدم نہیں رکھ سکتا، جب تک طرح طرح کی فیسیں دینے کی اس میں سکت نہ ہو، جس طرح فن علاج کا مقصد خدمت خلق تھا، اسی طرح، تعلیم کا مقصد بھی یہی تھا، مکتبوں اور مدرسوں میں، ہر شخص تعلیم حاصل کر سکتا تھا، کوئی فیس نہیں، کوئی قیمت نہیں، آج تعلیم کے میدان میں بھی وہی دوڑ لگا سکتا ہے جو اچھی بولی بول سکتا ہو، اور اتنی قیمت دینے کے بعد بھی وہ جوہر قابل نہیں پیدا ہوتے جو مسجدوں، مدرسوں، اور پاٹھ شالاؤں میں پیدا ہوا کرتے تھے۔"

---

"اس کا سبب؟"

"وہ تو بہت صاف ہے، اب قیمت لے کر تعلیم دی جاتی ہے، پہلے ایثار، تواضع اور ہمدردی کی بنیاد پر یہ فریضہ ادا کیا جاتا تھا، اب استاد اور طالب علم میں درسگاہ سے واپس ہونے کے بعد کوئی رشتہ نہیں، کوئی ربط و تعلق نہیں، پہلے استاد اور طالب علم میں وہی تعلق

ہوتا تھا، جو باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے، اب دھڑا دھڑ اسٹرائکیں ہوتی ہیں، ہڑتالیں ہوتی
ہیں، اساتذہ کے خلاف جلوس نکلتے ہیں، مظاہرے ہوتے ہیں ان کا بائیکاٹ کیا جاتا ہے، ان
کے منہ پر انہیں لتاڑا جاتا ہے، پہلے کسی طالب علم کی مجال نہیں تھی کہ آنکھ اٹھا کر استاد سے
بات کر سکے۔ وہ اس کا ادب بھی کرتا تھا، اس سے محبت بھی کرتا تھا۔ اس کے پسینہ پر خون بہانے
کو بھی تیار رہتا تھا، ——— ذرا غور تو کیجئے کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے آپ کے نظام
طب، اور نظام تعلیم نے، ؟

ریمنڈ نے کوئی جواب نہیں دیا، سگار کی راکھ جھاڑی اور ایک قہقہہ لگا کر زور دار کش
لے کر گویا ہوا،

"اور کچھ ؟ کیا آپ کی تقریر ختم ہو گئی"!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی، اگر آپ نہ سننا چاہیں تو ختم ہو گئی، سننا چاہیں تو ابھی باقی ہے"!"

ریمنڈ نے پھر ایک قہقہہ لگایا، اور کہنے لگا،

مس رضیہ آپ کی باتیں میں بڑی توجہ اور دلچسپی سے سن رہا ہوں، سلسلہ جاری رکھئے

اس نے مذبذبہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا، اور کہنے لگی،

"آپ کو ان ملوں پر فخر ہے جو اس ملک میں چل رہی ہیں"!"

"مجھ سے زیادہ آپ کو ہونا چاہیئے، یہ انہی ملوں کا کرشمہ ہے کہ آج آپ کے ملک میں
کئی ادب پتی، اور سیکڑوں کروڑ پتی نظر آرہے ہیں"!"

"جی، ——— لیکن ان چند ادب پتی، اور صدہا کروڑ پتی ہندوستانیوں نے اپنے
ملک کا دیوالہ نکال دیا ہے، انھوں نے ہمارے نظام معیشت کو تباہ کر دیا ہے، انھوں نے
ان گنت لوگوں کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیا ہے، یہ جلاد ہیں، قصائی ہیں، خون خوار ہیں، درندے
ہیں، یہ اپنے تھوڑے سے نفع کے لیے کسی کے بڑے سے بڑے نقصان کی پروا نہیں کرتے
یہ اپنے زندہ رہنے کے لیے دوسروں کی زندگی سے کھیلتے ہیں، انہیں عالی شان حویلیاں

ڑی، اور ناقابل شمار بنک بیلنس حاصل کرنے کے لیے کتنے سہاگ لٹنا پڑتے ہیں، کتنوں کی
لینا پڑتی ہے، کتنوں کو تباہی، بربادی، اور ہلاکت کے غار میں ڈھکیلنا پڑتا ہے، ان
پاس ملیں نہ ہوتیں تو بے شک یہ ارب پتی اور کروڑ پتی نہ ہوتے، لیکن بہت سے لوگ،
ت لوگ، بیکار، اور بے روزگار نہ ہوتے، وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر کسی کی چاکری کیے بغیر
، اطمینان، اور سکون سے زندگی بسر کرتے،!"

"کیونکر مس رضیہ ــــــ؟ کیا ان کے لیے آسمان سے من وسلویٰ اترا کرتا؟"

"جی نہیں محنت کرنے والوں کو من وسلویٰ کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ کھیت جوتے،
جب کھیت جوتنے کا زمانہ نہ ہوتا تو گھر بیٹھے سوت کاتتے، چرخہ چلاتے، کرگھے سے کام
تے، اپنے بنائے ہوئے کپڑے خود پہنتے، اور آس پاس کے لوگوں کے ہاتھ فروخت کرتے،
تبادلہ میں ضروری چیزیں حاصل کر لیتے، انھیں مل مالکوں کے سامنے بھیک مانگنے اور ان
غلامی کرنے کی ضرورت نہ ہوتی،!"

"بہت خوب، بہت خوب، ـــــــــ مس رضیہ آپ کی تقریر کے اٹھان سے
نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ آپ کمیونسٹ ہیں، لیکن تقریر کے آخری حصہ سے اندازہ ہوا کہ آپ
ھیائی فلسفۂ حیات پر اعتماد رکھتی ہیں،!"

"اگر یہ الزام ہے تو میں فخر کے ساتھ اسے قبول کرتی ہوں،!"

"لیکن آپ مسلمان بھی تو ہیں،؟"

"(تیوری چڑھا کر) بیشک ہوں،؟ مگر اس سے آپ کا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مسلمان تو گاندھیائی فلسفہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے،!"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا آپ مجھ پر کفر کا فتویٰ عائد
نا چاہتے ہیں؟"

"(زیر لب تبسم کے ساتھ) یہ میرا کام نہیں، یہ آپ کے علماء کا کام ہے، اور وہ اپنا

فرض خود ہی اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں، ——— لیکن ایک مسلمان لڑکی
منہ سے یہ باتیں سنکر مجھے بہت تعجب ہوا، !"

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے مسٹر ایمنڈ، ہم مسلمان کسی دوسری قو
مقابلہ میں زیادہ حریت طلب ہیں، ! اور یہ پاکستان کی تحریک جو اس زور شور سے
ہے یہ بھی درحقیقت مسلمانوں کے جذبۂ آزادی ہی کی ترجمان ہے، اگرچہ میں اس
سے اتفاق نہیں رکھتی، !"

"یہ ایک اور دلچسپ لطیفہ سننے میں آیا، تحریک پاکستان جذبۂ آزادی کی تر
بھی ہے، اور آپ اس سے اختلاف بھی رکھتی ہیں کیا اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوا ک
کا دل جذبۂ آزادی سے خالی ہے؟"

"اگر آپ یہ مطلب مراد لیتے ہیں تو میں کس طرح آپ کو روک سکتی ہوں، ورنہ
تو بالکل صاف اور سیدھی ہے، مسلمان جب کہتے ہیں کہ وہ اپنا ایک الگ ملک
ہیں، تو ظاہر ہے اس سے ایک آزاد ملک ہی مراد لیتے ہیں، باقی رہا میرا اختلاف
ذاتی طور پر اسے پسند کرتی ہوں کہ ہندوستان کے ٹکڑے نہ ہوں، !"

"معاف کیجئے گا مس رضیہ آپ کی یہ دلیل بہت کمزور ہے، اب تک جو کچھ
نے کہا، اس میں زور تھا، وزن تھا، لیکن یہ آخری بات تو بالکل پھسپھسی ہی ہے، !"

"اگر میں اپنا مطلب دوسرے الفاظ میں سمجھاؤں تو شاید آپ آسانی سے سمجھ
گے، اگرچہ میرا یہ انداز شاید آپ کو ناگوار گزرے گا ——— !"

"آپ میری ناگواری کا خیال نہ کیجئے، اپنی بات کہئے، !"

"میں ایک سوال کرتی ہوں اس کا جواب دیجئے، !"

"میں آپ کا سوال شوق سے سنوں گا اور ضرور اس کا جواب دوں گا، !"

"کیا آپ کی ان تھک کوشش یہ نہیں ہے کہ آئر لینڈ آپ کے ساتھ رہے"

زادی سے جو آپ کو حاصل ہے، مشترک طور پر بہرہ ور ہو؟"

(کچھ سوچتے ہوئے) ہاں ہے مگر ———

مگر یہ کہ آئرلینڈ اپنی انفرادیت، اور جداگانہ وجود پر بضد ہے، آپ سے الگ جدا ہو کر آزادی چاہتا ہے، اس کا یہ فعل آپ کے نقطۂ نظر سے غلط ہے، لیکن ایک ان کے نقطۂ نظر سے یہی آخری چارہ کار ہے۔ اسی طرح پاکستان کی تحریک میرے نقطۂ سے غلط ہے، لیکن جو یہ نعرہ لگا رہے ہیں، وہ چاہتے تو آزادی ہی ہیں، ——— ساتھ رہ کر، خواہ الگ ہو کر، ان کے جذبۂ آزادی پر تو کسی طرح حرف نہیں آسکتا،!"

ریمنڈ نے ایک تنومند قہقہہ لگایا، اور کہا، مس رضیہ میں آپ کی ذہانت اور فراست کا قائل ہو گیا،!" آپ کی باتیں میں نے توجہ سے سنیں، آپ کے جذبہ اور خیالات کی میں قدر کرتا ہوں،!"

"شکریہ مسٹر ریمنڈ!"

"لیکن ایک مشورہ بھی دینا چاہتا ہوں،!"

"ارشاد، میری نظر میں آپ کی وقعت ہے، آپ کا مشورہ بھی وقیع ہوگا میرے لئے!"

"میرا مشورہ یہ ہے کہ عملی سیاست میں حصہ نہ لیجئے گا،!"

"آپ کے اس مشورہ کا شکریہ، لیکن کل کیا ہوگا، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ان کا دھارا انسان کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے، اور وہ کچھ نہیں کر سکتا ہے، اس طرح وہ مجبور ہو جاتا ہے، جس طرح سرشور دریا میں ایک حقیر تنکا!"

"(ہنستے ہوئے) آپ کے ارادے خطرناک معلوم ہوتے ہیں،!"

جواب میں رضیہ ہنسنے لگی،

خان بہادر صاحب اس وقت تک بہت خائف رہے جب تک ریمنڈ صاحب چلے نہ گئے، انھیں اندیشہ تھا کہیں وہ خفا نہ ہو جائیں اور اس خفگی کا اثر ان کے ٹھیکوں پر

نہ پڑے، اشفاق کی ملازمت پہ نہ پڑے، دوسرے لڑکوں کا مستقبل متاثر نہ ہو، لیکن
یہ دیکھ کر کہ ویمنڈ صاحب رضیہ کی باتوں سے آخر وقت تک لطف لیتے رہے، ہنس
ہنس کر اس کی باتیں سنتے رہے، اور اسی طرح رخصت ہوئے، ان کے دل کا بوجھ اتر گیا
ان کے جانے کے بعد انھوں نے سوچا، رضیہ کو ذرا تھوڑی سی نصیحت کر دیں، لیکن وہ سو
ہیں جا چکی تھی، خان بہادر صاحب بھی سکون اور اطمینان کے ساتھ بستر راحت پر جا کر دراز
ہو گئے،

صبح جب وہ اٹھے تو رضیہ باہر جا چکی تھی، ناشتہ سے فارغ ہو کر وہ بھی دفتر تشریف
لے گئے، دوپہر کو لنچ کے سلسلہ میں جب تشریف لائے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ پولیس
گھر کا محاصرہ کیے ہوئے ہے، وہ جلدی جلدی اندر پہنچے، معلوم ہوا، ایک جلوس میں حصہ
لیتی ہوئی رضیہ گرفتار کر لی گئی اور اب اس کے کاغذات کی تلاشی لینے پولیس در دولت پر
حاضر ہوئی ہے، خان بہادر صاحب نے فوراً چیف کمشنر صاحب کو فون کیا،
فوراً ہی پولیس واپس چلی گئی، لیکن اس کے واپس جانے کے باوجود ان کا دل ڈوبا جا رہا تھا،
رضیہ گرفتار ہو گئی، !——!

اس خاندان میں آج تک کوئی مرد بھی گرفتار نہیں ہوا تھا، لیکن آج اس خاندان کی
ناک کٹ گئی، لڑکی گرفتار ہو گئی، رضیہ گرفتار ہو گئی،

خان بہادر صاحب تو یہ سوچ رہے تھے، اُدھر ان کی بیگم صاحبہ نے اودھم مچا رکھا
تھا، وہ اس پر بضد تھیں کہ جس طرح بھی ہو سکے، میری بچی کو ابھی چھڑا کر لاؤ، اسے
نازوں کی پالی جیل میں ہے، وہ کہاں بیٹھی ہو گی، اسے کھانے کو کیا ملا ہو گا؟ وہ کیا کر رہی
ہو گی؟ جیل والے اس پر کیسی سختیاں کر رہے ہوں گے، ؟——!
یہ باتیں وہ خود ہی کہتی جاتی تھیں اور چپکوں پہکوں روتی جاتی تھیں، ان کے ساتھ
کی خادماؤں، نوکروں اور دوسرے متعلقین نے بھی صف ماتم بچھا رکھی تھی، اور گریہ و بکا

شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قیامت ٹوٹ پڑی ہے اس گھر پر،

خان بہادر صاحب کو غصہ بھی تھا اور صدمہ بھی ــ، !

غصہ اس پر کہ لڑکی نے گرفتار ہو کر خاندان کی عزت خاک میں ملا دی، اور صدمہ اس پر کہ یہ چہیتی لڑکی اس وقت فرش خاک پر بیٹھی ہو گی، نہ بستر ہوگا، نہ تکیہ، نہ حکم بجانے کے لیے خادمائیں ہوں گی، نہ پڑھنے کے لیے کتابیں، کھانا بھی وہی ملا ہوگا جو جیل کے باشندوں کو ملتا ہے، بغیر بگھری ہوئی دال، موٹی موٹی روٹیاں، جیل کے بدتمیز کارکن وہ نازک مزاج، آشفتہ سر، شعلہ خو لڑکی اس فضا میں کس طرح وقت گزار رہی ہوگی ؟

آخر" اسس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا، کیا ذلیل، ! خان صاحب نے حکام والا مقام کے سنگ آستاں کا طواف کرنا شروع کیا، یہاں گئے، وہاں گئے، اس سے ملے، اس سے ملے، اس کی خوشامد کی، اس سے اظہار نیاز کیا،

لیکن معاملہ ایسا تھا کہ کوئی کام نہ آیا، !

یہ انتہائی نازک وقت تھا، انگریز قوم موت و زلیست کی کشمکش میں گرفتار تھی، وہ اپنے دشمنوں سے کوئی رعایت کرنے کو تیار نہیں تھی، اپنے دشمنوں کے دوستوں کے ساتھ بھی وہ رواداری کا برتاؤ کرنے پر تیار نہیں تھی، وہ تو کہئے خان بہادر صاحب کی جڑیں آہنی گہری تھیں، اور ان کی وفاداری اس درجہ تسلیم شدہ تھی کہ وہ کسی چکر میں گرفتار نہیں ہوئے ورنہ خود ان کی بھی خیر نہ تھی، لیکن رضیہ کو بچا لینا کسی طرح بھی ممکن نہ ہوا،

دوسرے روز مقدمہ کی سرسری سماعت ہوئی، اور رضیہ کو تین مہینہ کی سزائے بامشقت ہوگئی، !

حکم سزا سنکر اشفاق کی آنکھیں آب گراں ہوگئیں، خان بہادر صاحب پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، اس کی امی جان تو واقعی بے ہوش ہوگئیں، لیکن رضیہ نے نہایت

استقامت اور استقلال کے ساتھ حکم سزا سنا، اور جیل چلی گئی، ! نہ اس کے پاؤں میں لغزش تھی، نہ چہرے پر اضطراب کے آثار، ——— !

رفتہ رفتہ خان بہادر صاحب کو اور گھر والوں کو صبر آ گیا، رشوت دے کر، اور دوسرے ذرائع اور وسائل بروئے کار لا کر انھوں نے ایک حد تک اس مقصد میں کامیابی حاصل کر لی کہ جیل میں اسے کوئی تکلیف نہ ہو، لیکن یہ مقصد بغیر رشوت کے بھی حاصل ہو جاتا، اس لیے کہ حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ سزا دینے میں کانگریسیوں کے ساتھ کوئی رعایت نہ کی جائے، لیکن جیل میں ان پر سختی بھی نہ کی جائے، تاکہ کوئی نیا فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو،

یہ تین مہینے اس طرح کٹے، جس طرح تین برس کٹتے ہیں، لیکن بہر حال کسی نہ کسی طرح یہ مدت گزر ہی گئی، اور ایک روز رضیہ رہا ہو کر پھر اپنے گھر میں پہنچ گئی، !

رضیہ کی گرفتاری اور ایثار کا ردِ عمل بھی بہت عجیب ہوا، !

خان بہادر صاحب جب اپنی بیٹی کو سزا یابی سے نہ بچا سکے، تو انھوں نے پہلا کام یہ کیا کہ خان بہادری کا خطاب واپس کر دیا، دوسرا کام یہ کیا کہ سرکاری ٹھیکے لینا بند کر دیے اور تیسرا کام یہ کیا کہ باقاعدہ کانگریس کے ممبر بن گئے، ان کے لڑکے لیگی تھے، اور تحریک پاکستان میں دل و جان سے شریک تھے، لیکن وہ اب غیر مشروط طور پر کانگریسی تھے، چنانچہ جیل کے دروازے پر، باپ کو، کھدر کے لباس میں ملبوس دیکھ کر رضیہ دنگ رہ گئی، باپ کو اس لباس میں دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گئی، جو بات اپنے دلائل سے، اپنی تقریروں سے، اپنی گفتگو سے نہ منوا سکی، وہ بات اس نے جیل جا کر منوا لی،

یہ اس کی بہت بڑی کامیابی تھی، اور اس کامیابی پر اس کا سر فخر سے اونچا ہو گیا، !

خان بہادر صاحب نے اسے دیکھا اور کلیجہ سے لگا لیا، بڑے ٹھاٹھ سے جلوس کی صورت میں اسے گھر لائے، سارا گھر انتظار میں چشم براہ تھا، اس استقبال میں سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، رضیہ کیا آئی ایسا معلوم ہوا، دولہن بیاہ کر آتی ہے اسی شاندار حویلی میں سے

باپ کی تبدیلی کے بعد اسے اور زیادہ آزادیٔ عمل حاصل ہوگئی، اب اس پہ کوئی قدغن نہیں تھی، کوئی پابندی نہیں تھی، بھابیوں سے البتہ نوک جھونک ہوا کرتی تھی، وہ پاکستان کے حامی تھے، یہ متحدہ ہندوستان کی علمبردار، لیکن یہ نوک جھونک بس نوک جھونک ہی تھی، اس سے زیادہ نہیں، اس نوک جھونک میں لطف تھا، بے لطفی نہیں تھی، بھائی اسے چھیڑتے تھے وہ بھابیوں کو چھیڑتی تھی، وہ کہتی تھی، تم ہمارے ہندوستان سے نکل جاؤ، وہ کہتے تھے، ہم تمہیں اپنے پاکستان میں قدم نہیں رکھنے دیں گے، اور پھر سب کھلکھلا کر ہنس پڑتے تھے، اور کسی دوسرے موضوع پہ باتیں چھڑ جاتی تھیں، ——— کسی نئے اور اچھوتے موضوع پر،

جیل سے آنے کے بعد، رضیہ اور کملا کے تعلقات اور زیادہ مستحکم ہو گئے، کملا کی بھی اس کے ہاں آمد و رفت شروع ہو گئی، اور وہ بھی، اوما کے ہاں کملا سے ملنے جانے لگی، رفتہ رفتہ اوما سے بھی اس کے تعلقات بڑھ گئے، جاوید تو گویا اس گھر کا ایک فرد ہی تھا، اس سے بھی راہ و رسم بڑھی، انجم اور شہناز بھی کبھی کبھی آتے رہتے تھے، ان سے بھی پینگ بڑھنے لگے، خاص طور پر شہناز کا برتاؤ، رضیہ کے ساتھ بالکل بہنوں کا سا تھا، رضیہ کی صورت میں اسے اپنی چھوٹی بہن کا جلوہ نظر آتا تھا، جو عین عالم نوجوانی میں دق کا شکار ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی، !

اس گھر کے آنے والوں میں ایک نئے شخص کا بھی اضافہ ہو گیا تھا ———
یہ شیام تھا، !

شیام جاوید کے پرستاروں میں تھا، جاوید کا اندازِ تحریر اسے بہت بھاتا تھا، پہلے خط و کتابت شروع ہوئی، پھر ایک روز ایک عقیدت مند کی حیثیت سے وہ اس سے ملنے پہنچ گیا، اس کے خلوص، شرافت اور جذبۂ قومی سے جاوید خاصا متاثر ہوا، رفتہ رفتہ دونوں میں تعلقات قائم ہو گئے، پھر ایسا ہوا کہ جاوید کے ساتھ کبھی کبھی وہ اوما کے ہاں چلا آتا، یہاں کی مجلس آرائی اسے اتنی بھاتی کہ منتظر رہتا کب جاوید وہاں چلنے کا اشارہ کرتا ہے؟ اوما کی عظمت

کملا کی شرافت اور شرارت، جاوید کی شخصیت اور قابلیت کے صد رنگ جلوے جیسے ان گھر اور نجی مجلسوں میں نظر آتے تھے، کہیں اور کہاں ان کا نظارہ ہو سکتا تھا، ؟ رضیہ سے بھی کملا نے اس کا تعارف کرا دیا تھا، اس نئی دوستی سے بھی وہ بہت خوش تھا، رضیہ میں اسے وہ تمام خوبیاں نظر آتی تھیں، جو ایک آئیڈیل لڑکی میں ہونا چاہئیں، وہ حد درجہ خوبصورت تھی، اعلیٰ درجہ کی مجلس طراز تھی، تعلیمی حیثیت سے بھی اس کا پایہ بہت اونچا تھا، بی اے کر چکی تھی، اور ایم اے کرنے کا خیال اب تک اس کے دل میں انگڑائیاں لیتا رہتا تھا، اول درجہ کی وطن پرست، ایک خان بہادر کی بیٹی ہونے کے باوجود جیل تک ہو آئی، اپنے سیاسی مسلک اور خیالات میں چٹان کی طرح سخت اور بے لچک، ان تمام خوبیوں نے اس کے دل میں رضیہ کی بڑی وقعت پیدا کر دی تھی، وہ اس کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا تھا، اور جب کوئی پر لطف فقرہ، یا دلچسپ نکتہ اس کے منہ سے سنتا تو بڑے جوش و خروش سے داد دیتا، اور پہروں اس سے لطف لیتا پہلے وہ اسٹیٹسمین کے دفتر میں اسسٹنٹ نیوز ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرتا تھا، ایک مرتبہ جب اسے بھی جیل جانے کا اتفاق ہوا، واپسی میں اسے دفتر سے جواب مل گیا، لیکن آدمی ذہین اور محنتی تھا، چند روز بھی بیکار نہ رہا، نیشنل کال میں اسے نیوز ایڈیٹر کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا، اب اسے جیل جانے کی بھی آزادی تھی، اور ملازمت کے جانے کا بھی کوئی اندیشہ نہ تھا، جیل میں رہ کر بھی اس کی ملازمت مع تنخواہ کے قائم رہ سکتی تھی چنانچہ اس رعایت سے اس نے فائدہ بھی اٹھایا، تھوڑے تھوڑے وقفوں کے لیے دو مرتبہ اس کو تحریک کانگرس کے سلسلہ میں جیل جانے کی سعادت حاصل ہوئی، ہر مرتبہ ایام اسیری میں باقاعدہ اس کی تنخواہ جاری رہی، اور واپس آنے کے بعد پہلے سے زیادہ عزت اکرام کے ساتھ وہ پھر اپنی جگہ کام کرنے لگا، کانگرسی حلقوں میں اسے عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، بڑا فرض شناس تھا، رات کے دو دو بجے تک نہایت مستعدی کے ساتھ وہ کام کرتا رہتا تھا، لیکن جس طرح بھی ہو، ہفتہ میں ایک آدھ بار ادما کی محفل میں

شرکت کا وقت وہ ضرور نکال لیتا تھا،!

چنانچہ آج بھی وہ موجود تھا، !

بیوا سدن کی حیثیت صرف ایک گھر کی نہیں تھی، جہاں دو لڑکیاں اور ما ادد کلا رہتی تھیں وہ ایک ادارہ بھی تھا، ایک کلب بھی، ایک سیاسی مرکز بھی، یہاں کی خاموش، اور بے تکلف فضا میں نہ صرف اپنے ملک کے بلکہ دوسرے ممالک کی قسمت کے فیصلے بھی بڑی آسانی سے باتوں باتوں میں ہو جایا کرتے تھے، انہیں خبر ہو نہ ہو!

---

## (۱۰)

# چوٹیں

محفل کو جمے ہوتے کافی دیر ہوچکی تھی، اوما نے جمائی لیتے ہوتے کہا،

"کملا بس تمھاری بھی باتیں اچھی نہیں لگتیں ——

کملا نے قطع کلام کرتے ہوتے پوچھا،

"تو کیا تمہیں میری کچھ باتیں اچھی بھی لگتی ہیں؟"

اوما نے مسکراتے ہوتے جواب دیا،

"ہاں کیوں نہیں جب تم چائے بناتی ہو تو بہت اچھی لگتی ہو، اور جب چائے بنا کر لاتی ہو، تو اور زیادہ اچھی لگتی ہو، اور جب چائے کی گرم گرم پیالی سامنے رکھتی ہو، تب تو کچھ نہ پوچھو کتنی اچھی لگتی ہو، ——

کملا نے منہ بنا کر کہا،

جی بخشئے آج برا برا لگنے کو جی چاہ رہا ہے، —— کیوں رضیہ اگر تم چاہتی ہو کہ اوما کو بہت اچھی لگو، پھر اور زیادہ اچھی لگو، اور پھر کچھ نہ پوچھو کتنی اچھی لگو تو ذرا سی تکلیف کرنی پڑے گی،؟ —— کیا تیار ہو؟،

وہ مسکراتی ہوئی بولی، "بتایئے چائے کا سامان کہاں ہے، ابھی تیار کر لاتی ہوں، ذرا دیر میں،!"

کملانے باورچی خانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

وہ ہے گنج مراد، ـــــــ چائے، کافی، شکر، دودھ، کریم، بسکٹ، دال موٹھ گاجر کا حلوہ، سب ہی کچھ موجود ہے، ـــــــ جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے، !"

رضیہ مسکراتی ہوئی چلی گئی، کملانے شیام کو شریر نظروں سے گھورا، پھر بولی،

"کیوں شیام بابو، گاجر کے حلوے کا نام سنکر رال تو نہیں ٹپک پڑی آپ کی، ؟

شیام نے جواب دیا، "سچ بولتا ہوں تو بدتمیزی ہے، جھوٹ بولتا ہوں تو یہ بھی بڑا ہے، !"

کملا اصرار کرتی ہوئی بولی،

نہیں شیام بابو سچ بولیے، ہم بدتمیزی گوارا کریں گے، لیکن جھوٹ کا گناہ نہیں برداشت کریں گے، !"

بڑے بھولے پن سے شیام نے کہا،

"جب سے اب تک کئی مرتبہ ٹپک چکی ہے، !"

ادما ہنسنے لگی، اس نے کہا، "لیکن شیام بابو یہ کملا جس گناہ سے آپ کو روک رہی تھی خود اسی کی مجرم ہے، یعنی بالکل جھوٹ بول رہی ہے، گاجر کے حلوے کا بنس بھی نہیں ہے، گاجر کا حلوہ بے شک یہ بہت اچھا بناتی ہے، لیکن اسے باتیں بنانے سے کہاں فرصت کہ اس کار خیر کی طرف متوجہ ہو، !"

کملا بھلا کیسے خاموش رہتی، کہنے لگی، "یہ سب بیکار باتیں ہیں، نہایت اعلیٰ درجہ کی گاجریں باورچیخانہ میں رکھی ہیں، برنی میں گھی بھی موجود ہے، کسی ڈبہ میں بادام وغیرہ بھی ضرور ہوں گے، کیونکہ ادما کا دماغ جب سے کمزور ہوا ہے، بادام بہت چبانے لگی ہیں، شکر کی کمی نہیں، پہلے گاجر بغیر چھلی ہوئی منہ میں رکھتے پھر شکر پھانک لیجئے تھوڑی

سی، پھر چند بادام چبا جایئے، اس کے بعد ایک لونداگھی کا منہ میں رکھ کر خوب زور دانت ماریے اس سارے مجموعہ پر، لیجئے نہایت بڑھیا قسم کا حلوائے گزر بہ نسخہ کلاں تیار ہو گیا، !"

جاوید ہنستے ہنستے لوٹ گیا،

" یہ حلوائے گزر بہ نسخہ کلاں کیا چیز ہے، ہم نے تو آج ہی سنا ہے'!"

کملا بولی، اتنے بڑے صحافی ہونے کے باوجود اگر آپ اتنا بھی نہیں جانتے تو پھر آپ کو چائے پینے کا بھی حق نہیں ہے'!

جاوید نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ رضیہ ٹرے لیے ہوئے آموجود ہوئی، پھر اس نے سب کو چائے بنا بنا کر پیش کی، پہلا گھونٹ پینے کے بعد، شیام نے کہا،

"آج اس کا مزا کچھ بدلا ہوا ہے'!"

رضیہ نے اپنا گھونٹ ختم کر کے پوچھا،

"جی ——————

شیام نے کہا، میرا مطلب یہ ہے کہ آج بہت مزے کی ہے'!"

ہنستے ہنستے کملا کو اچھو ہو گیا، " شیام بابو آپ تو بڑے دلچسپ آدمی ہیں، آپ کے پہلے جملہ پر ہی تو یہ سمجھی کہ شاید شکر کے بجائے رضیہ نے آپ کی پیالی میں نمک ڈال دیا ہے، لیکن رضیہ کے سوال پر آپ نے جو جواب دیا، وہ تو کچھ اور ہی ہے، —————— کیوں صاحب اتنے مزے کی کیوں ہے؟ —————— کیا اس لیے کہ رضیہ بنا کر لائی ہے'!

شیام اس بے ساختہ سوال پر سٹ پٹا گیا، لیکن اس کی مشکل رضیہ نے حل کر دی اس نے کہا،

" میں نے یہ چائے دودھ میں پکائی ہے'!"

کملا نے سر پہ ہاتھ رکھ لیا،

"ہائے غضب، شیام بابو کو مزے کی چائے پلانے کے لیے تم نے ہم سب کا پٹڑا
دیا، اب صبح کیا ہوگا؟ لو بھئی ادما، بڈّھی تو گئی، ہاتھ دھو لو اس سے،!"
ادما نے دوسرا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا،
"اتنے مزے کی ہے اب اگر کئی دن بھی نہ ملے، تو کوئی پروا کی بات نہیں،!"
جاوید نے لذت یاب ہوتے ہوئے کہا،
اب تو ہم ہمیشہ اسی طرح کی چائے پیا کریں گے، واللہ یہ تو چیز ہی کچھ اور ہے'!
کملا نے شکوہ کرتے ہوئے کہا، واہ بھئی رضیہ اچھی چاٹ لگا دی تم نے،
وہ مسکراتی ہوئی بولی،
"ہم تو ہمیشہ ایسی ہی پیتے ہیں،!"
کملا نے چھیڑتے ہوئے کہا، "جی ہاں آپ کا کیا کہنا ہے، کسی کی جان گئی، آپ کی
ٹھہری، بھائی ہم دونوں میں سے کوئی بھی خان بہادر فضل کریم کی دختر بلند اختر نہیں
جن کے ہاں دودھ، بالائی اور کریم کی نہریں جاری ہوں، ہم لوگ ٹھہرے غریب، غربا،
عیاشی کہاں سے کر سکتے ہیں، کتنی بھول ہوئی مجھ سے کہ تم سے یہ کام لیا، واقعی اب
سے بھی پانی والی چائے نہیں پی جائے گی —— کیا ایسا نہیں ہو سکتا ایک
ہمارے غریب خانہ پر بھجوا دو، ؟، تاکہ دودھ کے ساتھ ہر وقت یہاں چائے ابلا
ے ؟"
رضیہ ہنسنے لگی، کملا بہن بڑی بدنیت ہیں آپ، لوگ کیا کہتے ہوں گے اس کی
پروا نہیں، ؟
ادما نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے پوچھا،
"تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کیا، ایم اے کرو گی یا نہیں ؟
——!"

رضیہ نے اس سے سوال کر ڈالا، آپ ہی بتایئے! "

اوما نے جواب دیا، میری رائے تو یہ ہے کہ ہمارے کالج میں داخلہ لے

جب ایک ارادہ کیا ہے تو اسے پورا ہی کر ڈالو، ! "

کچھ تذبذب کے ساتھ وہ بولی،

بات تو ٹھیک ہے، لیکن میری ہسٹری بہت کمزور ہے،

شیام نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،

کمال کیا آپ نے، ہسٹری بھی کوئی ایسا سبجکٹ ہے جس میں کوئی کمزور ہو

کے بارے میں جو چاہے لکھ دیجئے، کوئی اعتراض کرے تو کہہ دیجیے اپنی اپنی رائے

وہ مسکراتی ہوئی بولی، لیکن اگر یہ سوال ہو کہ اکبر کے باپ کا کیا نام تھا، اور

لکھ دوں جہانگیر، اور اس پہ اعتراض ہو تو بھی کہہ دوں اپنی اپنی رائے ہے؟ "

رضیہ کے اس اعتراض پہ ایسا فرمائشی قہقہہ پڑا کہ سب ہنستے ہنستے بے

ہو گئے، شیام بری طرح جھینپ گیا،

کملا نے شیام کو چھیڑتے ہوئے پوچھا، اب فرمایئے، جناب شیام بابو صاحب

اعتراض کا جواب ہے کچھ آپ کے پاس؟ "

شیام نے کہا لیکن ایم اے کے پرچہ میں اس طرح کے سوالات نہیں آ سکتے

اسکول کے بچوں سے پوچھے جانے والے سوالات ہیں،

رضیہ نے سوال کیا،

" ایم اے میں کس طرح کے سوالات آتے ہیں ذرا بتایئے تو سہی —

شیام نے بتایا، مثلاً یہ کہ، ہیمو بقال اور اکبر کی لڑائی کس سنہ میں ہوئی تھی

رضیہ نے پھر سوال کیا،

" کس سنہ میں ہوئی تھی یاد ہے آپ کو؟ "

بے ساختہ شیام کے منہ سے نکلا،

"نہیں،"——— اور پھر وہ جھینپ کر مسکرانے کی کوشش کرنے لگا، رضیہ جیسے
اسے نوک دینے پر تلی ہوتی تھی اس نے پوچھا،

"کیا میں بھی جواب میں یہی مختصر سا لفظ "نہیں لکھ دوں؟"

کملا نے کہا، رضیہ تم تو آج پیچھے پڑگئی ہو ہاتھ دھو کے شیام بابو کے، ؟
شیام نے رضیہ کے جواب دینے سے پہلے کہا،

"بہرحال میں نے ایم اے ہسٹری ہی میں کیا ہے، اور وہ بھی فسٹ ڈویژن فسٹ!"
بڑی معصومیت کے ساتھ رضیہ کہنے لگی،

"کتنے نیک لوگ ہوں گے وہ بھی جو اس آسانی سے ہر کسی کو فسٹ ڈویژن فسٹ کے
دیا کرتے تھے، لیکن اب وہ زمانہ کہاں؟ اب تو بات پوچھی جاتی ہے، بات کی جڑ
پوچھی جاتی ہے، بلکہ بال کی کھال نکالی جاتی ہے، ! لہذا میرے لیے تو تھرڈ ڈویژن بھی لانا
مشکل ہوگا، !"

لیکن شیام نے تو جیسے ہار نہ ماننے کی اور مشورے دیے جانے کی قسم کھائی تھی، کہنے
لگا،

"تو کیا ضروری ہے کہ ہسٹری ہی میں ایم اے کیجیے، کوئی اور سبجکٹ لے لیجیے، !"

رضیہ نے پوچھا، "بتائیے، !"

شیام نے بتایا بہت سے سبجکٹ ہیں، معاشیات میں کر لیجیے،

رضیہ نے سوال کیا، "کیا آپ نے معاشیات میں بھی اسی امتیاز کے ساتھ ایم اے کیا
ہے؟"

اوما ہنسنے لگی، کیوں بولے جارہے ہیں آپ شیام بابو، یہ بڑی تیز لڑکی ہے، اس کے
سامنے آپ کی ایک نہ چلے گی،

کملا نے سنجیدگی کے ساتھ کہا،

"ایک تجویز میری بھی ہے اگر مانو!"

وہ بولی، پہلے تجویز تو بتلیتے، ماننے نہ ماننے کا فیصلہ بعد میں ہوتا رہے گا!"

کملا نے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا، "ایم اے میں داخلہ لے لو، جس میں چاہو، تاریخ، معاشیات، فلسفہ، اردو، فارسی، عربی، سنسکرت، بہت سے سبجکٹ ہیں لیکن امتحان نہ دینا!"

ادمانے کملا کو جھڑکتے ہوئے کہا، چپ رہو، ہر معاملہ میں ٹانگ نہ اڑایا کرو،

——— رضیہ سے مخاطب ہو کر، ہسٹری میں داخلہ لے لو، یہ دہشت چند روز کے بعد نکل جائے گی، ویسے اگر کوئی مشکل پیش آئے، تو میں موجود ہوں، ہر طرح سے دوں گی!"

رضیہ نے یہ بات مان لی، اور وعدہ کر لیا کہ داخلہ لے لیگی، پھر کہنے لگی، لیکن ایک اور ہے، مجھے مضمون لکھنے کی مشق بالکل نہیں ہے، اور امتحان کے وقت پورا ایک لکھنا پڑے گا، اس کا کیا ہوگا؟"

جاوید نے اطمینان دلایا، اس کے لیے میری خدمات حاضر ہیں، بشرطیکہ خان بہادر مٹھائی کھلانے کا وعدہ کریں ———!

کملا نے کہا، خان بہادر صاحب رضیہ کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جائیں گے غور تو کیجیے اتنے بڑے خان بہادر، اتنے بڑے کنٹریکٹر، اتنے بڑے سرکار پرست رضیہ کے ایک اشارہ میں خان بہادری کو لات مار دی، کنٹریکٹ کا بزنس ختم کر دیا، سرکار سے تعلقات منقطع کر دیے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کھدر پہننا شروع کر دیا، اور کی بات یہ کانگرس کے باقاعدہ ممبر بن گئے، حالانکہ لڑکے جتنے ہیں، سب لیگی، اور پاکستان کے

——— باپ ہو تو ایسا ہو، کاش خان بہادر صاحب میرے باپ ہوتے!"

رضیہ ہنس پڑی، پھر مسکراتی ہوئی بولی،

لیکن وہ تو آپ کو لڑکی ہی کی طرح مانتے ہیں، اکثر آپ کا ذکر ہمارے گھر میں ہوتا رہتا ہے، بھائی جان (اشفاق) کہتے ہیں کملا دیوی باتونی بہت ہیں، چرب زبانی سے کام لیتی ہیں، ورنہ ان کے پاس دلائل بالکل نہیں ہیں، لیکن ابا جان آپ کا پارٹ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں، کملا کی باتیں جتنی دلچسپ ہوتی ہیں اس سے زیادہ وزنی ہوتی ہیں، تم لوگ ان کے سامنے تو لاجواب ہو کر بغلیں جھانکنے لگتے ہو، اور جب وہ چلی جاتی ہے تو دل کی بھڑاس اس طرح نکال لیتے ہو، ——

کملا محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، پھر کہنے لگی،

واقعی وہ بڑے اچھے آدمی ہیں، میں ان سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں جتنی ایک لڑکی باپ سے کر سکتی ہے،! ٭

---

## (۱۱)
# مجلس آرائی

بڑی دیر تک یہ پر لطف اور دلچسپ صحبت قائم رہی، جب مجلس برخواست ہونے لگی
تو رضیہ نے کملا سے پوچھا، کیتے وہ بات بھی یاد ہے آپ کو ؟
کملا نے انجان بنکر سوال کیا، کون سی بات رضیہ؟ میرا دماغ ذرا کمزور ہے بھول جلد
جاتی ہوں، امتحان نہ لو، خود ہی بتادو، !"
رضیہ ہنسنے لگی، اس نے اوما سے پوچھا، "آپ سے کملا بہن نے کچھ نہیں کہا؟"
اوما نے انکار میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا نہیں تو، !"
رضیہ نے یہی سوال جاوید سے کیا، اس نے بھی انکار کر دیا، دفعتہً کملا بول پڑی ہاں
بھئی خوب یاد آیا، جمعرات کب ہے جاوید صاحب؟ اونہہ آپ تو سوچنے لگے، آج منگل ہے
کل بدھ، پرسوں جمعرات، ——— اس جمعرات کو رضیہ کے ہاں کھانا ہے گا، میں، آپ
اور اوما مدعو ہیں، !
جاوید تنک کر بولا، کوئی ہم فقیر ہیں ؟
رضیہ نے صفائی دی، آپ جانتے تو ہیں کملا بہن کو، ان کی باتیں ———
اوما قطع کلام کرتی ہوئی گویا ہوئی، ہاں بھئی ہم فقیر سہی، بھیک منگے سہی، لیکن اگر
رضیہ نے بلایا ہے تو ضرور جائیں گے، چاہے کوئی اور جائے یا نہ جائے،

کملا بولی ہم کیوں کسی سے پیچھے رہنے لگے، ہم بھی جائیں گے، چاہے ہم دونوں کے سوا کوئی جائے یا نہ جائے،

جاوید نے بھی سر میں سر ملایا، تو گیا ہم کسی سے پیچھے ہیں، ہم بھی چلیں گے، اور ضرور چلیں گے، ——— لیکن شیام بابو آپ؟ آپ کا کیا ارادہ ہے؟

شیام نے ذرا خفیف ہوتے ہوتے کہا، یہ تو کملا بہن ہی بتا سکتی ہیں کہ میں مدعو ہوں یا نہیں؟ ویسے بے بلائے بھی آپ حضرات کے ساتھ چلنے میں مجھے کوئی عذر نہیں

---

کملا نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا، شاباش بے غیرتی زندہ باد، ہاں جی پیٹ کی طرح بھرتا ہے، ہم سے پہلے پہنچ جانا، اور ہمارے بعد آنا، ذرا بھی تکلف نہ کرنا ہاتھ مارنا بڑھ بڑھ کے، جیون تم دیں گے، ! ——— کیوں رضیہ تمہیں شیام کے آنے میں اعتراض تو نہیں ہوگا، آجانے دو غریب کو، جہاں سیر بھر، وہاں سوا سیر، نئے آدمیوں میں ایک پیٹو آدمی کا اضافہ گراں نہیں گزرے گا، ———

رضیہ کہنے لگی، آپ تو بات کا تبنگڑ بنا دیتی ہیں، میں نے تو سب ہی کے لیے کہا تھا، کملا نے آنکھیں دکھا کر پوچھا،

کیا شیام بابو کا نام لیا تھا تم نے؟

رضیہ نے جواب دیا سب میں وہ بھی آ گئے، ——— !

کملا نے ایک اعتراض اور جڑ دیا، لیکن جاوید صاحب اور اوما کا نام لے کر خاص طور پر تاکید کی تھی، ———

رضیہ بولی، ہاں خاص طور پر تاکید کی تھی، لیکن اس کا یہ مطلب آپ نے کہاں سے نکال لیا کہ شیام بابو اس فہرست سے خالی ہیں، ——— ؟

اس طرح کی نوک جھونک کے بعد، رضیہ سب سے پہلے باہر نکل آئی، اور اپنی چھوٹی

سی خوب صورت کار میں بیٹھ گئی، اتنے میں شیام نکلا، اور بالکل اس کے پاس سے ہو کر گزر
رضیہ نے اسے ٹوکا،

کدھر کا ارادہ ہے شیام بابو؟
وہ دروازے کے پاس آکر ٹھٹک گیا،
"یہاں سے تو دفتر جاؤں گا، رات پھر وہیں سر کھپانا ہے،"
رضیہ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا،
اب؟ بہت دیر ہو چکی ہے، ــــــ لیکن آپ جائیں گے کیسے؟ آج تو
موٹر سائیکل بھی نہیں لائے ہیں، اور اب کوئی بس بھی شاید ہی ملے، اور میرے خیال میں
تین چار میل سے کم مسافت بھی نہیں ہے"!،
شیام نے بے پروائی کے ساتھ کہا، مل جائے گی، اور نہ ملی تو ٹہلتا ہوا جاؤں گا،
رضیہ ہنسنے لگی، بہت اچھا وقت نکالا ہے آپ نے ٹہلنے کا، آیئے بیٹھ جایئے
کو دفتر چھوڑتی ہوئی چلی جاؤں گی،"!،
شیام کچھ جھجکا، پھر آکر اس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھ گیا، کار چل پڑی، رضیہ کا
اسٹیرنگ پر تھا، نظر سامنے، کار چلاتے چلاتے اس نے پوچھا،
"تو پھر پرسوں آرہے ہیں آپ ہمارے ہاں نا؟"
شیام نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا،
"جیسا کہیئے،!"
رضیہ نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی پھر گویا ہوئی،
مجھے تو بڑی خوشی ہوگی اگر آپ غریب خانہ پر قدم رنجا فرمائیں، ــــــ
شیام نے ایک سگریٹ سلگایا اور بولا،
اگر میرے آنے سے آپ کو خوشی ہوگی، تو میں سر کے بل حاضر ہو جاؤں گا!"

رضیہ نے آہستہ سے کہا، "شکریہ"!
پھر دونوں خاموش ہو گئے، کار چلتی رہی تھوڑی دیر کے بعد رضیہ نے پھر گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا،
"کملا بہن کہہ رہی تھیں آپ عنقریب لندن جانے والے ہیں، دو تین سال کے لیے کیا یہ سچ ہے؟
شیام نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا، "مس کملا سچ کم ہی بولتی ہیں لیکن یہ بات تو سچ ہے"!
رضیہ ہنسنے لگی، "اچھا آپ بھی، کملا کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں؟ اور اگر میں ان تک آپ کی یہ رائے پہنچا دوں؟
شیام نے ہنستے ہوئے کہا، "تھوڑی دیر تک ان سے بحث کر کے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا، جب تھک جاؤں گا ہار مان لوں گا، ضرورت ہوئی تو الفاظ واپس لے لوں گا"!
رضیہ نے ایک سوال اور کیا، "لیکن آپ لندن کیوں جا رہے ہیں؟"
"جرنلزم کی ٹریننگ کے لیے"؟"
"کیا اب بھی آپ کو ٹریننگ کی ضرورت ہے؟" ———— اتنے تو قابل ہیں آپ!"
شیام نے ایک قہقہہ لگایا، "کتنا قابل ہوں؟" اور یہ آپ نے کیسے جانا کہ میں قابل ہوں؟"
رضیہ نے جواب دیا، "جاوید صاحب آپ کی قابلیت کی بڑی تعریف کر رہے تھے، اور وہ جس کی تعریف کریں اس کے قابل ہونے میں کون شک کر سکتا ہے؟
ایک تاثر کے عالم میں شیام بولا، "جاوید صاحب بڑے اونچے، بڑے اچھے آدمی ہیں، نالائقوں کی حوصلہ افزائی ان کی عادت ہے،" وہ سہارا نہ دیتے، تو شاید میرے

حوصلے ختم ہو چکے ہوتے، ———

دفعتہً موٹر رک گئی، رضیہ نے کہا لیجئے آپکا دفتر آگیا، !

شیام نے اتر کر دروازہ بند کیا، اور شکریہ کہہ کر رخصت ہو گیا، !

———

## (۱۲)

# بے بسی

شیام دفتر پہنچا اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا، آج وہ بہت خوش تھا، اوما کے ہاں جب بھی جاتا تھا، خوش ہی آتا تھا، اس پورے گروہ سے وہ حد درجہ متاثر تھا، اور اب رضیہ کے باعث اس کے تاثر اور دلچسپی میں مزید اضافہ ہوگیا تھا، وہ جمعرات کا بیتابی سے انتظار کر رہا تھا، اس دن اسے رضیہ کے ہاں جانا تھا، وہاں کملا بھی ہوگی جاوید بھی ہوگا، اوما بھی ہوگی اور خود میزبان، یعنی رضیہ بھی ہوگی، مجلس آرائی کا لطف آجائے گا، باتوں باتوں میں کیسے کیسے مسئلے حل ہوں گے، کن کن لطائف سے سابقہ پڑے گا، کیسی کیسی نوک جھونک ہوگی، کملا کی شوخی، اوما کی متانت، جاوید کا طنز لطیف، رضیہ کی معصومیت، لیکن الغرض، یہ سب چیزیں مل کر مجلس کو زعفران زار بنا دیں گی،

آخر خدا خدا کر کے وہ دن بھی آگیا، جس دن رضیہ کے ہاں پہلی مرتبہ جانا تھا،

آج وہ دفتر میں وقت سے پہلے آگیا تھا تاکہ رات کا کام دن ہی دن میں پورا کرلے، رات کو شاید دیر ہو جائے، اور دوبارہ دفتر آنے کا موقع ہی نہ مل سکے، ابھی دفتر میں بیٹھا ہی تھا کہ چپراسی حاضر ہوا اور اس نے اطلاع دی کہ چیف ایڈیٹر مسٹر ساہنی یاد فرما رہے ہیں، !

شیام فوراً ساہنی صاحب کے کمرہ میں پہنچا، وہ حسب عادت تپاک اور گرم جوشی سے

ملے، اس وقت وہ چائے پی رہے تھے، ایک پیالی شیام کی طرف بڑھاتے ہوتے گویا ہوئے
مسٹر شیام میں آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں،
شیام نے مستعدی اور آمادگی کیساتھ کہا، فرمائیے، کسی خدمت کے بجا لانے میں مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے؟

اس فرض شناسی پر تحسین آمیز نظروں سے ساھنی صاحب نے شیام کو دیکھا، پھر فرمایا؟"

"آپ کو بمبئی جانا ہے، ——— کیا آپ تیار ہیں؟"

شیام نے کچھ سوچے بغیر جواب دیا،

"مجھے لندن جانے میں بھی تامل نہیں، آپ تو بمبئی کو فرما رہے ہیں، ——— لیکن آپ مجھے کیوں بھیجنا چاہتے ہیں وہاں؟

ساھنی صاحب نے سنجیدہ لب و لہجہ میں کہا،

"لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ایک نہایت اہم اور معرکہ آرا اجلاس ہو رہا ہے، اس جلسہ میں جو تجویزیں منظور ہوں گی وہ تو اخبارات میں آجائیں گی لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جلسہ کی مفصّل اور مکمّل روداد ہمارے اخبار میں شائع ہو، یہ بالکل نئی چیز ہوگی، دوسرے اخبارات ہماری اس کامیابی پہ رشک سے جل مریں گے، !!"

شیام نے نہایت سادگی کے ساتھ کہا، یہ تو آپ صحیح فرماتے ہیں، لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے، میں لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر نہیں ہوں، !!"

ساھنی صاحب نے ایک قہقہہ لگایا، یہ تو ٹھیک ہے شیام بابو، لیکن اگر آپ کسی طرح ورکنگ کمیٹی کے ممبران سے، اور اگر وہاں دال نہ گلے، تو ان کے حوالیوں موالیوں سے ان کے ملنے والوں سے، ان کے میزبانوں سے، ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں سے ان کے ہاں آمد و رفت رکھنے والوں سے، بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پہ ـ رابطہ قائم کر

کو معلوم ہو سکتا ہے، اور یہی ہم چاہتے ہیں،!" ——— اخبار کی کامیابی
شرط یہ ہے کہ خبروں کے معاملہ میں اپنے دوسرے معاصرین سے وہ بازی لے جائے
اور موقع ہاتھ آیا ہے، اسے ضائع نہ جانا چاہیے،!"
یہ اپیل کارگر ثابت ہوئی، شیام تیار ہو گیا، لیکن اخبار میں تو اعلان ہوا نہیں کب
ہے جلسہ؟"

ساھنی صاحب نے میز پہ مکّہ مارتے ہوئے کہا، "یہی تو مزے کی چیز ہے میرے
یہ خفیہ میٹنگ ہو رہی ہے، اس کا اخبارات میں کوئی اعلان نہیں کیا گیا ہے، پرائیویٹ
کے ذریعہ ممبروں کو بلایا گیا ہے، اور انہیں رازداری کی سخت تاکید کر دی ہے'!"
شیام نے سوال کیا، لیکن یہ اہم ترین راز آپ کو کس طرح معلوم ہو گیا؟!"
ساھنی صاحب نے سراپا نشاط بنکر کہا، "معلوم ہو گیا، آج لیاقت علی خاں، اور
رین بھی بمبئی گئے ہیں، جلسہ کو راز میں رکھا جا رہا ہے، ہو سکتا ہے اس کی کارروائی
ت میں نہ دی جائے، یہ بھی ممکن ہے تجاویز دبا لی جائیں، معلوم ہوا ہے، حکومت
نہ کو الٹی میٹم دیا جا رہا ہے کہ اگر اس نے پاکستان کا حصول قبول نہ کیا، اور مسلمانوں کو
وزارا دیت نہ دیا تو اس کا تختہ الٹ دیا جائے گا، ——— کتنا مزا آئے گا،
ن خفیہ جلسہ کی روداد، اور تجاویز ہم شائع کر سکیں، اور شیام بابو یہ کام آپ کے سوا
نہیں کر سکتا، آپ کو یہ تکلیف اٹھانی ہی پڑے گی، ———
شیام نے ہتھیار ڈال دیے،
"بہت اچھا جناب" ——— اس کے معنی یہ ہیں کہ صبح فرنٹیر میل سے مجھے روانہ
جانا چاہیے،!
مسٹر ساھنی ہنسنے لگے، صبح؟ فرنٹیر میل سے؟ پھر فائدہ کیا ہوگا جانے سے، شیام بابو
آج جانا ہے، ابھی جانا ہے، فوراً کوچ کرنا ہے،!"

شیام ہکا بکا ہو کر ساہنی صاحب کا منہ دیکھنے لگا، "لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے
اب تو کوئی گاڑی نہیں جائے گی، ———— کیا مجھے ہوائی جہاز سے جانا پڑے گا
ساہنی صاحب نے بڑے جوش کے ساتھ کہا، "بے شک شیام بابو آپ طیارہ پر جا
گے، سیٹ بک ہو چکی ہے، ایک گھنٹہ کے بعد صفدر جنگ کے ہوائی اڈے سے
ایر ویز کا طیارہ آپ کو گود میں لے کر اڑ جائے گا، چند گھنٹوں کے بعد آپ بمبئی میں
ہال کی سیر کر رہے ہوں گے، جہاں مسٹر جناح کی کوٹھی پر جلسہ ہوگا، !"

شیام کی آنکھوں کے سامنے رضیہ کی تصویر پھر گئی، آج اسے وہاں جانا تھا
کا سارا حوصلہ جواب دے گیا،

"لیکن آج ———— ؟ کیا صبح کے طیارے سے نہیں جا سکتا ؟"

ساہنی صاحب نے محبت بھرے لہجہ میں کہا،

"نہیں میرے عزیز، کل صبح دس بجے تو میٹنگ شروع ہو جاتے گی، تمہیں چند گھنٹے
پہلے تو پہونچنا چاہیے، ورنہ پھر جانا نہ جانا برابر ہوگا، !"

شیام کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، اس نے مری ہوئی آواز میں کہا، "بہتر ہے جیسا
کہیں، ! آج ہی چلا جاؤں گا، ابھی چلا جاؤں گا، !"

اپنے کمرہ میں آکر اس نے کملا کو فون کیا، اور تازہ حادثہ کی اطلاع دی، اور
کی کہ وہ اس کی طرف سے رضیہ سے معذرت کر دے، لیکن اس نے صاف انکار کر دیا
کہا تم خود کیوں نہیں معذرت کر لیتے، کیا تمہارے منہ میں مہندی لگی ہے، !

شیام نے بے بسی کے ساتھ فون بند کر دیا، !

وہ رضیہ کو فون نہ کر سکا، ! *

---

(۱۳)

# معذرت

بمبئی پہنچنے کے بعد شیام ہر روز، اور بعض دفعہ تو دن میں دو دو بار ساحنی صاحب کو فون کے ذریعہ اپنے معلومات سے باخبر کر دیتا، اس نے کہا، ورکنگ کمیٹی کا جلسہ انتہائی رازدارانہ طور پر ہو رہا ہے، قائد اعظم کے بنگلہ میں پرندہ پر نہیں مار سکتا، ممبران ورکنگ کمیٹی کسی صحافی کو بھی اعتماد میں نہیں لیتے، پھر بھی اڑتی ہوئی خبر یہ ہے کہ ورکنگ کمیٹی ایک تجویز کا مسودہ تیار کر رہی ہے جس کی حیثیت الٹی میٹم کی ہے، اس الٹی میٹم میں حکومت ہند، حکومت برطانیہ، اور دنیا کی رائے عامہ کو بتایا گیا ہے کہ اگر پاکستان کا مطالبہ منظور نہ کیا گیا، اور مسلمانوں کی خود ارادیت تسلیم نہ کیا گیا تو یہ انصاف، انسانیت، اور اصول حریت کی سب سے بڑی شکست ہوگی، اور اس کے عواقب و نتائج حد درجہ تلخ اور سنگین ہوں گے، یہ خبر مختلف قسطوں میں شیام نے فونوں کے ذریعہ اپنے اخبار کو پہنچائی، اور ہر روز اس بنیاد پر کوئی نہ کوئی خبر شاہ سرخی کے ساتھ شائع ہونے لگی،

چوتھے روز طیارہ کے ذریعہ شیام دہلی واپس آ گیا، تھوڑی دیر دفتر میں کام کرنے کے بعد اس نے لالہ اوما کے گھر کا رخ کیا، وہ کملا سے ملنا چاہتا تھا اور معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کی غیر حاضری میں دعوت کا کیا رنگ رہا؟ اس کی مجبورانہ وعدہ خلافی پر لعن طعن تو نہیں کی گئی؟ اور آیا مستقبل قریب میں پھر کسی دعوت کا امکان ہے یا نہیں؟ اس نے چاہا تھا کہ دفتر سے رشیدہ کو فون کرے،

اور اپنی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے اس روز حاضر نہ ہو سکنے کی معذرت کر لے لیکن وہ
نہ کر سکا۔ آج تک اس نے اسے فون نہیں کیا تھا، نہ جانے اس کا یہ اقدام کس نظر سے دیکھا
کہیں ایسا نہ ہو لینے کے دینے پڑ جائیں، وہ کسی قیمت پر رضیہ کو خفا کرنا نہیں چاہتا تھا، نہ
تعلقات کو ایسا رنگ دینا چاہتا تھا، جس سے دوسروں کو، یا خود رضیہ کو غلط فہمی ہو،
اپنی سیرت اور صورت کے لحاظ سے اس کے لیے ایک مثالی چیز بن گئی تھی، وہ اس کی ذا
ذہانت، حاضر جوابی، نکتہ سنجی، اور سب سے بڑھ کر حب وطن نیز وطن کے لیے ایثار اور
کے بے پناہ جذبہ سے متاثر تھا، اسے دیکھتا تھا، تو خواہ مخواہ طبیعت میں انبساط و نشاط
پیدا ہو جاتی تھی، اس سے باتیں کرنے کا موقع ملتا تھا تو خود بخود، سرور و کیف کا عالم
ہو جاتا تھا، شاید دل کے کسی گوشہ میں، کوئی انجانا سا، مبہم سا، بے نام سا کوئی جذبہ
بیٹھ رہا ہو، لیکن نہ وہ اس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتا تھا، نہ اسے پروان چڑھنے کا
دینا چاہتا تھا، وہ اپنے جذبہ کو صرف قدر شناسی اور نیاز مندی تک محدود رکھنا چا
بس اس سے زیادہ کچھ نہیں، پھر بھی اس وقت یہ امید اس کے دل میں موجود تھی کہ شاید
وہاں موجود ہو اور کملا کے واسطہ کے بجز اس کی خیریت اور کیفیت مزاج کا علم ہو جا
جذبۂ نیاز مندی کے باعث وہ جتنا رضیہ کے قریب ہونا چاہتا تھا، اتنا ہی کملا
معاملہ کی حد تک دور رہنا چاہتا تھا، جہاں وہ بات میں بات پیدا کر لیتی تھی وہاں اپنے
لطیف کے مظاہرے سے بھی نہیں چوکتی تھی، اس دن جب وہ بمبئی جا رہا تھا، اور د
میں حاضر نہ ہو سکنے کی معذرت کی تھی، تو اس نے فون پر نہایت خشک لہجہ میں کہ
تم خود کیوں نہیں فون پر معذرت کر دیتے کیا منہ میں مہندی لگا رکھی ہے؟ بھلا
پیٹ عورت کے سامنے اپنی کسی کمزوری کا اظہار کرنا کون سی عقلمندی ہے؟ وہ
تھا، اگر اوما کے ہاں رضیہ نہ ہوتی، اور صرف کملا ہوتی تو وہ ضرور چھیڑے گی،
کوئی ایسا فقرہ چسپ کر دے گی کہ دوسرے تو ہنس پڑیں گے، لیکن میں زمین میں

کوئی بات بنائے نہیں بنے گی، لیکن وہاں گئے بغیر بھی تو چارہ نہیں، رضیہ بھی وہاں کے علاوہ اور کہاں مل سکتی ہے؟ کملا کی خواہ کیسی ہی تلخ و ترش باتیں سننی پڑیں، لیکن بہرحال وہاں جانا پڑے گا،

یہ سوچ کر وہ دفتر سے اٹھا، اور اوما کے گھر کی طرف چل پڑا،

شام کا وقت تھا، سورج غروب ہو چکا تھا، موٹر سائیکل آج بھی نہیں تھی، اس میں کچھ خرابی ہو گئی تھی، اور مرمت کے لیے اسے "دہلی گیریج" بھیجنا پڑا تھا، اور گیریج والوں نے لکھا تھا تین دن سے پہلے نہیں مل سکتی، پہلے خیال ہوا دفتر کی سائیکل لے لے، پھر خیال آیا نہ معلوم واپسی کتنی دیر میں ہو، سائیکل لینا ٹھیک نہیں پھر بس کا خیال آیا، لیکن اسٹاپ پر ایک جم غفیر انتظار میں کھڑا تھا، آخر یہی سوچا، چلو پیدل چلتے ہیں، !

اور وہ پا پیادہ منزل مقصود کی طرف چل پڑا،

تھوڑی دور جانے کے بعد، بالکل کان کے پاس ہارن کی آواز سنائی دی، وہ چونک کر داھنی سمت اور زیادہ ہٹ گیا، پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو رضیہ اپنی چھوٹی سی کار میں بیٹھی مسکرا رہی تھی،

"ارے آپ کب آئے؟ —— آ گئے آپ؟"

شیام نے بہت مختصر سا جواب ان دونوں سوالوں کا دیا، "جی ہاں"، !"

رضیہ نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہاں جا رہے ہیں آپ؟

وہ مسکراتا ہوا گویا ہوا، "جہاں آپ جا رہی ہیں"، !"

رضیہ نے اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے دروازہ کھول دیا، اور بولی، "تو پھر آ جایئے"، !"

کچھ جھجک کر وہ بیٹھ گیا، رضیہ نے کار اسٹارٹ کر دی، ذرا دیر تک دونوں خاموش رہے، پھر رضیہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"اگر آپ کو ہمارے ہاں آنا منظور نہیں تھا، نہ آتے، کچھ زبردستی تو تھی نہیں،

لیکن شہر چھوڑ کر بھاگ جانا، کون سی مصلحت تھی؟"

جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آ گیا آخر، شیام کو یہی اندیشہ تھا کہ رضیہ کو غلط فہمی نہ ہو جائے، وہ سوچ ہی رہا تھا۔ کہ جواب کیا دے کہ رضیہ نے کہا،

"اور آپ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اگر نہیں آنا چاہتے تھے، تو اطلاع دیدیتے کم از کم فون تو کر سکتے تھے، گیارہ بجے رات تک آپ کے انتظار میں کھانا ٹھنڈا ہوتا رہا،

اس اعتراض نے شیام کے آئے ہوئے حواس غائب کر دیئے، وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے مس کملا سے عرض کر دیا تھا کہ رضیہ بولی،

بیچاری کملا بہن نے کم از کم چھ مرتبہ تو آپ کو فون کیا ہوگا،!

اب شیام خاموش نہ رہ سکا، بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا،

"مجھے، ؟ ــــــــــ، مجھے فون کیا تھا مس کملا نے؟"

سامنے سے ایک اچھلتی کودتی گائے گزری، رضیہ نے رفتار کم کر دی، اور گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا،

"جی ہاں آپ کو، !"

شیام نے پوچھا، "پھر میں نے کیا جواب دیا؟"

رضیہ بولی، آپ نے ہر مرتبہ یہ جواب دیا، ابھی آتا ہوں، !" ــــــــــ آخر جب اماں بہن اکتا گئیں، اور جاوید صاحب کو دیر ہونے لگی، اور کملا نے خفا ہو کر فون کرنے سے انکار کر دیا، تو مجھے بہت برا معلوم ہوا، جی تو چاہا، اسی وقت فون کر کے خوب لڑوں آپ سے، لیکن پھر خیال آیا، اب بات کی تو شاید بڑھ جائے، لہذا خاموش رہی، ان لوگوں کے جانے کے بعد رات اتنی آ گئی تھی کہ فون کرنا مناسب نہ معلوم ہوا، دوسرے دن فون کیا، تو جس نے فون اٹھایا اس نے ہر مرتبہ کوئی نیا جواب دیا، کم سے کم چار دفعہ تو فون کیا ہوگا میں نے، کبھی کہہ دیتا، ابھی آئے نہیں ہیں، کبھی کہہ دیتا، آ کے نکلے ابھی چلے گئے ہیں، کبھی معلوم ہوتا

چھٹی لے لی ہے، آخر یہ معلوم ہوا، لکھنؤ چلے گئے، آخر میں نے ساھنی صاحب کو فون کیا انھوں نے ایک بالکل نئی بات کہہ دی، ——

"کیا کہا ساھنی صاحب نے ذرا بتایئے تو سہی؟"

"انھوں نے فرمایا، ممکن ہے لکھنؤ گئے ہوں، ممکن ہے کانپور، ممکن ہے کہیں اور، بہرحال وہ دہلی سے باہر گئے ہیں چند روز کے لیے'!"

"ساھنی صاحب نے یہ کہا؟"

"جی ہاں، —— جب میں نے زیادہ اصرار کیا کہ بتایئے تو سہی کہاں گئے ہیں شیام بابو تو فرمایا، منع کر گئے ہیں کہ کسی کو نہ بتایا جائے کہاں گئے ہیں'!——

سچ شیام بابو مجھے بہت غصہ آیا، لیکن نہ جانے کیوں خلاف عادت ضبط کر گئی'!—— کہاں گئے تھے آپ؟"

"بمبئی گیا تھا، —— لیکن مس کملا نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟"

"وہ بیچاری کیا بتا سکتی تھیں؟ انھوں نے تو میرے گھر میں بیٹھ کر چھ دفعہ فون کیا، اور آپ ہر مرتبہ یہی کہتے رہے ابھی آیا، بس اب اٹھ رہا ہوں، آپ لوگ ہاتھ دھوئیے میں پہنچا —— آخر آپ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ —— آپ اگر نہیں آ سکتے تھے کسی وجہ سے یا نہیں آنا چاہتے تھے، جیسا بعد میں کملا بہن نے بتایا تو صاف کہہ سکتے تھے کوئی زبردستی تو نہیں' ——

بڑے صبر و تحمل کے ساتھ شیام یہ باتیں اب تک سنتا رہا تھا، اب پیمانہ صبر چھلک گیا، اس نے بگڑے ہوئے تیور کے ساتھ کہا،

"مس کملا اوّل درجہ کی جھوٹی ہیں'!"

کار چلاتے چلاتے، اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے رضیہ نے ایک اچٹتی سی حیرت بھری نظر شیام پر ڈالی، اس لب و لہجہ اور اس تیور پر اسے شدید حیرت تھی پھر پوچھا،

"یہ آپ کملا بہن کو کہہ رہے ؟"

شیام نے اسی لب و لہجہ میں کہا،

"جی بے شک انہی کو کہہ رہا ہوں، اور بالکل یہی بات ان کے منہ پر بھی کہہ سکتا ہوں"

رضیہ کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی، اس نے اور زیادہ تعجب آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور گویا ہوئی،

"آپ تو بہت خفا معلوم ہوتے ہیں، ان سے، ان بیچاری کی کیا خطا ہے آخر ؟"

شیام نے حد درجہ برہمی کے ساتھ جواب دیا،

ساری خطا انہی کی ہے، —— مجھے نہیں معلوم تھا وہ لگائی بجھائی کے فن میں اس درجہ طاق ہیں، یقین کیجئے، انھوں نے آپ سے جو کچھ کہا، —— جھوٹ تھا، ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف جھوٹ، بالکل غلط، از اوّل تا آخر سفید جھوٹ کا پلندا، میری سمجھ میں نہیں آتا تھا میں نے ان کا کیا بگاڑا تھا ؟ اور انھوں نے کب کی دشمنی نکالی ہے میرے ساتھ، ؟

رضیہ نے اپنے استعجاب پر غالب آتے ہوئے سنجیدہ لہجہ میں سوال کیا،

"کیا غلط بیانی کی انھوں نے ؟ کیا آپ نے ان سے فون پر چھ دفعہ آنے کا وعدہ نہیں کیا تھا ؟"

"بالکل نہیں، ہرگز نہیں، قطعاً نہیں، ؟"

"پھر کیا کہا تھا ؟"

"کچھ بھی نہیں، ایک لفظ بھی نہیں ؟"

"صرف وہ ادھر سے بولتی رہیں، اور چپ چاپ سنتے رہے ؟"

"میں دفتر ہی میں نہیں تھا، میں دہلی سے دور، بہت دور پہنچ چکا تھا، میرا لیا متھرا سے بھی آگے کافی آگے جا چکا تھا، جب کملا دیوی نے مجھے آپ کے دکھانے کو فون کیا،

ہوگا، ——— !"

"مجھے دکھانے کو؟ ——— آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے ہوائی اڈے کا رخ کرنے سے پہلے سب کچھ انھیں بتا دیا تھا، !"

رضیہ نے دفعتہً کار روک لی، اور ایک مرتبہ پھر، سراپا تعجب بنکر شیام کو دیکھا پھر پوچھا،

"کیا بتا دیا تھا آپ نے؟"

شیام نے اپنی اور ساجنی کی گفتگو، پھر اپنی اور کملا کی بات چیت ساری دہرا دی رضیہ خاموشی کے ساتھ سنتی رہی پھر مسکراتی ہوئی بولی،

"اوہ میں سمجھ گئی، !"

شیام پر اب تک برہمی کی کیفیت طاری تھی اس نے پوچھا،

"کیا سمجھ گئیں آپ؟"

رضیہ ہنس پڑی اس نے کہا،

"یہ ان کی شرارت تھی، ——— زندگی، زندہ دلی، شوخی، شرارت، دوسروں کو بنانا، چڑانا، یہ چیزیں اگر کملا سے چھین لی جائیں تو پھر کچھ اور ہو جائیں گی، کملا نہیں رہیں گی، میں تو ان کی ان باتوں سے لطف لیتی ہوں، مجھے بڑی پیاری لگتی ہیں وہ، جس طرح زندگی کے سنگین اور ٹھوس حقائق کا مقابلہ کر رہی ہیں، وہ انہی کا حصہ ہے، وہ پھول کی طرح نرم و نازک ہیں، لیکن فولاد کی طرح سخت اور بے لچک ہیں، وہ دشمنوں کے ساتھ بھی رعایت کرتی ہیں، اور دوستوں پر تو جان چھڑکتی ہیں، آپ ان سے خفا ہو گئے؟ ان سے؟ چھی چھی، ! ——— اب کبھی یہ لفظ آپ کی زبان پر نہ آئے، !"

اب شیام کی باری تھی، وہ حیرت سے رضیہ کو تکنے لگا، پھر بولا،

لیکن انھوں نے میرے ساتھ تو دشمنی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، حالانکہ، —— اگر وہ مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتیں کہ جان چھڑکیں، تو دشمن سمجھنے کے بعد بھی بقول آپ کے میرے ساتھ رعایت کرنی چاہیے تھی، !"

رضیہ ہنسنے لگی، "آپ بہت خفا ہیں اس وقت، آپ کملا بہن کو غلط نہ سمجھئے، آپ ان کی فطرت اور سرشت سے واقف تو ہیں، پھر یہ برہمی کیوں؟ —— تکلف برطرف اب ایک انداز جنون بڑھی، مجھے دیکھئے، کتنا صدمہ تھا مجھے، لیکن کملا کی شرارت کا حال جیسے ہی آپ سے سنا، سارا صدمہ کافور ہو گیا، ابھی چلئے، دیکھئے، ہم دونوں کو ساتھ دیکھ کر قطعاً سمجھ جائیں گی کہ سارا حال سب مجھے معلوم ہو چکا ہے، پھر ملاحظہ کیجیے، کوئی ایسی بات پوری معصومیت کے ساتھ کہہ دیں گی کہ اگر آپ بھی نہ ہنس پڑیں تو میرا ذمہ، !

شیام نے کوئی جواب نہیں دیا، کار پھر چل پڑی، ذرا دیر میں ادما کا گھر آ گیا، دونوں ساتھ اندر داخل ہوئے، اتفاق کی بات سب سے پہلے مڈبھیڑ کملا سے ہوئی، اس نے حسب معمول بڑے تپاک اور گرم جوشی سے استقبال کیا، اور رضیہ سے کہنے لگی،

"امید ہے تم نے شیام کو معاف کر دیا ہوگا، میں نے اس دن بھی تم سے کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں کہ بڑا فرض شناس لڑکا ہے، فرض نے دامن نہ پکڑا ہوتا تو سر کے بل آتا اس روز کی مجلس میں، بے چارے نے جب مجھے فون کیا، اور التجا کی کہ تم سے معذرت کر دوں تو اس کی آواز بھرا گئی تھی، ٹیلیفون کے بجائے ٹیلی وژن ہوتا تو شاید میں اس کی چشم پرنم بھی دیکھ لیتی، !"

رضیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، "ہٹئے بھی کملا بہن بڑی وہ ہیں آپ بھی، !"

اور شیام بھی مسکرا دیا، ! ❊

(۱۴)

# آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے ۔ ۔ ۔

اوما اور جاوید نے، رضیہ اور شیام کو ہاتھوں ہاتھ لیا، آج کئی دن کے بعد اس مجلس میں وہ حاضر ہوا تھا، اس لئے التفات و توجہ کا مرکز بھی وہی تھا، جاوید نے سوال کیا،

"کیوں بھئی شیام کیسے رہے؟ اچھے تو ہو؟ بمبئی ہو آئے؟"

تینوں سوالوں کا جواب شیام نے ایک لفظ میں دیا، "جی ہاں، !"

کملا نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا، "اگر کبھی شیام ابو بڑے آدمی بنے، اور آثار کہے دیتے ہیں کہ ضرور بنیں گے، تو انکا اسٹینو بڑی دعائیں دیا کرے گا ان کو، وہ مختصر نویس یہ مختصر گو، وہ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو!"

جاوید نے ایک قہقہہ لگایا، پھر کہا، "مس کملا آپ کسی کو معاف نہیں کرتیں شیام کو بھی نہیں، کتنا بھلا مانس ہے، اور آپ ہیں کہ اس کے بھی لتے لے ڈالتی ہیں، ———

ہاں شیام بابو بمبئی کا سفر کیسا رہا، !؟

شیام نے کہا، "بہت اچھا، !"

پھر یہ سوچ کر کہ اس مختصر سے جواب پر کملا پھر کوئی فقرہ چست نہ کر دے اس نے کہا، "بڑا خوب صورت شہر ہے بمبئی، وہاں زندگی، مسکراتی، گنگناتی، اور ناچتی نظر آتی ہے، پانی کا سمندر وہ ہے، جس نے بمبئی کو گھیر رکھا ہے، اور آدمیوں کا سمندر خود اس کے اندر

آباد ہے، اس سمندر میں بھی لہریں اٹھتی ہیں، طوفان آتے ہیں، ہلچل مچتی ہے، دن ہو یا رات زندگی کا الھڑپن کسی وقت بھی نہیں تھکتا، کسی وقت بھی نہیں سستاتا، ہر وقت ————

کملا نے طلسم سکوت توڑا، "بس کیجئے شیام بابو، !"

شیام دفعتہً چپ ہو کر کملا کی طرف دیکھنے لگا، ادما نے بھنا کر کملا سے کہا،

"یہ کیا لغویت ہے؟ تم نے شیام بابو کو خاموش کیوں کر دیا؟"

وہ سوکھا سا منہ بنا کر بولی، "مجھے رحم آگیا، شیام بابو پر، محض میری نکتہ چینی کے ڈر سے، یہ اتنی طویل تقریر پر تیار ہو گئے، ورنہ بات صرف اتنی تھی کہ جاوید صاحب نے پوچھا بمبئی کا سفر کیسا رہا، ؟ انھوں نے جواب دیدیا" بہت اچھا"! اللہ اللہ خیر صلا، !"

اس انکشاف راز پر شیام تلملا گیا، پہلے ہی سے بھرا بیٹھا تھا، وہ تو راستہ میں رضیہ نے اسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو شاید آتے ہی لڑنا شروع کر دیتا، لیکن اب تاب ضبط نہ رہی! پیچ و تاب کھاتے ہوئے اس نے کہا،

"مس کملا میں آج تک آپ کو نہیں سمجھ سکا، ———— واقعی نہیں سمجھ سکا، شاید لطف آتا ہے آپ کو دوسروں پر فقرے سر کرتے اور ان کو چھیڑتے ہیں، !"

رضیہ نے صورت حالات کی نزاکت کا اندازہ لگایا اور جلدی سے بول اٹھی، ارے شیام بابو آپ کملا دیوی سے الجھ رہے ہیں، ؟ آپ جانتے نہیں ادما دیوی نے، جاوید صاحب نے، میں نے، ان کے تمام ملنے والوں نے چھوٹ دے رکھی ہے انھیں، یہ جو چاہیں کریں، جو چاہیں کہیں

شیام خاموش ہو گیا، لیکن اس کی بے کلی اب تک قائم تھی، جاوید نے ہنستے ہوئے کہا،

"رضیہ تم نے تو بڑے مزے کی بات کہدی، سن رہی ہو کملا؟"

کملا نے شاعروں کی طرح، جیسے وہ بھرے مشاعرہ میں داد پا کر، جھک جھک کر سلام

…تے ہیں، کہا، بندہ نوازی ہے رضیہ کی، ورنہ میں کس قابل ہوں، بہرحال اگر آپ سننے کے …وڈیں ہوں تو ایک عرض کیا ہے ——

رضیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، جی بخشئے، اب ہم آپ کی عرض نہیں سنیں گے، شیام بابو کے …شادات سنیں گے، بتایئے شیام بابو، بمبئی میں، قومی زندگی کا کیا حال ہے؟"

شیام نے اپنے بکھرے ہوئے حواس جمع کیے، اور بولا،

قومی زندگی کی امنگ اور ترنگ کا حقیقی نظارہ تو وہیں کیا جا سکتا ہے، کون ہے …وب وطن کے جذبہ سے سرشار نہیں، ؟" ہندوستان کی تحریک آزادی میں بمبئی کا …بت بڑا حصہ ہے، اور میرا خیال ہے، آئندہ بھی بمبئی اپنا شاندار پارٹ ضرور ادا …ے گا، !"

جاوید نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا، "مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ کدھر جا رہے ہیں؟"

شیام نے بتایا، "صاحب سچی بات یہ ہے کہ ایک جادوگر نے مسلمانوں پر سحر کر رکھا …ے، وہ اس وقت پاکستان کے سوا کوئی لفظ سننے کو تیار نہیں ہیں، یوں تو سارے ہندوستان …میں تحریک پاکستان جڑ پکڑ چکی ہے، لیکن بمبئی میں تو عالم ہی دوسرا ہے، شاید ہی کوئی گھر ہوگا …جہاں پاکستان کے نعرے نہ گونج رہے ہوں، بیچارے سید عبداللہ بریلوی، بمبئی کرانیکل …میں لاکھ پرزور مقالات ادارت لکھیں، اور یوسف مہر علی کیسی ہی پرزور تقریریں کریں، قاسم …علی جعفر بھائی کتنی ہی مرتبہ جیل جائیں، اور سرخرو ہو کر واپس آئیں، لیکن عوام پر تو سبز …رنگ چڑھا ہوا ہے اور اس رنگ کا اتارنا اب کسی کے بس کی بات نہیں، ——

ایک آہ سرد کے ساتھ جاوید نے کہا،

"ہاں حالات ایسے ہی ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کب تک یہ کیفیت قائم رہے گی،؟"

شیام نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"بظاہر تو ایسے آثار نظر نہیں آتے کہ، ہم مسلم عوام کو اپنا ہمنوا، اور ہم خیال بنا

لیکن، ـــــــ اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ بعض سر آوردہ کانگریسی مسلمان تک
کانگرس کے پلیٹ فارم پر حق خود ارادیت کی حمایت کرنے لگے ہیں، ڈاکٹر اشرف
میاں افتخار الدین وغیرہ کے بیانات کیا اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کرتے ؟"

جاوید نے مغموم اور افسردہ لہجہ میں کہا "کرتے ہیں، اور یہی سب سے زیادہ
بات ہے، !"

پھر کچھ سوچتے ہوتے، آہستہ آہستہ جاوید بولا، کمیونسٹ اگر اپنے مخصوص
معلوم و نامعلوم مقاصد و مصالح کے تحت اس نعرہ کا ساتھ دے رہے ہیں تو یہ خلاف
توقع یا حیرت انگیز بات نہیں ہے، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کانگرس کے اندر رہ کر بعض
مسلمان کیوں اس نعرے کی پشت پناہی کر رہے ہیں ؟"

شیام نے، زیر لب تبسم کے ساتھ کہا، "اس طرح کے کانگریسی مسلمانوں کے بھی تو
"مخصوص، اور معلوم و نامعلوم مقاصد و مصالح ہو سکتے ہیں ؟"

رضیہ ہنس پڑی، پھر بولی "ہاں یہی بات ہے، !"

شیام پر اس وقت ایک عجیب قسم کا تاثر طاری تھا، کہنے لگا،
دکھ اس بات پر ہوتا ہے کہ جذبات کے اس طوفان میں مسلمان خود اپنے شاندار
اور ناقابل فراموش کارناموں کو خس و خاشاک کی طرح بہلائے دے رہے ہیں"!

کملا نے سوال کیا، "کیا کہا شیام بابو ؟"

شیام گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا، "مس کملا کیا یہ واقعہ نہیں
ہے کہ ہندوستان کی موجودہ سیاسی بیداری میں تحریک خلافت کا بہت بڑا حصہ ہے
اگر مولانا محمد علی، شوکت علی، مولانا عبید اللہ سندھی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور مولانا ابوالکلام
نے شروع ہی میں جب ہندوستان سو رہا تھا، جب ہندو سو رہے تھے، گاندھی جی کا ساتھ
نہ دیا ہوتا تو کیا ہوتا ؟ کیا ہندوستان اس جگہ نظر آ سکتا تھا جہاں آج نظر آ رہا ہے !

ے اگر سوال کیا جائے تو کم از کم میرا جواب تو نفی میں ہوگا، !"

جاوید نے تحسین آمیز نظروں سے شیام کی اس وسعت قلب اور وسعت نظر کو دیکھا، مسکرا کر پھر خاموش ہو گیا، رضیہ نے شیام پر طنز کرتے ہوئے کہا،

واہ شیام بابو واہ، کیا کہنا ہے آپ کا، اگر کہیں آج انجم صاحب ہوتے اس وقت بے ساختہ کہہ اٹھتے، "پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے"!"

جاوید بے اختیار ہنس پڑا، اوما بھی ہنسنے لگی، لیکن شیام نے ان قہقہوں کی پروا کرتے ہوئے کہا،

"مجھے دکھ یوں ہوتا ہے کہ جب دار و رسن اور قید و بند کا وقت تھا، تو مسلمان قلیت میں ہونے کے باوجود، اکثریت سے بہت آگے تھے، اور جب ان قربانیوں کا انعام لینے کا وقت آیا تو وہ سب سے پیچھے ہیں، بلکہ میدان ہی میں نہیں ہیں،!"

پھر ذرا دیر ٹھہر کر کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا، "مسٹر جناح کو تاریخ کبھی نہیں معاف کرے گی، انھوں نے اپنے اوپر بھی ظلم کیا، اور اپنی قوم پر بھی، ہوم رول تحریک رہبر، کانگریس کا چوٹی کا لیڈر، اول درجہ کا نیشنلسٹ، وطن دوست، ملک پرور، آج سب سے بڑا فرقہ پرست ہے، اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ اپنا کیریر غارت کر لیا ہو، بلکہ اپنی قوم کے نام نیک پر بھی سیاہ دھبہ لگا دیا۔ اس کے کارناموں کو بھی، جو بے انتہا عظیم اور رفیع تھے، خاک میں ملا دیا، مسلمان قوم کی اس سے بڑھ کر بد قسمتی کیا ہوگی کہ اس کا لیڈر جناح ہے،! اگر ذرا بھی سمجھ ہوتی مسلمانوں میں تو وہ ایسے لیڈر کو دور سے سلام کرتے، جو انہیں نجات کے بجائے تباہی کے راستے کی طرف بجلی کی تیزی کے ساتھ لیے دوڑا چلا جا رہا ہے،!"

جاوید نے جو سگریٹ پر سگریٹ سلگا رہا تھا، پہلو بدلتے ہوئے کہا،

شیام بابو ان باتوں کو چھوڑیئے، تکلیف ہوتی ہے ان سے، کچھ دوسری باتیں

کیجئے، ــــــــــ لیکن ہاں اتنا بتا دیجئے کہ اس جادوگر کے بارے میں جس کا نام جنا
ہے آپ کیا معلومات لے کر آئے ہیں؟ کیا نیشنل کال میں جو کچھ چھپا ہے صحیح ہے؟"

شیام نے جواب دیا، "جی ہاں،" ــــــــــ اس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہیں
وہ میری ہی بھیجی ہوئی رپورٹیں ہیں جو چھپتی رہی ہیں، یہ ضرور ہے کہ ذرا انہیں چٹ پٹا
دیا گیا ہے، بہرحال یہ واقعہ ہے کہ لیگ نے حکومت ہند' اور حکومت برطانیہ ک
الٹی میٹم دے دیا ہے کہ خیریت چاہتے ہو تو پاکستان مان لو، ــــــــــ

" نہ مانا تو کیا ہوگا؟"

"لڑائی، بلکہ جنگ عظیم، خانہ جنگی، تباہی، بربادی، ہلاکت ــــــــــ

" نہیں شیام بابو یہ کچھ نہیں ہو سکتا، !"

" جاوید صاحب نہایت ادب کے ساتھ، مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہے

" کیوں اختلاف ہے؟ ــــــــــ کیا تم سمجھتے ہو کہ مسلمانوں کے نام نہاد قائد
صاحب، "جنگ" کر سکتے ہیں ــــــــــ !"

"جی ہاں میرا یہی خیال ہے'!"

"لیکن غلط خیال ہے، یہ جنگ نہیں کر سکتے،

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے،
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں،

یہ لوگ جنگ کریں گے؟ یہ خان بہادر، یہ سر، یہ تعلقدار، یہ جاگیردار، یہ سرمایہ دار
یہ نواب زادہ لیاقت علی خاں، یہ سر ناظم الدین، یہ راجہ صاحب محمود آباد، یہ نواب
اسماعیل خاں، یہ مسٹر اصفہانی، یہ جنگ کریں گے؟ جنھوں نے کبھی کوئی تکلیف نہیں
اٹھائی، جنھوں نے جیل کا منہ نہیں دیکھا، جو کبھی کسی آزمائش سے دوچار نہیں ہوئے
جنھوں نے کبھی کوئی امتحان نہیں دیا، جو عیش و تنعم کی زندگی کے رسیا ہیں، یہ جنگ

ریں گے؟ یہ لڑیں گے؟ یہ حکومت ہند سے ٹکرائیں گے؟ یہ حکومت برطانیہ کا مقابلہ
ریں گے؟ یہ کانگرس کے سرفروشوں، جاں بازوں، اور فداکاروں کا راستہ روکیں
گے؟ شیام بابو، یہ ممکن ہے کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو، لیکن یہ
ممکن ہے کہ یہ نواب زادے، یہ سر، یہ راجہ، جیل جانے کی زحمت گوارا فرمائیں، اپنے
گلوئے نازک پر پھانسی کا پھندا لگوائیں، سر پر اور سینہ پر لاٹھیاں کھائیں، سنگینوں کے
وار سہیں، یہ غوغائی لوگ ہیں، یہ کچھ نہیں کر سکتے سوا شور مچانے کے، یہ خون دیکھ
کر بیہوش ہو جائیں گے، یہ ہتکڑیاں دیکھکر لرزنے لگیں گے، پھانسی کے تختہ کے سامنے
پہنچ کر ان کی حرکت قلب بند ہو جائے گی، انھوں نے بے شک اپنے نام نیک
پر دھبہ لگا لیا ہے، بے شک یہ اپنی قوم کو تباہ کر سکتے ہیں، لیکن بحر ذخار کی آسمان
سے باتیں کرنے والی موجوں کو یہ نہیں روک سکتے، ایک ہی تھپیڑ کھا کر، یہ آغوش مرگ
میں نہایت اطمینان کے ساتھ پہنچ جائیں گے،!! ——— یہ قاتل ہیں، خود اپنے
اپنی بھولی بھالی قوم کے، ان کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ خود ڈوبیں اور اپنے ساتھ اپنی
قوم کو بھی لے ڈوبیں، اطمینان رکھئے، شیام بابو اس سے زیادہ یہ کچھ نہیں کر سکتے
کر ہی نہیں سکتے،!!"

جاوید کی یہ پرزور، پرجوش، اور پرخروش تقریر سب لوگ خاموشی سے سن رہے
تھے، کملا اور اوما، اور رضیہ پر تو عقیدت کا رنگ چڑھا ہوا تھا، یہ اسی طرح ان باتوں
کو سن رہی تھیں جیسے گرو کی چیلیاں، عقیدت کے کانوں سے اس کی باتیں سنتی ہیں، لیکن
شیام کے چہرے کا آثار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ وہ جاوید کے خیالات سے متفق نہیں ہے،
اس وقت رضیہ نے سوال کیا،

"کہئے شیام بابو، کچھ آیا سمجھ میں؟"

شیام نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں ———،

ہاں کے الف پر، کچھ اس نے ایسی موسیقیت کے ساتھ زور دیا اس لفظ کے
کو "نہیں" ہیں بدل دیا تھا، !

رضیہ نے جل کر کہا، بڑے ضدی ہیں آپ، اجو بات منہ سے نکل گئی، وہ تو
لکیر بن گئی، !،

شیام ہنسنے لگا، اس نے کہا، "نہیں مس رضیہ بات ایسی نہیں ہے، واقعہ یہ
کہ اب مسلمانوں میں وہ جذبہ اور جوش پیدا ہو گیا ہے اس تحریک کے بارے میں کہ
یہ کسی کے روکے نہیں رک سکتی، ـــــــــ کسی طرح بھی نہیں، !"

رضیہ الجھ پڑی، "یہ آپ کا خیال ہے، اور ضروری نہیں کہ صحیح ہو، !"

شیام نے رضیہ سے سوال کیا "یہ بتائیے کل اگر گاندھی جی، پنڈت جی، ا
سردار پٹیل، یہ اعلان کر دیں کہ تحریک آزادی غلط تھی، یہ واپس لی جاتی ہے، ابھی
نہیں آیا کہ ہندوستان آزاد ہو، لہٰذا ضروری اور مناسب ہے کہ انگریز بد
حکومت کرتے رہیں تو کیا ہوگا؟"

رضیہ نے جواب دیا، یہ لوگ ایسی بات کہہ ہی نہیں سکتے، !"

کملا بولی، "یہ نہ کہو، کہہ تو سکتے ہیں، لیکن اس وقت جب پاگل ہو چکے ہوں
سے پہلے نہیں، !"

شیام نے کملا سے کچھ نہیں کہا، رضیہ سے پوچھا،
فرض کر لینے میں کیا حرج ہے؟ فرض کیجیے ایسا اعلان یہ حضرات کرتے
تو اس کا ردِ عمل کیا ہوگا؟"

ادما بولی، "وہی لوگ جو آج ان کے جیکارے لگا رہے ہیں، قیمہ قیمہ کر د
ان کو، چانس نہیں ملے گا ان کا، !"

شیام نے گویا بازی جیت لی، کہنے لگا، "یقین کیجیے، یہی حشر مسلم قوم کے

ح صاحب اور ان کے لفٹنٹوں کا ہوگا، اگر انھوں نے تحریک پاکستان واپس لے لی
کہ اب یہ تحریک ایک نعرہ نہیں حقیقت ہے، ـــــــــ ٹھوس حقیقت! جسے
یا جا سکتا ہے، لیکن مٹایا نہیں جا سکتا، !"

کسی نے جواب میں کچھ نہیں کہا، سب خاموش تھے، ! +

(۱۵)

# نئی بات

شیام کے خیالات قابل قبول کسی کے لیے نہیں تھے، لیکن ان کی تردید کرنا بھی کسی کے لیے آسان نہیں تھا، ان میں واقعیت تھی، حقیقت تھی، وزن تھا، بڑی دیر تک خاموشی سی طاری رہی سب پر، کملا نے کچھ ہنسنے ہنسانے کی باتیں چھیڑیں، لیکن محفل کی افسردگی جوں کی توں قائم رہی، تھوڑی دیر کے بعد رضیہ گھڑی دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی، "کافی دیر ہوگئی اب چلنا چاہیے"!

شیام بھی اٹھ کھڑا ہوا، "مجھے بھی ابھی دفتر جانا ہے"!

رضیہ کچھ کہے بغیر باہر نکل آئی، شیام بھی پیچھے پیچھے تھا، اپنی خوبصورت سی، ننھی سی کار کے پاس پہونچ کر رضیہ نے شیام سے سوال کیا، "چلتے ہیں"!

وہ آگے بیٹھ گیا۔ "چلئے نکی اور پوچھ پوچھ"!

رضیہ نے تبسم کی بجلی چمکائی اور کار اسٹارٹ کر دی، تھوڑی دور چلنے کے بعد، وہ بولی،

آپ تو شیام بابو پاکستان بنوا دینے کا شاید تہیہ کر چکے ہیں"!

شیام نے خاموشی سے ایک سگریٹ سلگایا، پھر گویا ہوا، "مس رضیہ، تاریخ کے دھارے کو، دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا، میرے ذاتی خیالات آپ

پرورش ہیں، ہم دونوں ہیں، جو اتنا ربط ضبط ہے اس کی بنیاد اشتراک خیال ہی ہے، نہ آپ پاکستان کی حامی ہیں، نہ میں ہوں، لیکن ——

وہ مسکراتی ہوئی بولی، "بن کے رہے گا پاکستان"!"

شیام بھی مسکرانے لگا، "جی ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے"!"

رضیہ نے پوچھا، "کیا آپ کا خیال ہے ساری مسلمان قوم جناح کے ساتھ ہے؟"

شیام نے جواب دیا، ساری ہندو قوم گاندھی اور جواہر لال کے ساتھ بھی نہیں ہے، لیکن جس طرح ہندوؤں کی عظیم اکثریت گاندھی جی کے ساتھ ہے، اسی طرح مسلمانوں کی عظیم اکثریت جناح کے ساتھ ہے، اور اس جمہوریت کے دور میں اتنی بڑی قوم کو، جتنی بڑی جناح کی قوم ہے زبردستی کسی نظام کا تابع نہیں بنایا جا سکتا"؟"

رضیہ نے ان دلائل سے عاجز آتے ہوئے کہا، "واہ بھئی اچھے رہے آپ بھی، کیا ابھی اسی لیے گئے تھے کہ لیگی بنکر واپس آئیں؟ —— کیا آپ نے ساھنی صاحب کو بھی یہ باتیں بتائیں"؟"

شیام ہنسنے لگا، کیوں نہیں بتائیں"؟ —— لیکن وہ بھی آپ کی طرح، اپنی ضد پر قائم ہیں"!"

رضیہ نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا، میں ضد نہیں کرتی، پاکستان کو اگر بننا ہے تو واقعی وہ بن کر رہے گا، کوئی بھی اسے روک نہیں سکتا، لیکن جو لوگ اس نظریہ سے، اس تحریک کے مخالف ہیں، انہیں اختلاف کا حق تو ہے؟"

شیام نے گردن ہلاتے ہوئے کہا، جی ہاں ضرور ہے،

وہ بولی، بس پھر جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو آخر وقت تک مخالفت کرتی رہوں گی —— پاکستان بن جانے کے بعد بھی میری مخالفت قائم رہے گی"!"

شیام نے جلتا ہوا سگریٹ باہر پھینکا، اور بولا، "بالکل ٹھیک، میں کب آپ سے پیچھے

ہوں، جان کی بازی لگا دوں گا کہ یہ تحریک سرسبز اور کامیاب نہ ہو، لیکن ایک بات بار بار سوچتا ہوں، اور حیران ہوتا ہوں، کیا ایسی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، یا ہندوستان تقسیم بھی نہ ہو، اور مسلمان مطمئن بھی ہو جائیں؛

وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی، "میرے خیال میں تو یہ ناممکن ہے"!"

خیام نے ہنستے ہوئے کہا، ناممکن تو دنیا میں کوئی چیز بھی نہیں ہے، سیاست کی دنیا میں دشمنوں کو دوست بنتے، اور دوستوں کو دشمن بنتے دیر نہیں لگتی، کسی کے وہم و گمان میں تھا کہ ہٹلر روس پہ حملہ کر دے گا؟ کون سوچ سکتا تھا کہ چرچل صاحب اسٹالین کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے؟ لیکن یہ دونو باتیں ہوئیں، ـــــــــ کیا ہم اس دشمن کو جس کا نام جناح ہے نہیں منا سکتے؟"

وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی، "آپ سے اتنا بھی نہ ہو سکا، بمبئی گئے تھے تو یہ کام بھی کر آئے ہوتے"!"

خیام نے سنجیدہ لہجہ میں کہا، میرے بس میں ہوتا تو واقعی میں ایسا ہی کرتا"!"

"کیا کرتے آپ؟"

"میں ایک سادہ کاغذ دستخط کر کے دے دیتا، اور جناح صاحب سے کہہ دیتا جو چاہے لکھ لیجئے، تقسیم ہند کے سوا مجھے سب کچھ منظور ہے"!"

"اور وہ کچھ نہ لکھتے سوا تقسیم ہند کے"!"

"یہ غلط ہے، تنگ دلی کے جواب میں تنگ دلی پیدا ہوتی ہے، وسعت قلب کا مقابلہ وسعت قلب ہی سے ہو سکتا ہے، مصر کی عیسائی اقلیت کو جو راہ آزادی کا روڑا بنی ہوئی تھی وہاں کے قائد اعظم سعد اغلول پاشا نے بے چوں وچرا وہ تمام حقوق دے دیے جو اس نے مانگے، بلکہ کچھ اپنی طرف سے زیادہ بھی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کی غیر مسلم اقلیت، مسلم اقلیت کے ساتھ جان و دل سے شریک ہو گئی، اس سلسلہ میں ایک لطیفہ آپ کو بتاؤں؟"

"واقعی آپ کی باتیں بڑی خیال افزا ہیں ضرور کہئے، !"

"انگریزوں نے جس طرح لڑاؤ اور حکومت کرو کے اصول کو سامنے رکھ کر ہندوستان میں سائمن کمیشن بھیجا تھا اسی طرح مصر میں ملز کمیشن بھیجا تھا، سائمن کمیشن کے سامنے، مسلمان سکھ، عیسائی، پارسی، یہودی سب اپنی اپنی عرضداشتیں ہندو اکثریت کے خلاف لے کر پہونچے اور جداگانہ مطالبات پیش کر دیے، نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو کچھ نہیں ملا، لیکن مصر میں اقلیت کا کوئی فرد ملز کمیشن کے سامنے بہ دست سوال دراز کرتا حاضر نہیں ہوا، آخر انتظار سے تنگ آکر کمیشن خود اقلیت کے پاس پہنچا، اور پوچھا،

"بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ تم کیا مانگتے ہو؟"

اقلیت کے نمائندوں نے عرض کیا،

جناب ہم وہی چاہتے ہیں جو سعد پاشا چاہتے ہیں، ہم وہی مانگتے ہیں جو سعد پاشا مانگتے ہیں، ہمارے پاس اپنا وقت نہ ضائع کیجیے، انہی کے پاس تشریف لے جایئے، ——— !

بے چارہ کمیشن اپنا سا منہ لے کر واپس آگیا، اور آخرکار اسے سعد پاشا کے سامنے سر جھکانا پڑا،

"یہی آپ اپنے ملک میں بھی چاہتے ہیں' !"

"جی ہاں، ——— کیا غلط چاہتا ہوں'؟"

"یہ میں کب کہتی ہوں، لیکن مہاتماجی اور پنڈت جی کو آپ متعصب تو نہیں کہہ سکتے ———"

"ہرگز نہیں، وہ ذرا بھی متعصب نہیں ہیں، لیکن اتنے روادار بھی نہیں ہیں، جتنا اتنے بڑے ملک، اور بڑی قوم کے لیڈر کو ہونا چاہیے اسی لیے یہ سارے جھگڑے ہیں' !"

"واہ، مہاتماجی تو ہر معقول بات ماننے کو تیار ہیں،!"

"یہی تو غلطی ہے،!"

"شیام بابو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ "معقول" کی شرط غلط ہے یہی سب سے بڑا فتنہ ہے اسے راستہ سے مٹا دینا چاہیے،!"

"حیرت سے، یعنی آپ کا مطلب یہ ہے کہ نامعقول مطالبات بھی مان لینا چاہئیں"

"ہر اقلیت کچھ نامعقول مطالبات بھی رکھتی ہے، اس لیے کہ اکثریت کی بالادستی سے خائف ہونا اسی کا حق ہے، یہ حق چھیننے کی کوشش نہ کی جائے، اس حق کو مان لیا جائے، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ دے دیا جائے، تو جانتی ہیں آپ نتیجہ کیا ہوگا؟"

"بالکل نہیں جانتی، آپ ہی کو بتانا پڑے گا،!"

"نتیجہ یہ ہوگا کہ اقلیت کا خوف دور ہو جائے گا، بے اعتمادی رخصت ہو جائے، شک اور شبہ کے بادل چھٹ جائیں گے، اور پھر وہ از خود صرف نامعقول مطالبات ہی سے نہیں، معقول مطالبات سے بھی دست بردار ہو جائے گی، ——— لیکن اس کے لیے بہت بڑا دل چاہیے، افسوس ہمارے لیڈروں کے پاس جتنے بڑے دماغ ہیں اتنے ہی بڑے دل بھی ہوتے تو چٹکی بجاتے ہیں یہ سارا مسئلہ حل ہو جاتا، پھر کوئی جھگڑا باقی نہ رہ جاتا،!"

"آپ کے خیالات سے کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں، آپ بڑے عالی حوصلہ اور فراخ دل آدمی ہیں، آپ کی ان باتوں نے میرے دل میں آپ کی عظمت اور بڑھا دی، ———"

کار رک گئی، شیام کا دفتر آ گیا تھا، وہ اترا اور کار کا دروازہ بند کرکے جاتے جاتے "شکریہ" کہا اور رخصت ہو گیا،!

(۱۶)

# اور ایک دن ۔۔۔۔

شام کا وقت جاوید عموماً اوما کے اں صرف کرتا تھا، دفتر سے فارغ ہونے کے بعد چلا آتا، اور پھر جب تک چاہتا بیٹھتا، خوب گھل مل کر مختلف ذاتی، اور قومی مسائل پر باتیں ہوتیں، آج حسب معمول جب وہ دفتر سے اٹھ کر چلا، تو تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی ایک اختر سے ملاقات ہو گئی، اتنے دن کے بعد اسے دیکھ کر جاوید خوش ہو گیا،

ارے بھائی تم کہاں؟

اختر نے پرجوش معانقہ کرتے ہوئے کہا، "جہاں تم وہاں ہم"!"

"بہت اچھے، ——— لیکن کب آئے؟ شان نزول کیا ہے؟ ٹھہرے کہاں ہو؟"

اختر نے بے پروائی سے کہا، نوکری چلی نہیں استعفا دے دیا، لکھنؤ میں جی نہیں لگا، دہلی آ گیا، ہوٹل میں قیام کرنے کی سکت نہ تھی ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا، ان چار روز جوتیاں چٹخاتیں آج لائیڈز بنک میں ملازمت بھی مل گئی، تمہیں بہت ڈھونڈا مگر کہیں پتہ نہ چلا، آج اخبار میں اعلان دینے جا رہا تھا کہ مڈبھیڑ ہو گئی"! ———

"کہاں جا رہے ہو؟"

"یہ نہ پوچھو"!"

"کیا کوئی ایسی جگہ ہے جس کا نام لینا مفاد عامہ کے خلاف ہے؟"

(ہنستے ہوئے) نہیں ایسا تو نہیں ہے لیکن تم خواہ مخواہ اندیشہ ہائے دور درا
ہو جاؤ گے۔!"

"(قہقہہ لگا کر) سمجھ گیا، آپ مس کملا کے ہاں جا رہے ہیں، ان سے تو میں بھ
چاہتا ہوں، چلو ــــــــ

اتفاق کی بات اوما اس وقت موجود نہیں تھی، لیکن کملا تھی، جاوید نے اس
اختر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

"دیکھئے کتنا اچھا تحفہ لایا ہوں آپ کے لیے۔!"

کملا اختر کو دیکھ کر پھول کی طرح کھل گئی،

"ارے اختر صاحب آپ؟"

کملا کو دیکھ کر اور اس کے اس التفات سے لذت یاب ہو کر اختر صاحب آ
میں نہ رہے، کملا نے سوال کیا،

"کب آئے آپ؟"

پھر جاوید نے ساری روداد سنا دی، کملا نے کہا،

"یہ تو بہت اچھا ہوا، آپ دلی آ گئے، ــــــــ کہئے بیگم اختر کیسی

بیگم اختر کا نام سنکر خود اختر کے ہوش پراں ہو گئے،

"بیگم اختر؟" ــــ میں سمجھا نہیں معاف کیجئے گا۔!"

وہ ہنستی ہوئی بولی، مجھ سے معافی کے سوا کسی چیز کی توقع نہ رکھئے، لیکن بیگم
کا نام سنکر آپ چونک کیوں پڑے؟ سچ بتایئے وہ کیسی ہیں، اور کہاں ہیں!
اختر سٹ پٹا گیا، "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے تو ابھی تک شادی
کی ہے۔!"

کملا نے سوکھا سا منہ بنا کر پوچھا، "کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

اختر نے جواب دیا، ظاہر ہے،

کملا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، "اگر آپ سچ کہہ رہے ہیں تو پھر وہ کہاں گئی؟"

اختر نے سراپا اضطراب بنکر پوچھا،

"کون؟ ——— کس کا ذکر آپ کر رہے ہیں؟"

کملا نے پیکر صداقت بن کر کہا، "روحی کا، اور کس کا؟"

اختر نے برا سا منہ بنا کر کہا، "روحی سے مجھے کیا مطلب؟"

کملا بولی، "آپ کو نہ ہوگا، اسے تو تھا، !"

اور زیادہ برہم لہجہ میں اختر صاحب نے فرمایا، "غلط، !"

کملا نے سوال کیا، "تو آپ مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہیں؟ میں جھوٹ بولوں گی اور وہ بھی

…ے؟"

قبل اس کے اختر کوئی سوال کرے، کملا نے کہا،

"روحی یہاں آئی تھی، کمال صاحب بھی ساتھ تھے، جس ہوٹل میں وہ دونوں ٹھہرے

…وہیں چند لیڈر بھی مقیم تھے، میرا تو کام ہی یہ ہے کہ جو لیڈر وارد شہر ہو، اس سے

…، اور بیان لوں، اس سلسلہ میں وہاں پہنچی تو روحی سے ملاقات ہوگئی، ———

…ی پیاری اور شریف لڑکی ہے، آپ کا ذکر چھڑا، وہ رونے لگی،

"(بیتاب ہوکر) رونے لگی؟"

"جی ہاں، ——— اس نے کہا، اختر صاحب کے خط پڑھ پڑھ کر میرا دل خون

…آنسو رونا ہے، میرا ضمیر مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی چین نہیں لینے دیتا، میں نے ان

…سے بے وفائی کی، لیکن وہ جادۂ وفا پر ثابت قدم ہیں، میں نے انھیں چھوڑ دیا، لیکن

…اب تک میرا کلمہ پڑھے جا رہے ہیں، میں ان کے خط کا جواب نہیں دیتی، لیکن

…برحال دل خون جگر سے لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے ہیں، اور اب اپنے دل کو تولتی ہوں

تو ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے میں ان سے محبت کرنے پر مجبور رہوں،'! ———
میں نے کہا، تو کیا ہوا، کمال صاحب سے رشتہ قطع کر لو، اور اختر صاحب سے پیمان وفا باندھ لو، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کمال صاحب تشریف لائے، آنکھیں خون کبوتر، کانپتے ہوئے ہاتھ میں ایک لفافہ، آتے ہی کہنے لگے، آج پھر اختر کا خط آیا ہے، میں اسے مار ڈالوں گا، روحی نے کہا، اسے مارنے سے پہلے مجھے مار ڈالیے، کمال نے حیرت سے اسے دیکھا، اور پوچھا مطلب؟ اس نے جواب دیا میں اس سے محبت کرتی ہوں، کمال نے پوچھا پھر مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟ وہ بولی غلطی کی تھی، کمال نے کہا میں طلاق دے دوں گا، بغیر کسی جھجک کے اس نے کہا، نیک کام میں دیر کاہے کی، ابھی دے دو، اور جناب اختر صاحب کمال نے وہ لفظ کہہ دیے، جنھیں میں دہراتے ہوئے کانپی جاتی ہوں، لیکن وہ خوش ہو گئی، کمال صاحب دہم دہم کرتے باہر چلے گئے، اور وہ سامان باندھنے لگی کہ لکھنؤ جا رہی ہوں، ———

"درانتہائی اضطراب کے ساتھ، یہ کب کا واقعہ ہے مس کملا ——— ؟"

"کوئی دو مہینے ہوئے ہوں گے،'!"

جاوید بیچ میں بول پڑا، خیر وہ تو جو کچھ ہوا ہو گا، سوال یہ ہے کہ اختر صاحب تمہاری وجہ سے دلّی آئے ہیں،'!

کملا نے اختر پر ایک بھرپور نظر ڈالی، اور پوچھا،

" اختر صاحب کیا واقعی؟ "

اختر کی حلق میں الفاظ اٹک کر رہ گئے،

کملا نے سنجیدگی کے ساتھ کہا، "فیصلہ اختر صاحب کے ہاتھ میں ہے، باقی میرا جہاں تک تعلق ہے، میں تو روحی کے حق میں اسی دن سے دستبردار ہو گئی تھی، جس دن یہ جگر خراش منظر میں نے دیکھا تھا،؟"

جاوید نے اختر کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کملا کو جواب دیا،
لیکن یہ تو یک طرفہ فیصلہ کر دیا آپ نے، اگر فیصلہ اختر کے ہاتھ میں ہے تو آپ کو ان کا فیصلہ معلوم کرنا چاہیئے، ہو سکتا ہے، اب ان کے دل میں روحی کے بجائے صرف آپ ہی بس رہی ہوں، اس حالت میں تو بڑے ظلم کی بات ہو گی اگر روحی ان کے سر منڈھ دی گئی، ـــــ کیوں اختر، ؟"

اختر کے ہوش و حواس غائب تھے، اس نے لکنت آمیز انداز میں کہا،

"لیکن سمجھ میں نہیں آتا، روحی اب ہے کہاں؟"

جاوید نے کہا، "جہنم میں" ـــــــ پہلے یہ فیصلہ کرو کہ تمہیں روحی مطلوب ہے یا کملا؟ پھر کوئی اور بات کرنا، ؛

کملا نے اختر کو سہارا دیا،

"یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا چٹکی بجاتے میں فیصلہ کر دیا جائے، اختر صاحب آپ جاوید کی باتوں میں نہ آیئے، خوب اچھی طرح غور کر لیجئے، تب اپنے فیصلہ کا اعلان کیجئے گا، ـــــــ میں انتظار کر سکتی ہوں،

اتنے میں اوما آگئی، ! ٭

(۱۷)

# "کہیں ایسا نہ ہو جائے، - - - !"

اوما کے آنے کے بعد رنگ محفل بدل گیا، اختر تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہو گیا پھر کسی ضروری کام کے سلسلہ میں دفتر سے کملا کی طلبی ہوئی، بادل نخواستہ اسے بھی جانا پڑا، جاتے جاتے کہہ گئی، جب تک میں نہ آجاؤں، آپ دونوں نہ کھانا کھا سکتے ہیں، نہ آپ میں سے کوئی گھر سے باہر قدم نکال سکتا ہے، کہاں چھپا کر رکھا ہے یہ تو نہیں بتا سکتی، لیکن اتنا سن لیجئے ٹیپ ریکارڈ بڑی محفوظ جگہ اسی کمرہ میں رکھا ہے، لہٰذا بطور نصیحت کے عرض کیے دیتی ہوں آپ دونوں باتیں شوق سے کریں، لیکن بات چیت، موسم، سیاست، اور سماجی بہبود کے موضوع سے تجاوز نہ کرے، ورنہ انجام بہت برا ہوگا، ——— آداب عرض ———!'

یہ کہہ کر وہ چلی گئی، اس کے جانے کے بعد، دیر تک جاوید اور اوما ہنستے رہے، اوما نے کہا، اس کملا کی بچی کی بوٹی بوٹی پھڑکتی ہے، اتنی چنچل، اتنی شوخ، خدا کی پناہ، جس گھر میں بیاہ کر جائے گی، ہر وقت قیامت برپا رہے گی وہاں،!

جاوید نے تصحیح کی، "قیامت نہیں رونق، !"

بے ساختہ اوما کے منہ سے نکلا، "میں کافی عرصہ سے دیکھ رہی تھی، آپ کافی حوصلہ افزائی کرنے لگے ہیں کملا کی، !" "لیکن ذرا ہوشیار رہیے گا، ایسا لگتی کا ناچ نچائے گی کہ لطف آجائیگا،

اسے تو ڈانٹ میں رکھنا چاہیے، تب ذرا وہ ٹھیک رہ سکتی ہے'! "

جاوید نے ادما کی باتوں سے لطف لیتے ہوئے کہا، یہ تو ٹھیک ہے مس ادما، لیکن اس دنیا میں آپکے سوا وہ کون ہستی ہے جو اسے ڈانٹ سکتی ہے؟ "

" نہیں ایسا نہ کہئے وہ آپ کو بھی بہت مانتی ہے'! "

" ہاں مانتی ہے، لیکن اسی وقت تک جب تک اس کا دل بھی چاہے، ورنہ جب طبیعت لہراتی ہے میرے بھی دھرّے اڑاتی ہے کہ بقول آپکے لطف آجاتا ہے، !پھر مجھ میں اور اختر میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا'! "

ادما نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا، "آخر آپ میرا اس قدر ادب کیوں کرتے ہیں؟ ہر وقت آپ، ہر بات میں آپ، مجھے تو اس لفظ سے چڑ ہو گئی ہے'! "

جاوید نے جوابی حملہ کرتے ہوئے کہا، " اگر یہ جرم ہے تو کیا آپ سے بھی یہ سرزد نہیں ہوتا'! "

" واہ مثال بھی دی تو کس کی؟ میری تو بات ہی اور ہے، آپ نہ کہوں تو کیا کہوں؟ "

" تم کہئے، تو کہئے ——— کہہ کر دیکھ لیجئے، کتنی خوشی ہوتی ہے مجھے'! "

" آپ کی خوشی کے لیے میں زبان نہیں خراب کر سکتی، پاپ نہیں کر سکتی'! "

" پاپ؟ ——— یہ کیا کہا آپنے! "

" اور نہیں تو کیا، میرے دل میں آپ کی کتنی عزت ہے، عظمت ہے، بڑائی ہے، اسے صرف میرا دل جانتا ہے، شاید میں بھی اچھی طرح نہیں جانتی'! "

" (ایک آہ سرد کے ساتھ) عزت، عظمت، بڑائی، ——— کتنے خوشنما الفاظ ہیں لیکن کتنے تلخ، آپ میری عزت کرتی ہیں لیکن اس عزت کو لیکر کیا کروں، جو میرے اور آپکے درمیان دیوار بن کر حائل ہو جائے'! " ——— میں آپکے بے حد قریب ہو کر بھی، بے انتہا دور ہوں، لیکن یہ دوری بھی قرب میں بدل سکتی ہے اگر، کم از کم اتنا ہو کہ ہمارے درمیان

تکلّف کی دیواریں موجود نہ ہوں،'!"

اوما نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: ہمارے درمیان کوئی دیوار نہیں ہے،'!"

جاوید نے جواب دیا، ایسا نہ کہئے، ہمارے درمیان کئی دیواریں موجود ہیں، مذہب کی سماج کی، قومیت کی، لیکن کوئی دیوار بھی اتنی اونچی نہیں ہے جتنی وہ جو ہمارے ہاتھوں تعمیر ہوتی ہے، یعنی تکلّف کی دیوار،'!"

اور زیادہ عزم کے ساتھ اوما نے جواب دیا،

"آپ جب چاہیں ہر دیوار ٹوٹ سکتی ہے، خود آپ ہی ان دیواروں کو پال پوس کر پروان چڑھا رہے ہیں، مذہب کی میں قائل نہیں، میرے نزدیک سب سے اچھی قومیت انسانیت کی ہے، سماج؟ یہ ایک بے معنی لفظ ہے، میری سماج صرف ایک ہستی ہے اور اس کا نام جاوید ہے، نہ جانے کیوں آپ خود ہی ایک بات سوچتے ہیں، پھر اس کی صداقت پر یقین کر لیتے ہیں اور پھر شکوہ و شکایت کے دفتر لے کر بیٹھ جاتے ہیں، بات تو صرف اتنی بھی کہ جب آپ مجھے "آپ" کہتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کسی نے میرے سینہ پر گھونسہ مار دیا، اگر آپ مجھے آپ کہہ کر مغائرت اور اجنبیت کا اظہار کر سکتے ہیں، پھر اس دنیا میں کون ایسا ہے جسے میں اپنا کہہ سکوں؟ میرا دل خون کے آنسو روتا ہے جب دیکھتی ہوں کہ آپ غیروں کی طرح آتے ہیں، بیٹھتے ہیں، چلے جاتے ہیں، میں بچہ نہیں ہوں، نادان نہیں ہوں، اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہوں، آپ کس خیال میں ہیں، محسوس کرتی ہوں، آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ کیونکہ آپ کا خیال بھی وہی ہے جو میرا ہے، آپکا احساس بھی وہی ہے جو میرا ہے، ہم دونوں صرف ایک ہی بات سوچتے ہیں، آپ میرے بارے میں، اور میں آپ کے بارے میں، ہم دونوں ایک ہی ہستی کے لیے جیتے ہیں، آپ میرے لیے، میں آپ کے لیے، ہم دونوں صرف ایک ہی مقصد حیات رکھتے ہیں، آپ کا مقصد مجھے خوش رکھنا ہے اور میرا مقصد آپ کی سیوا کرتے کرتے مر جانا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ اتنے بگل

…نے کے باوجود الگ تھلگ رہتے ہیں، اتنی اپنایت کے باوجود، دیکھتی ہوں آپ …رت کا برتاؤ بھی کرتے ہیں، اور یہ دیکھ کر مجھے شرم آنے لگتی ہے اپنے وجود سے، اپنی …ستی سے، میں سوچتی ہوں، یہ سب کچھ شاید اس لیے ہے کہ مجھ میں کوئی کوتاہی ہے، …ی ہے، ———

یہ کہتے کہتے اوما کی آواز لرزنے لگی، جاوید نے بے تابی کے ساتھ اسے دیکھا …ور کانپتی ہوئی آواز سے کہا،

"کوتاہی اور تم میں؟ کمی اور تم میں؟ ——— یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ جس روز …میں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس کروں گا، وہ زندگی کا آخری دن ہوگا، !" اس دن میں …و اپنے وجود سے نفرت کرنے لگوں گا، اور خودکشی کر لوں گا، !"

اوما نے جیسے حکم دیتے ہوئے کہا، ایسی باتیں نہ کیجیے، !"

جاوید پر اس وقت کچھ عجیب طرح کی کیفیت طاری تھی، اس نے کہا، "تم جو چاہو کہہ …و میں کچھ نہ کہہ سکوں؟ کیا یہ ظلم کی انتہا نہیں ہے؟"

اوما کے ہونٹوں پر تبسم رقص کرنے لگا، "لیجیے خفا ہو گئے، میں نے تو کچھ بھی نہیں …ہا، !"

جاوید جیسے بالکل روٹھ چکا تھا، کہنے لگا، "کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو؟ وہ بھی …ہ ڈالو، !"

جیسے اوما کو دل کی بات زبان پر لانے کا موقع مل گیا،

"کیا فائدہ کہنے کا، ؟ جب آپ دل کی بات نہیں سن سکتے تو زبان کی بات کیا …سنیں گے؟"

اور پھر یک بیک کچھ سوچتی ہوئی گویا ہوئی،

"ہم نے لکھنؤ کیا اسی لیے چھوڑا تھا کہ یہاں آکر ایک دوسرے سے اور زیادہ

دور ہو جا ئیں ـــــ ؟"

پھر یک بیک شرم سے اوما کی آنکھیں نیچی ہو گئیں، جاوید نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور بولا،

"ہم کہیں بھی رہیں، خواہ دہلی میں خواہ لکھنؤ میں، خواہ کسی اور شہر میں، لیکن نہ میرا نام بدلا جا سکتا ہے نہ تمہارا، تم اوما ہو، میں جاوید ہوں، کتنا بڑا ظلم ہے قدرت کا، کہ ہم دل و جان سے ایک ہوتے ہوئے بھی غیر ہیں، اور غیر رہنے پر مجبور ہیں، جاوید اور کوئی سلمیٰ، ایک دوسرے کے رفیقِ زندگی بن سکتے ہیں، اگرچہ دونوں کے دل ایک دوسرے سے کتنے ہی جدا ہوں، اوما، اور کوئی شنکر، ایک دوسرے کے رفیقِ حیات بن سکتے ہیں اگرچہ دونوں کی روحیں ایک دوسرے کی باغی ہوں، لیکن ـــــ لیکن، جاوید اور اوما، اوما اور جاوید اس لیے ہیں کہ ایک ہونے کے باوجود، ایک دوسرے سے دور رہیں، اس وقت تک دور رہیں جب تک موت، اس دوئی کا خاتمہ نہ کر دے، !"

اوما چڑتی ہوئی بولی، "یہ سب بیکار کی باتیں ہیں، بے شک ابھی ہمارے ملک میں اتنی روشن خیالی نہیں آئی ہے کہ قومیت کا سوال خارج از بحث قرار دیا جائے، لیکن جن لوگوں میں ہمت ہے، وہ اس حد کو توڑ ہی ڈالتے ہیں، انسان چاہے تو کیا نہیں کر سکتا؟ میرا جہاں تک تعلق ہے، میں تو ان مصنوعی حد بندیوں کی ذرا بھی قائل نہیں ہوں، آپ نہ جانے کیوں انہیں اتنا مقدس سمجھتے ہیں کہ انہیں ہاتھ لگاتے ڈرتے ہیں، !"

جاوید ہنسنے لگا، "نہیں ڈرتا تو ذرا بھی نہیں ہوں، لیکن اس غلام ملک میں کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا، جو فتنہ۔ فساد کی موجب ہو، ہمارا ملک آزاد ہوتا، یا آزاد ہو جائے، تو سب کچھ ممکن ہے، لیکن، اس وقت اگر ہم نے کوئی حوصلہ مندانہ قدم اٹھایا، تو گو، ہمارا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے، لیکن ہمارے اس مقصد کو، جو ہمیں اپنی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، یعنی آزادیٔ ہند، نقصان پہنچ جائے گا، !"

اوما اس دلیل سے مطمئن نہیں ہوئی، "وہ بولی کہ آزادی ہند کو، ہمارے ذاتی سائل سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

جاوید نے جواب دیا، بہت گہرا تعلق ہے، ہم دونوں اگر چاہیں تو سماج کی بجریں توڑ سکتے ہیں، لیکن میرے بارے میں کہا جائے گا کہ، یہ اس لیے کانگرس میں شریک ہوا تھا کہ اوما کو حاصل کرے، یہ اپنے مقصد میں مخلص نہ تھا، اور تمہارے بارے میں کہا جائے گا، ———

"کہنے دیجئے، میں نہیں پروا کرتی کسی کی!"

اتنے میں دروازے کے پاس سے آواز آئی،

"کیا ہماری پروا بھی نہیں کرتیں؟"

اوما نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کملا کھڑی مسکرا رہی تھی، اس نے کہا،

"میں جاتے وقت کیا کہہ گئی تھی!"

جاوید نے جواب دیا۔ آپ کہہ گئی تھیں کہ موسم اور سیاست پر تم لوگ خوب باتیں کرنا، میں نے ان سے کہا (اوما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آج کل موسم خراب ہو رہا ہے، کھانے پینے میں احتیاط کرنی چاہیئے، انھوں نے جواب دیا، میں نہیں پروا کرتی ذرا بھی،!"

کملا پاس آکر بیٹھ گئی، "اگر یہ بات ہے تو میں اپنا اعتراض واپس لیتی ہوں،!"

"اب ایک نہایت ہی لذیذ خبر، (اوما سے) رس گلّے سے بھی زیادہ لذیذ، (جاوید سے) کباب سے بھی زیادہ چٹ پٹی، سن لیجئے، کان کھول کر،!"

اوما اور جاوید نے اسی وقت، جب کملا کی اخبار کے دفتر سے طلبی ہوئی تو سمجھ لیا تھا ضرور کوئی خاص بات ہے، چنانچہ سراپا اشتیاق بنکر دونوں نے بیک آواز پوچھا،

"کیا ہے وہ نئی اور لذیذ خبر؟"

کملا نے مسکراتے ہوئے انکار میں گردن ہلائی، اور بڑے انداز سے کہا،

"اوں ہوں ——————"

اوما چڑ کر بولی،

"نخرے پھر کر لینا، پہلے بات بتاؤ، !"

وہ اور زیادہ اکڑ گئی "کیوں بتائیں؟ نہیں بتاتے، ایسا ہی شوق ہے تو صبح اخبار میں پڑھ لینا، !"

اوما بگڑ گئی، "نہیں بتاؤ گی کملا؟"

کملا نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا، "اچھا تمہیں کان میں بتا دوں گی، لاؤ ادھر کان ——————"

جاوید نے اعتراض کیا، "میں نے کیا خطا کی ہے؟ اگر حکم ہو تو میں بھی کان بڑھاؤں؟"

کملا نے مسکراتے ہوئے کہا،

"اگرچہ انجم صاحب اردو کے بہت بڑے اخبار کے ایڈیٹر ہیں لیکن یہ خبر سنکر وہ بھی اچھل پڑیں گے، لیکن یہ خبر اتنے پرائیویٹ لیکن مستند ذریعہ سے معلوم ہوئی ہے کہ اے پی پی یار ائیٹر بھی صبح منہ تکتے رہ جائیں گے، جب ہندوستان ٹائمز کے پہلے صفحہ پر نہایت جلی حروف میں نظر آئے گی، ——————"

اوما اکتا کر بولی، "ہاں بھئی ٹھیک کہتی ہو، لیکن خبر بھی تو سناؤ کسی طرح؟"

کملا نے شوخ نظروں سے اسے دیکھا، اور بولی،

"لیکن ایک شرط ہے؟" —————— وہ عجیب قسم کی بنگالی مٹھائی، جو بہت مزے دار ہے، لیکن جس کا نام بہترین کوشش کے باوجود میری زبان پر کسی طرح

سکا، اور جو تم نے آج خاص طور پر جاوید صاحب کے لیے ہم سے چھپ کر بنائی تھی اور الماری میں بند کر کے رکھدی تھی، ساری کی ساری ہمیں کھلا دو، اور ایک لقمہ بھی جاوید صاحب کو نہ دو تو بتاؤں گی،!"

اوما کو غصہ آگیا، "کچھ شامت آئی ہے کیسی مٹھائی؟"

پھر وہ مسکراتی ہوئی بولی، "اچھا کھا لینا، لیکن منہ سے تو کچھ پھوٹو کسی طرح،!"

کملا نے، دفعتہً اوما سے توجہ ہٹا کر، جاوید کو مخاطب کیا،

"ایک شرط آپ کو بھی ماننا پڑے گی جناب جاوید صاحب،!"

جاوید نے جواب دیا، "بخوشی منظور ہے، لیکن خبر پہلے سننا چاہتا ہوں،!"

کملا پھر ضد پہ اتر آئی،

"یہ نہیں ہو سکتا براہ کرم فون کر کے ابھی انجم صاحب کو بلائیے، بغیر ان کے اس کا سنانا ایسا ہی ہے جیسے بغیر نمک کے کھانا،!"

اوما کو بھی پھر دخل دینا پڑا،

کملا تمہارا تو دماغ چل گیا ہے، انجم صاحب کو بلانے کو کون سی تک ہے، ——— چھوڑو بیکار کی باتیں،!"

کملا اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے تقریباً رقص کرتے ہوئے کہا،

اب تو مجھ سے بھی ضبط نہیں ہوتا، ——— وہ خبر یہ ہے کہ کل پنڈت جی (پنڈت نہرو) وزارت بنا رہے ہیں، مہاتما جی نے اجازت دیدی، لارڈ ویول کی استدعا منظور کر لی گئی،! ——— ابھی ابھی واردھا سے دیوی داس جی نے ٹرنک کال کر کے یہ خبر بھیجی ہے،؟"

اس خبر نے واقعی جاوید اور اوما پر نشاط اور سرخوشی کی کیفیت طاری کر دی، جاوید اور اوما نے بیک آواز پوچھا، "کیا سچ؟"

# ہلچل

•

## آگ کا طوفان — خوں کا دریا

—

عیسیٰ کا بھی علاج کئی بار ہو چکا
اچھا جنونِ عشق کا بیمار ہو چکا

+

کملانے جواب دیا ہاں سچ اور بالکل سچ، !

جاوید نے سوال کیا، مسلم لیگ، کی طرف سے کون کون ہوگا؟"

کملا نے بتایا، "کوئی نہیں، جناح صاحب کانگرس سے تو خفا تھے ہی، اب انگریز سے بھی روٹھ گئے ہیں، انھوں نے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں جب تک پاکستان نہ مان لیا جائے، ہم نہ کانگرس سے تعاون کریں گے، نہ انگریز سے،

جاوید پر سنجیدگی طاری ہوگئی، "یہ برا ہوا، یہ بائیکاٹ کہیں رنگ نہ لائے، کہیں خانہ جنگی نہ شروع ہو جائے، کہیں ہماری آزادی کی منزل اور دور، بہت دور نہ ہو جائے، !"

کملا ہنسنے لگی، یہ کچھ نہیں ہوگا، آپ ہی نے تو شیام بابو سے کہا تھا،

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

اور پھر اس نے ایک نہایت پر زور قہقہہ لگا کر مسلسل ہنسنا شروع کر دیا ——!! *

---

اس دل کا ہر اک زخم ہے رستا ہوا ناسور
اس دل پہ زمانہ نے بہت ظلم کیے ہیں،
ہر سانس لیا ہم نے تمنا ہیں خوشی کی،
اے دوست ترے شہر میں مر مر کے جیے ہیں

# ہلچل

برطانوی حکومت نے مسلمان قوم کے ساتھ غداری کی،!

سرکار برطانیہ کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی مرضی کے بغیر کوئی حکومت ان پر مسلط نہیں کی جائے گی،!

لیکن یہ اعلان ردی کا پرزہ ثابت ہوا۔

ہندوستان میں وہ حکومت قائم کر دی گئی، جو اس لیے قائم ہوئی تھی کہ پاکستان نہ بننے دے، لیگ کو، از روئے آئین و دستور حق تھا کہ اسے وزارت میں برابر کا حصہ ملتا، لیکن اس کا یہ حق چھین لیا گیا،!

کانگرس نے کابینہ مشن کا پلان منظور کیا، پھر مسترد کر دیا، اس عہد شکنی کا انعام یہ ملا کہ وائسرائے نے کانگرس کو مرکز میں تشکیل وزارت کی دعوت دیدی اور کانگرس نے بغیر تامل و تاخیر یہ دعوت بسر و چشم قبول کر لی،

دوسری جنگ عظیم میں کامیاب ہونے کے باوجود انگریز قوم کی کمر ٹوٹ گئی تھی اسے اپنا بکھرا ہوا گھر سنبھالنا تھا، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک اپنے مقبوضات سے دستبردار ہو کر یکسوئی نہ حاصل کر لے، یہ مقبوضات، بغاوت، سرکشی، اور امن سوز سرگرمیوں کے مرکز بن چکے تھے، انھیں قابو میں رکھنے کے لیے کروڑوں پونڈ کی ضرورت تھی، بے شمار وسائل

وذرائع کی ضرورت تھی، غلاموں کے قتل عام کی ضرورت تھی، اور بہت سے انگریزوں کو ا سامراج کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کی ضرورت تھی،

انگریز لیب اس کے لیے تیار نہ تھا، !

اسے اپنی فکر تھی، وہ غلاموں کو آزاد کر دینا چاہتا تھا تاکہ انھیں رضامندی کے کامن ویلتھ میں شریک رکھ سکے، اور ان کے تعاون سے فائدہ اٹھا سکے کانگرس کامن .میں شرکت پر آمادہ تھی، انگریزوں سے تعاون کرنے پر تیار تھی، کانگرس کو دوست بنا کر ہندوستان کو سب سے بڑی عوامی جماعت کا رضاکارانہ اشتراک حاصل کر کے انگریز زیادہ .میں رہتے بہ نسبت اس کے کہ اپنی فوج کو، رقم کثیر صرف کر کے یہاں لاتے، گولا بارود کرتے، اور جبری تعاون حاصل کرتے، !

متحدہ ہندوستان انگریز کے مقاصد کے لیے مفید تھا، ہندوستان کے منقسم ہو کی صورت میں جو تجارتی، کاروباری، سیاسی، اور فوجی فوائد اسے حاصل ہو سکتے تھے، وہ ہندوستان سے ممکن نہیں تھے - اس کے مصالح کا تقاضہ یہ تھا کہ ہندوستان متحد رہے پاکستان کی تحریک فنا ہو جائے،

انگریز نے اپنے قومی روایات کے عین مطابق طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں، جنگ زمانہ میں مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرنے کے لیے جو وعدے کیے تھے، ان سب سے ہو گیا تھا، جنگ کے زمانہ میں اسے کانگرس کی نہیں لیگ کی ضرورت تھی، اب لیگ اس کے لیے بے مصرف تھی، اور کانگرس کا وہ حاجت مند تھا، !

مسلم لیگ نے بغیر کسی شرط کے بغیر کسی ایچ پیچ کے مشن پلان منظور کر لیا تھا، وائسرائے نے وزیر اعظم برطانیہ کی اجازت سے اعلان کر دیا تھا کہ اگر کانگرس نے نہ اختیار کی تو ہم ہندوستان کو ان جماعتوں کے تعاون سے قومی حکومت بنا دیں گے جو آئین ہند سے اتفاق رکھتی ہوں، کانگرس نے عہد شکنی کی اور تشکیل وزارت کا حق حاصل

لیگ جادۂ وفا پر قائم رہی لیکن اپنے جائز حق سے بھی محروم کردی گئی،

اس صورت حال نے سارے ملک میں ایک اضطراب برپا کردیا، ہر طرف ہلچل کے آثار نظر نے لگے، ملک کا ایک بہت بڑا طبقہ تھا کہ حق بہ حقدار رسید، کانگریس کو اس کا حق مل گیا ملک کا سنجیدہ طبقہ دہشت زدہ اور سراسیمہ تھا، وہ جانتا تھا، آٹھ کروڑ سے زیادہ آبادی نے والی ایک زندہ، منظم، اور فعال قوم کو دبایا اور کچلا نہیں جا سکتا، اسے نظر انداز کردینے ایسی غلط ہے، مہلک ہے، تباہ کن ہے، وہ اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا تھا، اور سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا؟

کیا یہ بیل منڈھے چڑھ سکے گی؟

کیا یہ اقدام کامیابی سے ہمکنار ہو سکے گا؟

کیا مسلم لیگ ختم ہو جائے گی؟ پاکستان کی تحریک مرجائے گی، ؟ مسلمان خاموشی کے ساتھ نئے ڈھب انقلاب کو گوارا کرلیں گے؟

یہ بہت بڑا سوال تھا لیکن ہر سمجھدار آدمی کے دماغ میں گردش کر رہا تھا، !

کانگریس نے وزارت بنالی، مسلم لیگ نے یوم سیاہ کا اعلان کر دیا، مسلم لیگ میں جو سر اور خان بہادر شریک تھے ان سب نے اپنے اپنے خطابات واپس کر دیئے، انگریز دور سے ترک تعاون کا دور شروع ہوگیا، اور بالآخر قائد اعظم نے راست اقدام تک کا اعلان کردیا،

مسلم لیگ کے سروں اور خان بہادروں نے جب اپنے خطابات واپس کئے تو ان کا مذاق اڑایا گیا، !

مسلم لیگ نے جب ترک تعاون کا اعلان کیا، تو اس اعلان کا ہجو اور طنز کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا،

یوم سیاہ کا اعلان مسلم لیگ کی طرف سے ہوا، تو ہر طرف خندۂ استہزا کی بارش شروع ہوگئی، ——— !

راست اقدام کی دھمکی جب قائد اعظم نے دی تو، کانگرس کے سرفروشوں اور فدائی
میں سے کوئی نہ تھا جو اپنی ہنسی ضبط کر سکا، ——— راست اقدام، اور لیگ جیل
کوٹھڑی اور قائد اعظم، پھانسی کے تختے اور مسلم عوام، ——— یہ اتنی ان ہونی
تھی، جس پر یقین کیا ہی نہیں جا سکتا، !

اور بہ فرضِ محال یہ ناممکن کسی طرح ممکن بھی ہو جاتا، تو کیا، لیگ کو ترکی بہ ترکی جواب
نہیں دیا جا سکتا تھا؟

اقلیت اگر اکثریت سے جنگ پر آمادہ ہو جائے تو نتیجہ کیا ہوگا؟

کیا اقلیت کو اپنی جان کے لالے نہ پڑ جائیں گے؟

پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، لیکن وہاں ایسی نام نہاد مسلم وزارت قائم تھی
کا مسلمان اور "سر" وزیر اعظم کانگرس کا نامزد تھا، کانگرس ہی نے اسے تخت حکومت
پر بٹھایا تھا، کیونکہ اس کے ہم قوم اس کے ساتھ نہ تھے، ہندو اور سکھ اقلیت کے تعاون
ہی سے وہ اس منصب پر برقرار رہ سکتا تھا، ——— لہذا پنجاب کی طرف سے کوئی
نہیں تھا، وہاں اگر مسلمان سر اٹھائیں، تو یہ مسلم وزارت ان کی سرکوبی کے لیے کافی ہے

سرحد کے صوبہ میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی، لیکن وہاں کانگرس ٹکٹ سے
کام لیکر، ایک کانگرسی مسلمان کو، وزارت عظمیٰ پہ فائز کر دیا گیا تھا، لہذا، سرحد کی طرف
سے بھی اطمینان تھا، وہاں مسلمان آمادۂ شر و فساد ہوئے تو سرحد کا یہ مسلمان وزیر
ان سے اچھی طرح نپٹ لے گا،

سندھ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، لیکن وہاں کے مسلم ممبران اسمبلی میں جنگ زرگری
جاری ہے، کوئی مستحکم اور محکم وزارت نہ وہاں قائم ہو سکی ہے، نہ مستقبل قریب میں اس کا
ہے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں کی اقلیت حد درجہ منظم ہے، دولت ہندو
اس کے قبضہ میں ہے، بنک اس کے پاس ہیں، کاروبار کی وہ مالک ہے، اناج کی

اس کے ہاتھ میں ہیں، تجارت، زراعت، صنعت، حرفت، ہر چیز پہ اس کا تسلّط ہے کسی کی مجال ہے جو اس اقلیت کو آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے، وہاں اگر مسلمانوں نے، حد ادب سے قدم باہر نکالا تو سارا صوبہ سخت بحران میں مبتلا ہو جائے گا، لہذا اس سے بھی کوئی اندیشہ نہیں،

بنگال میں مسلم اکثریت ہے، اور وہاں مسلم لیگی وزارت بھی قائم ہے، لیکن وہاں کے مسلمانوں کی پسماندگی اظہر من الشمس ہے، وہ علم میں، فن میں، دولت میں، ہر چیز میں اپنی اقلیت سے فروتر ہیں، کلکتہ میں اقلیت کی اکثریت ہے، دوسرے شہروں میں بھی اقلیت اکثریت پر، اقتدار رکھتی ہے، لہذا، وہاں بھی کچھ نہیں ہو سکتا،

یوپی میں، بمبئی میں، بہار میں، مدراس میں، اور دوسرے تمام صوبوں میں مسلمان بالکل معمولی اقلیت رکھتے ہیں، پسماندہ اور فروتر بھی ہیں، وہ کچھ گڑ بڑ نہیں کر سکتے، اور اگر کریں بھی تو اکثریت کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے، برائے نام انگریز اب بھی حکمران ہیں لیکن صوبوں کی آزادی کے بعد، اب مرکز میں بھی اکثریت کی حکومت قائم ہو چکی ہے، فوج اپنی ہے، پولیس اپنی ہے، وہ سرکشوں کا سر کچل سکتی ہے، وہ باغیوں کی تادیب کر سکتی ہے، لہذا ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی خیریت ہی رہے گی،!

اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ، گو مسلمان جوش و خروش کے اظہار میں بہت آگے نکل گئے ہیں، لیکن، سیاسی تربیت سے نا آشنا ہیں، انھیں میدان میں آتے ہوئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں، ——— انہیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے،! اور اگر وہ شوخیوں کے اظہار پہ مچل بھی جائیں تو بھی ان کے بس میں کیا ہے؟ جیب خالی تنظیم ناقص، بلوغ سیاسی میں مبتدی، شعور قومی میں نو آموز، ان کے مقابلہ میں کانگرس جیسی عظیم تنظیم کے علاوہ، مہاسبھا، اور جن سنگھ، اور ہندی سرکار، اور دوسری سیاسی مذہبی، نیم سیاسی، اور نیم مذہبی جماعتیں موجود ہیں، تو اینٹ کا جواب پتھر سے بہت

اچھی طرح دے سکتی ہیں،!

پھر یہ شور و شر کیوں ہے؟

یہ ہنگامہ آرائی کس لیے ہے؟

اندیشہ ہائے دور دراز کا اظہار کیوں کیا جا رہا ہے؟

کانگرس کی وزارت بن گئی، اور اس لیے بنی ہے کہ قائم رہے، اب وہ قائم رہے گی، دنیا کی کوئی طاقت اسے ختم نہیں کر سکتی، اسے برخاست نہیں کر سکتی،!

اگر کانگرس کے شرائط پر لیگ شریک وزارت ہونا چاہے تو ہو سکتی ہے، لیکن اپنے شرائط پر اگر وہ شرکت کی متمنّی ہے، تو وہ زمانہ گیا جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے، اب نہ وائسرائے کی طرف سے کوئی یقین دہانی ہوگی، نہ برطانیہ کا وزیر اعظم دل دہی کی باتیں کرے گا، نہ مہاتما جی قائد اعظم سے ملنے ان کے دولت کدہ پر تشریف لے جائیں گے،! ——— ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے، کبھی تھا ان باتوں کا وقت مگر اب وہ نکل گیا، اور گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں،!"

کانگرس کے حلقوں میں، اور قوم پرستوں کی محفلوں میں یہی باتیں تھیں، جو ہر ایک کی زبان پر جاری تھیں، طنز و تعریض کے ساتھ اگر کچھ کہا جاتا تھا تو صرف یہ کہ لیگ کو یوم سیاہ منانے کا بے شک حق ہے، اور یہ حق اسے زندگی بھر حاصل رہے گا، اسے چاہیئے کہ اب زندگی بھر یوم سیاہ ہی مناتی رہے، اور غالب کا شعر گنگناتی رہے،

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو!

———!

سارا ہندوستان اس وقت دو کیمپوں میں بٹا ہوا تھا، ایک طرف خوشی تھی، ہلچل تھی، قہقہے تھے، چہچہے تھے، نشاط کا جوش تھا، انبساط کا ولولہ تھا، جشن کی کیفیت تھی، چراغاں

تھا، بزمِ روز، اور محفلِ شب میں غلغلے اور ہمہمے تھے،

ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

اور دوسری طرف، ؟ ——— دوسری طرف سکوت تھا، خاموشی تھی، ناکامی کا غم تھا، غداری کا صدمہ تھا، مستقبل کی فکر تھی، مآل کا اندیشہ تھا، فکرِ زیاں تھی، غمِ آرزو تھا، حسرتِ نشاط تھی،!

ایک طرف زندگی کی چہل پہل تھی، دوسری طرف موت کی تیاریاں،

درین حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بدوش است،!

——!

لیکن اس شورِ مسرت اور غلغلۂ تہنیت میں بھی، ایک عجب طرح کی افسردگی کا عالم طاری تھا، ہونٹ مسکراتے تھے، لیکن دل دھڑکتا تھا، آرزو پوری ہو چکی تھی، لیکن کوئی خلش بھی تھی، مقصد بڑی حد تک حاصل ہو چکا تھا، لیکن نہ جانے کیوں ایک انجانا سا دُگدا ابھی تھا، !

ایک کیمپ میں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے، دوسرے میں سکوتِ مرگ آسا طاری تھا،!

لیکن یہ کس طرح کا سکوت تھا؟ کہیں وہ تو نہیں جو طوفان سے پہلے سمندر کی وسعتوں پر چھا جاتا ہے؟

کیا کوئی طوفان آنے والا ہے؟ کیا کوئی سیلِ سبک سیر و زمین گیر، بڑھتا چلا آ رہا ہے؟

کیا ہونے والا ہے؟ نہیں معلوم، لیکن کچھ نہ کچھ ضرور ہونے والا ہے، آثار بھی کہہ رہے ہیں، قرائن سے بھی ظاہر ہو رہا ہے،!

یہ انجانا سا اندیشہ، یہ مبہم سی فکر، یہ غیر محسوس سا خطرہ، ہر دل میں اپنا نشیمن بنائے

ہوئے تھا، ان دلوں میں بھی، جو خطروں سے کھیلنے کے عادی تھے، ہر حالت میں خوش رہنا جن کی فطرت تھی،"!

"قائد اعظم ہر بہ لب تھے، ایک پریس کا نمائندہ بڑی مشکل سے ان کے حضور میں باریاب ہوا، اس نے موجودہ صورت احوال پہ ان کے خیالات و تاثرات معلوم کرنے کی کوشش کی، اور وائسرائے کے تازہ بیان کا حوالہ دیا، کچھ دیر تک وہ خاموش رہے، پھر انھوں نے فرمایا:

"میری پیٹھ میں چھرا گھونپا گیا ہے، الفاظ کا پھاہا زخم کو مندمل نہیں کر سکتا،"!"

اور پھر وہ خاموش ہو گئے،"!

(۲)

# قوّت کا نشہ

ایک طرف قوت کا نشہ، دوسری طرف حق تلفی کا صدمہ، کشمکش بڑھتی رہی، حالات کی
لن میں اضافہ ہوتا رہا، ابھی وقت تھا حالات سدھر سکتے تھے، اختلافات رفع ہو سکتے
ے، باعزت شرائط پر مفاہمت ممکن تھی، اختلافات آپس کے تھے، انہیں آپس ہی میں نپٹایا
سکتا تھا، بڑا، اگر چھوٹے کے ساتھ، بڑا بھائی اگر چھوٹے بھائی کے ساتھ کچھ رواداری کا
لوک کرتا، تو اب بھی بات بن سکتی تھی، اکثریت اب اگر ملک کی سب بڑی اور آٹھ کروڑ سے
ہ تعداد رکھنے والی قوم کی دل جوئی کرتی، تو رابطہ باہم کا ایک نیا اور شاندار دور شروع
سکتا تھا، کنجی جواہر لال اور گاندھی جی کے ہاتھ میں تھی، یہ دونوں سب کچھ کر سکتے تھے، ان
دل میں مسلم اقلیت کے لیے خیر سگالی کا جذبہ بھی تھا، گاندھی جی اس مسلم اقلیت کو کیونکر
انداز کر سکتے تھے۔ جبکہ محمد علی شوکت علی نے ان کی رہنمائیت کو مستحکم کیا تھا، جواہر لال
سلم اقلیت کی حق تلفی کس طرح برداشت کر سکتے تھے، جس کے رفیع احمد قدوائی، اور
کلام آزاد سے ان کا وہی رشتہ تھا جو گوشت اور ناخن کا رشتہ ہوتا ہے، ——————
— لیکن،

لیکن سردار پٹیل کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا، انھوں نے جواہر لال اور
ی دونوں کو بے بس کر رکھا تھا، یہ سردار کا مقابلہ کر سکتے تھے، لیکن انھیں اندیشہ تھا کہ

پھر کانگریس ختم ہو جائے گی، جماعت کو بچانے کے لیے انھوں نے ملک کو داؤں پر لگا دیا تھا، جماعت کو بچانے کے لیے یہ غیر محسوس طور پر ملک کے بٹوارے کی طرف تیزی سے گامزن کر رہے تھے، شاید قسمت اپنا فیصلہ کر چکی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ جو سب کچھ کر سکتے تھے کچھ نہیں کر رہے تھے،!

غیر جانب دار، سیاسی لیڈروں نے بہت کوشش کی کانگریس لیگ کے ساتھ مفاہمت کرے، لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی، اس ناکامی کے نتائج کیا ہوں گے، اس پر کسی کی نظر نہیں تھی، سب جذبات کی رو میں بہہ رہے تھے، غلط اندازے کر رہے تھے، غلط تخمینے قائم کر رہے تھے، غلط رائے قائم کر رہے تھے،

بالآخر لارڈ ویول نے ہتھیار ڈال دیے، باہمی کشت و خون کے تسلسل نے انہیں یقین دلایا کہ ایک پارٹی کی حکومت خواہ وہ اکثریت کی ہو یا اقلیت کی اس ملک کو تباہ و برباد کر دے گی، انھوں نے لیگ کو شرکت کی دعوت دی، اور لیگ نے کافی غور و خوض اور موثر یقین دہانیوں کے بعد یہ پیش کش قبول کر لی،

کاش یہ پیش کش وائسرائے کے بجائے صدر کانگریس کی طرف سے ہوئی ہوتی، لیکن ایسا نہیں ہو سکا، بہترین مساعی رائیگاں گئیں اور وہی ہوا جو مقدر کا قلم لکھ چکا تھا،!

لیگ کے شریک وزارت ہونے کے بعد تلخی میں اور اضافہ ہو گیا، اصول کا تصادم اور زیادہ شدید ہو گیا،

لیگ کے آنے سے پہلے کانگریس اکثریت سے جو فیصلے کرتی تھی وائسرائے ان پر صاد کر دیتا تھا، وزرا کی ذمہ داری مشترک تھی، تمام قدیبا اہم معاملات کا تصفیہ باہمی صلاح و مشورہ سے کرتے تھے، لیکن لیگ کا مطالبہ یہ تھا کہ وزرا انفرادی طور پر ذمہ دار ہوں گے، فیصلہ اکثریت سے نہیں ہوگا، کیونکہ اکثریت ایک قوم کی ہے نہ کہ جماعت کی کانگریس تیزی سے مجلس دستور ساز کے انتظام و اہتمام میں مصروف تھی، لیکن لیگ نے

ان کہہ دیا تھا کہ وہ اس نام نہاد دستوریہ سے کوئی تعلق نہیں رکھے گی، جب تک غیر
شروط طور پر کانگرس کابینہ پلان کو تسلیم کرنے کا اعلان نہ کر دے،

اختلافات سنگین سے سنگین تر ہوتے چلے گئے، حکومت کی گاڑی آہستہ آہستہ
لنے لگی، روزمرہ کے کاموں تک میں رکاوٹیں پیش آنے لگیں،

اور پھر، ——— ان اختلافات نے ملک کو آگ کے سمندر میں دھکیل دیا،
نواکھالی کا فساد، کلکتہ کا قتل عام، بہار میں ہو گیا تھا "آب ارزاں مسلمان کا لہو"!
مکتیشر میں مسلمان اس طرح ہلاک کیے گئے، جیسے شکاری جانور مارے جاتے ہیں،
جاب میں خون ریز ہندو مسلم فساد کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا، غرض "ایک
نگامہ پہ موقوف تھی گھر کی رونق"!

قدرت نے ایک مرتبہ پھر موقع دیا تھا کہ ہندوستان متحد رہ سکے، ہندو اور
سلمان شیر و شکر ہو کر زندگی بسر کر سکیں، لیگ اور کانگرس میں پیمان وفا بندھ جائے
کن یہ موقع بھی ضائع کر دیا، *

---

(۳۱)

# لرزہ خیز

فسادات کی ہنگامہ آرائیوں نے جو خانہ جنگی کی واضح ترین شکل تھی، ان لوگوں کو بہت متاثر کیا، جو انسانی خون کی قدر و قیمت سے واقف تھے، اخبارات میں ہر روز سنسنی خیز ہیجان انگیز، اشتعال پرور، اور نفرت کو بڑھانے والی خبریں شائع ہو رہی تھیں، مسلم اخبارات ہندوؤں کی دراز دستی کے، اور ہندو اخبارات مسلمانوں کی سفاکیوں کے نوحہ خواں تھے، مسلمان لیڈر، ہندوؤں کی تنگ دلی، متعصب اور ناروا داری کا مرثیہ پڑھ رہے تھے، ہندو لیڈر، مسلمانوں کی غداری، وطن دشمنی، اور فرقہ پرستی پر غیظ و غضب کا اظہار کر رہے تھے، ہندو عوام مسلمانوں کا گلا کاٹ رہے تھے، اور خوش ہو رہے تھے کہ کارے کردیم، مسلم عوام ہندوؤں کی جان لینے پر تلے ہوئے تھے، اور اسے ایک مذہبی فریضہ سمجھ رہے تھے، اور لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں قوموں کے عوام کا وہ طبقہ جو سیاسیات سے نا آشنا تھا، جسے لیگ اور کانگرس سے عملاً کوئی سروکار نہ تھا جسے صرف اپنی روزی کی فکر تھی، اور اسی فکر میں شب و روز سرگرداں رہتا تھا، بری طرح نشانۂ جور و ستم بنا ہوا تھا، انجان راہ گیر، معصوم مسافر، بے گناہ عورتیں اور بچے دھڑا دھڑ قتل ہو رہے تھے، ——— انسان درندہ بن گیا تھا، بلکہ درندوں سے بھی بازی لے گیا تھا،

فسادات کی شدت میں جب اضافہ ہوا تو، جاوید حالات کا بچشم خود معائنہ کرتے
تہ پہنچا، اوما سے ضبط نہ ہو سکا، اس نے بے تنخواہ چھٹی لی، اور فوا کھالی روانہ ہو گئی،
انے بوریہ بستر اٹھایا اور رضیہ کو ساتھ لیا، اور گڑھ مکتیشر کے زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے
ہو گئی، شیام نے بہار کے دورہ کا پروگرام بنایا، وہاں روانہ ہو گیا، پٹنہ کے اسٹیشن
نجم سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر منہ پھیر لیا، انجم کو یقین تھا
یں لیے آیا ہے کہ واقعات کو اپنے رنگ میں رنگ کر پیش کرے، شیام کا انجم کے بارے
ی خیال تھا کہ یہ رائی کا پہاڑ بنانے آیا ہے، یہی وجہ تھی کہ دونوں رکے رکے، اور
نچے کھنچے رہے، حالانکہ شیام انجم سے جاوید کے باعث اچھی طرح واقف ہو چکا تھا، اور
م شیام کی تعریفیں اوما کے ہاں سنتا رہتا تھا، اور یہی وجہ تھی کہ گو دونوں میں کوئی
اص ربط ضبط تو نہ تھا، لیکن میل جول کافی بڑھ گیا تھا، جب کبھی دونوں ملتے، تو اخلاق
ور تپاک کا مظاہرہ کرنے میں بخل نہ کرتے، لیکن آج ——— ؟ آج صورت ہی کچھ اور
ی، کچھ بعید نہ تھا اگر دونوں مسلح ہوتے تو ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے، ایک
یا خود دوسرے کے سینہ میں ترازو ہو گیا ہوتا، اور پٹنہ کے اسٹیشن پر ایک چھوٹی سی
ل خون کی اور بہنے لگتی، !

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور منہ پھیر لیا، ! ————————

س منہ پھیر لینے میں نفرت کا جذبہ بھی تھا، اور مروت کا بھی، نفرت اس لیے کہ
شیام کسی مسلمان کے لیے اور انجم کسی ہندو کے لیے، کم از کم اس وقت اپنے
ل میں کوئی جگہ نہیں رکھتا، اور مروت اس لیے کہ بہرحال، دونوں تعلیم یافتہ تھے، ہم
شرب تھے، معاملہ فہم اور رموز سیاست سے آشنا تھے، اور سب سے بڑھ کر
ر کر جاوید کے واسطہ سے ایک دوسرے کو جانتے تھے، اگر آنکھ چار ہو گئی،
و دکھاوے کے طور پر سہی، لیکن، ملنا ہی پڑے گا، اور ضمیر کے خلاف اخلاق و

تپاک کی باتیں بھی کرنا پڑیں گی، دونوں اپنے اپنے جذبہ میں اس وقت پورے تھے، اور اس طرح کی کمزوری کا اظہار کرنے پر آمادہ نہ تھے،!

دونوں انسانوں کی مدد کرنے آئے تھے، دکھی انسانیت کو سہارا دینے آئے تھے، انسانوں کے زخمِ دل کی بخیہ گری کے لیے آئے تھے، لیکن کیا یہ خود بھی انسان تھے؟ اگر تھے تو کیسے انسان تھے کہ ایک دوسرے سے ملنے تک کے روادار نہ تھے،؟ ایک دوسرے کا سامنا تک کرنے پر آمادہ نہ تھے؟ ایک ہی جگہ پر تقریباً آمنے سامنے کھڑے تھے لیکن اس طرح جیسے ایک دوسرے سے ناواقف ہیں، ناآشنا ہیں،! ٭

(۴

# تاثرات

اوما اور جاوید اپنے تھکا دینے والے سفر سے آج ہی واپس آئے تھے، رضیہ
ر کملا کو واپس آئے کئی دن ہو چکے تھے، شیام ابھی تک واپس نہیں آیا تھا، انجم
وئی خبر نہیں تھی کہ کہاں ہے اور کب تک واپس آئے گا؟ ——!

اوما اور جاوید پہ افسردگی اور اضطراب کی کیفیت طاری تھی، یہ دونوں ہنستے
ے، بولتے تھے، باتیں کرتے تھے، زندگی کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے، لیکن ان کے
بجھے ہوئے تھے، آنکھیں پرنم نہیں تھیں لیکن خون کے آنسو رو رہی تھیں، یہ دونوں
نے دل برداشتہ اور دہشت زدہ ہو کر آئے تھے کہ آپس میں بھی انھوں نے
ک دوسرے سے اپنے تاثرات کا اظہار نہیں کیا، اور نہ کملا اور رضیہ سے
وداد سفر پوچھی، اس مسئلہ پر باتیں کرتے ہوئے دل خود بخود دھڑکنے لگتا تھا،
نبض کی رفتار تیز ہو جاتی تھی،

لیکن کملا چپ رہنے اور خاموش بیٹھنے والی کب تھی، اس نے سوال کر ہی
ا جاوید سے،

"کہئے جاوید صاحب کیا کیا دیکھا آپ نے؟"

جاوید نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، "مس کملا، کاش آپ نے یہ سوال

نہ کیا ہوتا، میں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے بیان کرنے کے لیے الفاظ کہاں سے
لاؤں؟ کاش میں وہاں پہنچ کر اندھا ہو گیا ہوتا، کاش میں یہاں پہنچنے سے پ
مر گیا ہوتا، ؟ ——— انسان اپنی سطح سے اتنا نیچا گر سکتا ہے، یہ تو میں
کبھی نہیں سوچا تھا، کیا ہندو انسان نہیں ہوتا؟ پھر مسلمانوں نے اسے کیوں ذ
کیا؟ کیا مسلمان انسان نہیں ہوتا؟ پھر ہندوؤں نے کیوں اسے قتل کیا؟ کی
ہندو بچے معصوم نہیں ہوتے؟ پھر مسلمان کا ہاتھ انھیں قتل کرنے کے لیے کی
اٹھا؟ کیا مسلمان بچے معصوم نہیں ہوتے، پھر ہندوؤں نے کس دل سے ان کے
گلے کاٹے؟ کیا ہندو عورت عصمت و عفت کا پیکر نہیں ہوتی، پھر مسلمانوں نے
کیونکہ اس کی آبرو لوٹی؟ کیا مسلمان عورت عصمت و عفت کا پیکر نہیں ہوتی؟
پھر ہندوؤں نے اس کی آبرو تاراج کی، ———

یہ کہتے کہتے جاوید کی آنکھیں پرنم ہو گئیں، اس نے ایک عجیب طرح کے تا
کے عالم میں سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، !

"تعجب ہے کہ انسان اور انسان کا شکاری ہے؟" میں بار بار سوچتا ہوں،
ان سیاسی اختلافات نے ہماری انسانیت کا گلا کیوں گھونٹ دیا؟ آزادی انمول چیز ہے
لیکن اگر آزادی کی قیمت اتنی گراں ہے تو مجھے سوچنا پڑے گا کہ اسے اس بھاؤ خریدا جا
یا نہ خریدا جائے؟ یہ لڑائی کرانے والے لیڈر خود کیوں نہیں ایک دوسرے کا گلا گھونٹ
دیتے یا لڑنے والے عوام مُردوں کی طرح، خود ہی آپس میں کیوں نہیں لڑتے؟ نہ لڑنے وا
عوام نے ان کا کیا بگاڑا ہے، انجان راہی کیوں قتل کا مستحق ہے؟ بے خبر مسافر کس لیے
نوک خنجر کے سزاوار قرار دے دیے گئے ہیں، اور ——— اور مقدس عورتیں
اور معصوم نونہال، کیوں؟ کس لیے؟ اور کس طرح، ننگ انسانیت مظالم کا ہدف بن
جا رہے ہیں؟

اوما نے گفتگو میں حصّہ لیتے ہوئے کہا، "میں نے رونگٹے کھڑے کرنے والے واقعات دیکھے، میں نے کٹی ہوئی گردنیں دیکھیں، لُٹی ہوئی عصمتیں دیکھیں، بے سر کے ے دیکھے، ہاتھ پاؤں کٹی ہوئی لاشیں دیکھیں، بوڑھوں، بیماروں اور اپاہجوں کے ریدہ جسم دیکھے، اور میں یہ سوچکر حیران رہ جاتی ہوں کہ ہمیں کیا ہوگیا ہے؟ یہ وک تو شاید جاپانیوں نے، جرمنوں نے، روسیوں نے بھی ایک دوسرے کے ساتھ کیا ہوگا؛ اگر ہمارے دیس پر کوئی دشمن چڑھائی کرتا، اور غالب آجاتا تو شاید وہ بھی یا نہ کرتا، لیکن یہ سلوک بھائیوں نے بھائیوں کے ساتھ کیا ہے، جو صدیوں سے ایک ں میں، ایک شہر میں، ایک گاؤں میں، ایک محلہ میں رہتے چلے آتے تھے، جن کے ی تعلقات پشت ہا پشت سے چلے آرہے ہیں، اگر ہم نے اسی طرح انسانیت کو تج دیا ہے تو کل جاوید صاحب میری گردن کاٹ سکتے ہیں اور میں انھیں زہر پلا سکتی ں!"

کملا کی بے تحاشہ ہنسی نے ذرا دیر کے لیے محفل کی افسردگی کم کردی، وہ ہنستی ہوئی گویا وئی،

"کیوں اوما دیوی جاوید صاحب اگر تمہاری گردن کاٹ سکتے ہیں تو تم ان کا گلا گھونٹنے بجائے صرف زہر پلانے پر کیوں اکتفا کر سکتی ہو؟ —— آخر وقت میں بھی یہ رعایت؟"

اوما کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی، اس نے ڈانٹتے ہوئے جواب دیا،

"کملا کبھی آدمی بھی بن جایا کرو، ہر موقعہ پر ٹھٹول، اور مسخرہ پن اچھا نہیں لگتا، باتیں ہو رہی تھیں، تم نے کیا قصہ چھیڑ دیا۔"

جاوید مسکرا مسکرا کر اوما کی باتیں سنتا رہا، پھر اس نے کہا،

"اوما دیوی معاف کر دیجئے مس کملا کو، انھیں یہ چھوٹ حاصل ہے کہ جو چاہیں کہیں کوئی ان سے خفا نہیں ہو سکتا، اور اگر گستاخی معاف ہو تو اعتراض کروں یہ چھوٹ

آپ ہی نے دی ہے دھنیں، !“ ——— لیکن مس کملا، ادما دیوی نے کچھ
تو نہیں کہا، جب حالات یہ رخ اختیار کر لیں، تو واقعی مجھے ادما سے، اور ادما کو
اپنی جان کی خیر منانی چاہیے، کیا معلوم کون کب قاتلانہ حملہ کر بیٹھے ———

کملا نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، ”جی ہاں ایسا ہو تو سکتا ہے، اس لیے
دنیا میں کوئی بات بھی ناممکن نہیں، لیکن جس دن ایسا ہوگا، اس دن قیامت بھی آ
گی، ر!“ ❖

---

## (۵)

# گراں قیمت

کہیں سے آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے، کہیں سے دھواں، کہیں انگارے دہک رہے تھے، کہیں دبی ہوئی راکھ میں چنگاریاں جھلملا رہی تھیں، کہیں گرم گرم خاکستر تھی، کہیں لو دیتے ہوئے ذرے، کہیں بادل چھائے تھے، کہیں بارش ہو رہی تھی، کہیں طوفان کی آمدورفت تھی، کہیں طوفان کی ہولناکیاں کارفرما تھیں، کہیں تلواروں پہ سان رکھی جا رہی تھی، کہیں خنجروں کی دھار آزمائی جا رہی تھی، کہیں بم تیار ہو رہے تھے، کہیں لاٹھیوں کو تیل پلایا جا رہا تھا، کہیں بندوقوں کی خریداری ہو رہی تھی، کہیں پستولوں کا اسٹاک کیا جا رہا تھا، کہیں چھریاں تیز ہو رہی تھیں، کہیں چاقو کی باڑھ دیکھی جا رہی تھی، کہیں ہمسایہ، ہمسایہ کی لڑکی کو تاکے ہوئے تھا، کہیں دوست، دوست کی بہن کو زبردستی قابو میں لاکر، خراب کرکے فروخت کردینے کے منصوبے بنا رہا تھا، کہیں ساتھیوں کے مال و زر، اسباب منقولہ اور جائداد غیر منقولہ، زیورات اور تمسکات کو ہتھیانے کا پروگرام بنایا جا رہا تھا، کہیں خون کی ہولی کھیلنے، خون کی گنگا جمنا بہانے، اور سرزمین وطن کو خون ناحق سے لالہ زار کر دیکھنے کی اسکیمیں اندر ہی اندر تیار ہو رہی تھیں، کہیں پس پردہ، محلے کے محلے، بستیوں کی بستیاں، اور شہر کے شہر صاف کر دینے، تباہ کر دینے اور مٹا

دینے کے نقشے بن رہے تھے، کہیں لوٹ مار، یلغار، اور قتل و غارت، ہنگامہ آرائی فتنہ و فساد، اور شورش کے مراکز متعین کیے جا رہے تھے، کہیں تبسم کے پیچھے دہکتے ہوئے انگارے تھے، کہیں چشم غمناک کی تہ میں انتقام کے ہولناک اور لرزہ خیز منصوبے تھے، ——— یہ تھا ہندوستان جنت نشان، جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا،

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

جس کے بارے میں اقبال ہی نے ارشاد کیا تھا،

خاک وطن کا مجھکو ہر ذرہ دیوتا ہے،

جس کے بارے میں، ترجمان حقیقت اقبال کی زبان سے فخر کے ساتھ نکلا تھا،

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس زمیں پر وحدت کا گیت گایا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

جس کے آسمان سے باتیں کرنے والے پاسباں ——— ہمالیہ ——— کو دیکھ کر وہ بے ساختہ ترانہ سنج ہو گیا تھا،

چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں،!

آج وہی سارے جہاں سے اچھا ہندوستان، تنور کی طرح تپ رہا تھا، آج وہ گل کدہ نہیں، آتش کدہ تھا، جس کا وجود اس لیے تھا کہ جو سامنے آئے اسے جلا کر خاکستر کر دے،

نیرو بدنام ہے کہ جب روم جل رہا تھا، تو وہ ایک پہاڑی پر نہایت اطمینان کے ساتھ بانسری بجا رہا تھا، اور یہ دلچسپ تماشہ دیکھ رہا تھا، جلنے والوں کی دردناک چیخیں، اس کے لیے نغمۂ جاں فزا کی حیثیت رکھتی تھیں، لیکن وہ ایک تھا، اکیلا تھا، مطلق

کے دور سے تعلق رکھتا تھا، لیکن آج کتنے نیرد تھے، جو گھر پھونک تماشہ دیکھ رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے، جو اپنے ہم قوموں، ہم وطنوں، اور ہمسایوں کو خون میں لوٹتے، تڑپتے، پھڑکتے دیکھ رہے تھے، اور وفور مسرت سے بے قابو ہوتے جا رہے تھے، جو اپنی آنکھوں سے عصمت مآب عورتوں، بے گناہ بوڑھوں، اور معصوم بچوں کی آبرو لٹتے، گردن کٹتے، اور ایڑیاں رگڑتے دیکھ رہے تھے اور جامے میں خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے، یہ بیک وقت امن کے داعی بھی تھے، اور امن سوز بھی، انسانیت کے علمبردار بھی، اور انسانیت کش بھی، اخلاقی اقدار کے مبلغ بھی تھے، اور ان اقدار کو اپنے پاؤں سے روندنے والے بھی، غنڈوں کے دشمن بھی تھے اور سرپرست بھی، یہ چاہتے تو یہ خون خرابہ رک سکتا تھا، یہ ہنگامہ آرائی ختم ہو سکتی تھی، آگ اور خون کا کھیل بند ہو سکتا تھا ——— لیکن شاید ان کے مصالح کا تقاضا یہی تھا کہ یہ کھیل جاری رہے، یہ سب کچھ کر سکتے تھے مگر انھوں نے کچھ نہیں کیا، انھوں نے اپنے وطن کے ساتھ غداری کی، انسانیت کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ لگایا، انھوں نے وہ کیا جو سو برس کے خالص سامراجی دور میں انگریز نے بھی اس دیس کے ساتھ، اور اس دیس کے رہنے والوں کے ساتھ نہیں کیا تھا، !

انگریزوں نے اس کو مارا، جو ان سے مسلح ہو کر لڑا، انہی کو غارت کیا، جو بغاوت کے مجرم قرار پائے، لیکن اندھا دھند عوام کی جان کبھی نہیں لی، غدر کے انتہائی اشتعال انگیز، اور انتقامی دور میں بھی نہیں، !

انگریزوں نے اگر زخم لگایا تو مرہم بھی رکھا، جائدادیں چھینیں، تو جاگیریں دیں بھی، لوٹا تو انعام و اکرام کی بارش بھی کی، اگر یہ نہ کرتے تو سو برس تک اس دیس میں مطلق العنان طور پر حکومت نہ کر سکتے،

لیکن آج انگریز جا رہے ہیں، جو ہیں ان کا حال بھی یہ ہے کہ کمر باندھے ہوئے

پھینکے کو یہاں سب یار بیٹھے ہیں، وائسرائے تک کا سر پر غرور، سر بیانہ کی طرح خم ہو چکا ہے، ان کی ساری انانیت اور مطلق العنانیت دم توڑ چکی ہے، از روئے آئین انہیں مکمل اختیارات حاصل ہیں، لیکن انھوں نے توبہ کرلی ہے کہ ان اختیارات کو ہرگز کام میں نہیں لائیں گے، عملاً اس وقت ان کی وہی حیثیت ہے، جو ایک آئینی سربراہ مملکت کی ہوتی ہے سارے اختیارات ہمارے پاس ہیں، کابینہ کی ہر نشست ہمارے قبضہ میں ہے، اب کوئی انگریز کسی شعبہ کا وزیر نہیں، وزیر دفاع ہمارا، اور وزیر مالیات ہمارا، وزیر داخلہ ہمارا، وزیر تجارت ہمارا، پولیس ہماری اور ہمارے قبضہ میں، فوج ہماری اور ہمارے زیر نگین، عوام ہمارے اور ہمارے عقیدت مند، ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں، اور جو چاہتے کرتے ہیں، لیکن، ——— لیکن ہم فساد کی آگ نہیں بجھا سکتے، ہم کٹی ہوئی گردنیں نہیں بچا سکتے، ہم معصوموں اور بے گناہوں کا خون ناحق، اور قتل عام نہیں روک سکتے، ہم انگریزوں کے خلاف اپنی فوج سے بغاوت کرا سکتے ہیں، لیکن اپنی فوج سے کام لیکر، اپنے ملک میں امن نہیں قائم کر سکتے، ہم منافرت باہمی کی آگ نہیں بجھا سکتے، ہم آزادی وطن کے لیے جیل جا سکتے ہیں، پھانسی کے تختہ پر چڑھ سکتے ہیں، پولیس کی لاٹھیاں، اور فوج کی گولیاں کھا سکتے ہیں، لیکن، ہم آزاد ہندوستان کے عوام کو امن کی نعمت نہیں دے سکتے ہم انہیں کشت و خون اور قتل و غارت سے محفوظ نہیں رکھ سکتے، اپنی زندگی خطرہ میں ڈال کر اپنے ہم وطنوں کی جان نہیں بچا سکتے، ——— کیا ہم واقعی مخلص ہیں، ؟ اگر واقعی مخلص ہیں، تو یہ سب کیا، ہو رہا ہے، ؟ کیوں ہو رہا ہے؟ کیسے ہو رہا ہے ؟ ہمارے مخالف بجا طور پر ہمیں طعنہ دے سکتے، اور ہمیں مخاطب کر کے کہہ سکتے ہیں،

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا،

اگر ہم نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر، بلکہ اپنی جان کی قربانی دے کر، وطن عزیز کو اس تباہی اور ہلاکت اور بربادی کے طوفان سے بچا لیا ہوتا، تو آج مرنے کے بعد بھی ہم سرخ رو ہوتے، لیکن ہم یہ کچھ نہ کر سکتے، زندہ ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ زندگی، شرمناک ہے، جس قیمت پر ہم زندہ ہیں، وہ بہت ہی گراں ہے،! —— —— بہت زیادہ گراں،! *

## (۶)

# کڑوا سچ

تقریر کی صورت میں جب تک جاوید کی یہ گفتگو جاری رہی سب پر ایک سناٹا سا چھایا رہا، کملا جیسی بلبل ہزار داستاں تک خاموش تھی، اور گوش ہوش سے یہ باتیں سن رہی تھی، ادما پر بھی تاثر کی عجیب کیفیت طاری تھی، شیام نے بیچ میں کئی مرتبہ بولنے کی کوشش کی مگر لب ہل کر رہ گئے، بات منہ سے نہ نکل سکی، رضیہ کی ہرنی جیسی بڑی بڑی اور خوب صورت آنکھیں حاضرین کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں، کبھی ادما کو تکنے لگتی، کبھی، کملا کو، کبھی شیام کو، اور کبھی جاوید کو، وہ ہر ایک کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے، کہ ان تاثرات سے وہ رہنمائی حاصل کرنے کی سعی کر رہی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا رائے قائم کرے ؟

آج باتوں باتوں میں، بنگال، بہار، یوپی، اور بمبئی کے انسانیت سوز فسادات پر بحث چل نکلی، ان حاضرین میں ہر ایک متاثرہ علاقوں میں سے کہیں نہ کہیں کا دورہ کر آیا تھا، اور اپنے ذاتی مشاہدات کی بنا پر ایک رائے بھی قائم کر چکا تھا، اور اس رائے کا خلاصہ یہ تھا کہ فلاں قوم کی طرف سے زیادتی، فلاں جماعت نے اشتعال پھیلایا، فلاں لیڈر نے فساد کی آگ کو ہوا دی،

یہ باتیں سنکر جاوید چڑ گیا، اور اس نے ایک لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی، تقریر کے بعد، عرصہ تک کسی کو لب کشائی کا یارا نہ رہا، آخر کملا نے یہ طلسم سکوت توڑا، وہ تیزی سے اٹھی، اور جھپا جھپ چائے بنالائی، جاوید کے سامنے گرما گرم پیالی رکھتے ہوئے بڑی سادگی کے ساتھ بولی،

"چائے گرمی میں ٹھنڈک پہنچاتی ہے"!"

سب ہنسنے لگے، وہ بھی ہنسنے لگی، پھر گویا ہوئی،

"اس وقت آپ بہت غصہ میں ہیں، چائے پی لیجئے، غصہ اتر جائے گا، ——— ——— ہائے غضب اتنا غصہ ہے آپنے تو حد کردی آج، طنز وتعریض کے فن میں اتنے طاق اور شہرۂ آفاق ہیں آپ کو یہ آج معلوم ہوا، اگر یہی تقریر کہیں مجمع عام میں کرڈالی ہوتی آپ نے تو آج اسپتال کی بھی خیریت نہیں تھی، ———

رضیہ کے لیے مسلسل سکوت ناقابل برداشت ہورہا تھا، وہ پٹ سے بول پڑی،

"اسپتال کی خیریت کیوں نہیں تھی ؟"

کملا نے جواب میں بتایا،

میری بھولی بھالی بہن اسپتال کی یوں خیریت نہیں تھی کہ اس تقریر کو اگر مسلمان سنتے تو وہ پہلے جاوید صاحب کی مرمت کرتے، ——— جیسا کہ ایک مرتبہ وہ کر بھی چکے ہیں ——— اور پھر جس اسپتال میں جاوید صاحب بدستے و گرے دست بدستے دگرے پہنچائے جاتے اس پر ٹوٹ پڑتے، آگ لگا دیتے، اینٹ سے اینٹ بجا دیتے، جو سامنے آجاتا، اس کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے، اور اگر ہندوؤں کے مجمع میں یہ تقریر ہوتی تو وہ بھی یہی کرتے، بلکہ ان کی اکثریت ہے لہٰذا اس سے بھی زیادہ کر گزرنے کو کچھ نہ تھا، ——— کہو سمجھیں یا اور سمجھاؤں ——— ؟

رضیہ مسکراتی ہوئی بولی، "سمجھ گئی خوب اچھی طرح، !"
پھر کملا نے جاوید سے مسکراتے ہوئے کہا،
"اور جاوید صاحب اگر کہیں اس گل افشانی گفتار کا مظاہرہ آپ نے کانگرس اور لیگ
رہنمایان کرام کے سامنے کیا ہوتا تو بھی آپ کی خیر نہیں تھی، !
رضیہ پھر بیچ میں بول پڑی، کیوں نہیں تھی ؟"
کملا نے بتایا، "اس لیے کہ سچ کڑوا ہوتا ہے، — اور وہ، ہمیں اسی وقت اچھا لگتا
اور لذیذ لگتا ہے، جب اس کا مقابلہ ہمارے مخالف اور حریف سے ہو، لیکن اگر یہ پورس کا
ہاتھی بنکر خود ہمی پر حملہ آور ہوتو ظاہر ہے، اس کی کڑواہٹ، اندرائن کے پھل سے بھی
زیادہ تلخ ہو جاتی ہے اور یہ ناقابل برداشت ہو جاتا ہے انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہے !"
رضیہ کو اب کملا کی باتوں سے لطف آچلا تھا وہ اسے چھیڑتی ہوئی بولی، "انسان کی
فطرت کیوں ایسی ہے ؟"
کملا نے اور زیادہ سنجیدہ بن کر کہا، "معلوم ہوتا ہے تم انسان نہیں ہو، ——
پھر میں تمہیں نہیں سمجھا سکتی اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں، !"
رضیہ اس وقت بہت خوش تھی، وہ تغزّباً گاتی ہوئی اور چٹکی بجاتی ہوئی بولی، "کملا
بہن ہار گئیں، کملا بہن ہار گئیں، !"
کملا، جس نے نہ کبھی ہارنا سیکھا تھا، نہ جھینپنا، اس وقت واقعی ہار بھی گئی اور جھینپ
بھی گئی، اس نے ہولے سے رضیہ کی پیٹھ پر ہاتھ جماتے ہوئے کہا، ——
"چل ہٹ دیوانی کہیں کی، !"
اب شیام کو بھی لب کشائی کا موقع ملا، اس نے کہا، "مس کملا اگر آپ ہارنے اور
جھینپ جانے کا اقرار کریں گی، تو آپ کا پایہ اور زیادہ اونچا ہو جائے گا، !"
کملا کی حاضر جوابی پھر عود کر آئی، اس نے اسے بناتے ہوئے کہا،

"بجا ارشاد فرمایا، ——— میری نظر میں آپ کا پایہ بہت اونچا ہے، !"

سب یک وقت ہنس پڑے، جاوید نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا، "کملا کبھی تو چپ ہو جایا کرو، !"

وہ شوخ نظروں سے اسے گھورتی ہوئی بولی، "آپ نے نصیحت بھی کی، تو کتنے ناوقت ——— جاوید صاحب آپ ہی نے تو مجھے بولنا سکھایا ہے، اس وقت آپ نے جو تقریر کی اس نے صرف میری زبان ہی کو نہیں بلکہ رونگٹیں رونگٹیں کو بولنا سکھا دیا ہے، !"

ادما نے کملا کے اس فقرہ سے لطف لیتے ہوئے کہا، "کہئے، اب کہئے کچھ جاوید صاحب ——— یہ کملا جس کا نام ہے، نہ جانے کون سی بلا ہے، ہر بات، ہر اعتراض کا جواب تو اس کی زبان پر رکھا رہتا ہے !"

جاوید صاحب نے چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا "ہاں صاحب کیوں نہ ہو، ان کے صاحب کمال ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے، !"

کملا ادما کو چھیڑتی ہوئی بولی "مجھے تم سے ہمدردی ہے ادما، !" ❁

---

(۷)

# کاٹھ کی تلوار

اس گفتگو کے چند روز بعد میرٹھ میں کانگرس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، یہ اجلا
بڑے اہم اور نازک موقعہ پر ہوا تھا، لیگ اور کانگرس کی کشمکش نے، ملک کو خانہ جنگ
دروازے پر لاکر کھڑا کر دیا تھا، ہر طرف سے کوششیں ہو رہی تھیں کہ باعزت مفاہمت
مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے، لیکن اس طرح کی تمام کوششوں کو ٹھکرا دیا گیا، پھر
اجلاس سے قبل بظاہر ایسے حالات پیدا ہوگئے تھے جن سے امید ہو چلی تھی کہ شاید
رو براہ ہو جائیں، اور آبرومندانہ مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے، بہت سے لوگ
اس امید میں شریک اجلاس ہوئے تھے کہ کانگرس اس اجلاس میں ضرور اپنی پوز
صاف کر دے گی، اور اپنے مخالفین کو یقین دلا دے گی کہ اس نے کابینہ مشن کی تجوی
کم وکاست منظور کی ہے، ایسی تجویز کے بعد، لازمی طور پر لیگ کی عدم تعاون کی پالیسی
ہو جائے گی،

لیکن، کانگرس کے کھلے اجلاس میں سردار پٹیل نے ایک آتشین تقریر کرکے
امیدیں ختم کر دیں، انھوں نے لیگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، ہم تلوار کا جواب تلوار سے د
، ہمیں نہ مرعوب کیا جا سکتا ہے، نہ اس راستہ سے منحرف کیا جا سکتا ہے جس پر خوب

[طر]ح غور و فکر کے بعد، ہم نے رہروی اختیار کی ہے، اگر کوئی جماعت ہم سے تعاون کرتی ہے، تو اس میں خود اسی کا فائدہ ہے، اور کسی جماعت کو عدم تعاون کی پالیسی پہ اصرار ہے تو اس کے نتائج بھگتنے کے لیے بھی اسے تیار رہنا چاہیئے،!

اس شعلہ بار تقریر نے رہی سہی امید بھی ختم کر دی، دوسرے ہی دن قائد اعظم کا [ج]وابی بیان شائع ہوا، انھوں نے فرمایا، "ان لوگوں کے ہاتھ میں ابھی کاٹھ کی تلوار ہے، [لی]کن نشہ قوت نے ان کے ہوش و حواس سلب کر لیے ہیں، اگر کبھی فولاد کی تلوار ان کے [ہا]تھ میں آ گئی، تو یہ جو کچھ کریں گے، اس کا اندازہ لگانا کسی معاملہ فہم کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہے، بہر حال ہم، ترکی بترکی جواب دینے کو ہر طرح سے تیار ہیں، جو بھی ہمارے سامنے [کاٹھ کی] تلوار لے کر آئے گا، ہم اس سے نپٹ لیں گے، ہم کاٹھ کی تلوار کو توڑ سکتے ہیں، اور فولاد کی تلوار کو کاٹ سکتے ہیں، ہمارا یہ دعویٰ حریفوں کی طرح لاف زنی پر مبنی نہیں ہے "تاریخی حقائق ہمارے دعوے کے بہترین گواہ ہیں، !"

جو مایوسی سردار پٹیل کے بیان سے پیدا ہوئی تھی، اس بیان نے اسے اور زیادہ مکمل کر دیا، جو لوگ یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ عہد خزاں رخصت ہو رہا ہے، اور دور بہار آ رہا ہے، وہ پھر حسرت سے سوئے فلک کج رفتار تکنے لگے کہ دیکھئے اب پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے،

دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا!

اس تقریر کا سب سے زیادہ برا ردّ عمل حیدرآباد پر ہوا، وہ بھی اپنی "جماعت" کے ساتھ بڑے شوق، اور بڑے جوش کے ساتھ شریک اجلاس ہوا تھا، سردار کی تقریر سے پہلے اچاریہ کرپلانی نے بھی ایک تقریر کی تھی، اور وہ بھی زہر میں بجھی ہوئی تھی،

لیکن اس سے کچھ زیادہ وہ متاثر نہیں ہوا، کیونکہ گو اچاریہ جی ایک عرصۂ دراز تک کے جنرل سکریٹری اور بعد میں صدر تک رہ چکے تھے، لیکن، لوگوں نے ہمیشہ انہیں ایک سیدھا سادہ چار آدمی بلکہ سادہ لوح قسم کا آدمی سمجھا، ان کے تدبر اور پاس فراست کے بارے میں کبھی حسن ظن سے کام نہیں لیا تھا، اور شاید یہی وجہ تھی کہ کانگرس کے اعلیٰ حلقوں میں ان کی کچھ زیادہ پوچھ نہیں تھی، جس چھوٹے سے گروہ کے ہاتھ میں پالیسی کی تشکیل تھی، اس نے کبھی انہیں لفٹ نہیں دیا، لیکن سردار کی بات اور تھی، وہ اس وقت کانگرس کے رکن رکین ہی نہیں بلکہ خود کانگرس تھے، جواہر لال اور گاندھی جی تک کا چراغ نیاز ان کے اقتدار کی آندھی نے گل کر دیا تھا، اس تقریر سے جواہر لال چاہے جتنے تلملائے ہوں، اور گاندھی جی کے دل پر کیسی ہی چوٹ لگی ہو، لیکن بہرحال، یہ تقریر کانگرس کے مزاج پالیسی اور پروگرام کی ترجمان تھی، اس سے بے تعلقی کا اظہار کرنے کی جراءت کوئی بڑے سے بڑا لیڈر بھی نہیں کر سکتا تھا،

جاوید اس تقریر سے اتنا رنجیدہ ہوا کہ پنڈال سے سیدھا اپنے خیمہ میں پہنچا اور سامان سفر باندھنے لگا، ذرا دیر کے بعد ساتھی بھی آ گئے، یہ منظر دیکھ کر سب سے پہلے کملا چیخی،

"جاوید صاحب یہ کیا ہو رہا ہے'؟"

جاوید نے، افسردہ لہجہ میں کہا، "وہی جو آپ دیکھ رہی ہیں'!"

اوما نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا، "واقعی آپ جا رہے ہیں'؟"

جاوید نے سر اٹھا کر ذرا کے ذرا اسے دیکھا اور بولا، "جی ہاں'——

رضیہ اب تک معاملہ کی تہ تک نہیں پہنچ سکی تھی، کہنے لگی، واہ جاوید صاحب یہ بھی اچھی رہی، آئے سب کے ساتھ جا رہے ہیں اکیلے، یہ نہیں ہو سکتا، آپ کو نہیں جانے دیا جائے گا، بھلا کوئی پارٹی کا ساتھ بھی چھوڑتا ہے، اور وہ کوئی معمولی آدمی

نیں آپ جیسا آدمی، سامان کھو لیے، ——— ہٹیئے ہیں کھولتی ہوں، ؟"

یہ کہہ کر آگے بڑھی، لیکن کملاتے بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا، رضیہ نے یرت سے اس کی طرف دیکھا، اسنے آنکھوں کے اشارہ سے کہا، "بس چپ رہو اس وقت!"

وہ سہم کر خاموش ہوگئی، اور پھر اپنی جگہ سے نہیں بڑھی، اور حیران حیران آنکھوں ے اس خاموش مجمع کو دیکھنے لگی،

اب شیام کی باری تھی، اس نے سوچا یہ عورتیں ہیں، بزدل، کم ہمت، یہ کچھ نہیں کر سکیں، اب مجھے اپنا رول انجام دینا چاہئے، جاوید بستر باندھ رہا تھا، شیام سگریٹ کے کش لگاتا ہوا، اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، اور بالکل انجان بنکر، گویا اسے کچھ نہیں علوم کہ اصل بات کیا ہے، کہا، "آج رات کے اجلاس میں مہاتما جی تقریر کریں گے، ——— کیا آپ وہ بھی نہیں سنیں گے، ؟"

جاوید نے اپنا شغل جاری رکھتے ہوئے کہا، "سننا ہوگی تو ریڈیو پر سن لوں گا، ڑھنا ہوگی تو اخبار میں پڑھ لوں گا، !"

شیام پھر کچھ نہ کہہ سکا، ہارے ہوئے جواری کی طرح، اپنی جگہ لوٹ آیا، کملا مسکراہٹ ضبط کر سکی، لیکن یہ موقع بولنے کا نہ تھا، !

---

(۸)

## رخصتِ سفر

اوما یہ کس طرح گوارا کر سکتی تھی کہ جاوید چلا جائے، اور وہ وہیں رہے، اس نے
بھی کچھ کہے بغیر اپنا بستر باندھنا شروع کر دیا، کملا نے زور سے اپنے سر کو جھٹکا، جو ا
"ہماری کون سی یہاں نال گڑی ہے'!"
اور پھر وہ بھی سامان سفر ٹھیک کرنے لگی، رضیہ کا جی تو نہیں چاہ رہا تھا، لیکن
ان سب سے الگ رہنا بھی ناممکن تھا، وہ اپنی چیزیں ایک جگہ جمع کرنے لگی، اس ک
دیکھا دیکھی شیام نے بھی سگریٹ ایک طرف پھینک کر باہر جاتے ہوئے رضیہ سے کہا
میں سواری کا بندوبست کر کے ابھی آیا، ——— تم ذرا میرا کمبل اور سوٹ
کیس ———

رضیہ نے بات بھی نہ پوری ہونے دی، بولی،
"ہاں ہاں آپ جایئے، ——— میں سب کچھ کر لوں گی، لیکن ذرا جلد
آجایئے گا، !"
شیام ذرا دیر میں وہاں تک کے لیے ایک ٹیکسی کر لائے، جلدی جلدی اس
سامان رکھا گیا، یہ مسافر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، اور ٹیکسی ہوا سے باتیں کرتی

ی طرف آن کی آن میں روانہ ہوگئی'،!

تھوڑی دور جانے کے بعد کملا نے قفلِ سکوت توڑا، کہنے لگی،

ہم سب آپ کے ساتھ چلے تو آئے، لیکن کیا اب بھی اس راز سے پردہ نہیں
ٹھے گا کہ یک بیک یہ کیا سوجھی آپ کو؟ پنڈال میں، جب داخل ہوئے تھے، تب
ڑا چھے بھلے تھے، ——————

اوما نے کملا کو ٹوکتے ہوئے کہا، "توبہ ہے، یہ کون سی ایسی اہم بات ہے
کہ ابھی اور اسی وقت اور یہیں ٹیکسی پہ اس کا فیصلہ ہو جائے، چلے آئے، کیوں چلے
ئے، خود ہی بتا دیں گے کسی وقت'، !"

کملا جھاڑ کھا کر خاموش ہوگئی، جاوید نے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،
"سردار کی تقریر نے میرے دل میں زخم ڈال دیئے، اگر میں وہاں ٹھہرتا، تو
شاید بیمار پڑ جاتا —————— اتنا بڑا آدمی، اور ایسی چھوٹی باتیں، جب تک ملک
کی قسمت میں ایسے لیڈر لکھے ہیں، اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا، ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ سردار نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ملک کو تقسیم کرا کے رہیں گے'، !"

شیام اس موقعہ پہ خاموش نہ رہ سکا، وہ گفتگو میں حصّہ نہیں لینا چاہتا تھا،
لیکن اسے کہنا پڑا،

سردار کی تقریر مجھے بھی پسند نہیں آئی، ضرورت سے بہت زیادہ جارہانہ
تھی، لیکن مسٹر جناح کو کیوں معاف کیے دے رہے ہیں آپ؟ ان کی شان میں بھی
کچھ فرمایئے'، !"

شیام کے یہ الفاظ سنکر، جاوید کا چہرہ سرخ ہوگیا،

"کیا شیام بابو آپ کا یہ خیال ہے کہ میں جناح صاحب کی پاسداری کر رہا
ہوں؟"

یہ سوال کچھ ایسے تیکھے انداز میں جاوید نے کیا کہ وہ سٹ پٹا سا گیا، اس
"میرا یہ خیال تو نہیں ہے، لیکن دیکھئے نا جاوید صاحب، جناح نے جو ہنگامہ
کرائی ہے اس کا جواب بھی تو دینا چاہئے کسی نہ کسی کو، یہ فرض اگر سردار صاحب
ادا کر دیا تو کون سا غضب ہو گیا، ؟"

جاوید نے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہا، شیام بابو بحث کرنے کا یہ انداز اخبار
بحث میں تو چل سکتا ہے، لیکن آپس کی گفتگو میں نہیں چل سکتا،!،

شیام نے کوئی جواب نہیں دیا، سوالیہ نظروں سے جاوید کی طرف دیکھنے لگا
جاوید نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"ہماری آپ کی نظر میں جناح صاحب وطن دشمن ہیں، فرقہ پرست ہیں انگریز
کے دوست ہیں، پاکستان لے کر وہ ہندوستان کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں، لہذا وہ جو
کچھ کہیں اور کریں، انہیں کہنا اور کرنا ہی چاہئے، آخر ایک وطن دشمن سے ایک فرقہ
پرست سے، انگریزوں کے ایک دوست سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے،
——— لیکن سردار پٹیل ؟ ——— بتایئے شیام بابو کیا سردار صاحب
بھی وطن دشمن ہیں ؟" جواب دیجئے شیام بابو، میں آپ سے پوچھ رہا ہوں،!"

شیام نے پہلو بدلتے ہوئے کہا،

"نہیں، ——— انہیں کون وطن دشمن کہہ سکتا ہے ؟ وہ تو وطن کی لاج
دیس کی آبرو ہیں، ملک کے ناخدا ہیں،!"

"ٹھیک ہے ——— اور فرقہ پرست ؟ کیا سردار صاحب فرقہ پرست ہیں"
(جوش کے ساتھ) ہرگز نہیں، اتنا بڑا کانگرسی لیڈر فرقہ پرست کیسے ہو سکتا
ہے،!"

"یہ بھی تسلیم، اب بتایئے کیا انگریزوں کے یار وفادار ہیں، سردار صاحب

"(اور زیادہ جوش کے ساتھ) جو شخص ساری زندگی انگریزوں سے لڑتا رہا ہو
نے ایک چوتھائی صدی تک نہایت دلیری اور شجاعت کے ساتھ
راج سے ٹکر لی ہو، جو جیل گیا ہو، جس نے وکالت ترک کے درویشانہ زندگی اختیار
ی ہو، وہ کیونکر انگریزوں کا یار وفادار ہو سکتا ہے؟ یہ سعادت تو قدرت
نے جناح صاحب ہی کے مقسوم میں ازل سے لکھ دی تھی،!"

"چلئے یہ بھی مانے لیتا ہوں، ایک بات اور بتا دیجئے، کیا سردار صاحب ہندوستان
و برباد کر دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں،؟"

"جی نہیں جاوید صاحب، ہندوستان کا معمار، اسے تباہ کس دل سے، اور
ہاتھوں سے کرے گا؟"

"بجا ارشاد فرمایا، آپ نے، لیکن سردار صاحب نے اس وقت جو راستہ اختیار
ہے، کیا وہ تباہی اور بربادی کا نہیں ہے؟ اگر سردار صاحب نے یا آپ نے یہ سمجھ رکھا
کہ انگریز سارے اختیارات کانگرس کو منتقل کر کے چلے جائیں گے تو یہ غلط ہے،
ز ایسی حماقت نہیں کر سکتے، آپ خود مجھے بتا چکے ہیں کہ مسلمانوں کی رائے عامہ
ان کے حق میں ہے، اور اتنی منظم اور طاقتور ہے کہ خود جناح صاحب بھی اب
اس راستہ سے منحرف نہیں کر سکتے، فرض کیجئے، انگریز سارے اختیارات
سے جاتے وقت تحفہ کے طور پر کانگرس کو دیتے بھی جائیں تو کیا خانہ جنگی
دگی!"

"وہ تو ضرور ہو گی،؟"

"میں پوچھتا ہوں کیا ایک محب وطن کو خانہ جنگی کی دعوت دینا چاہئے، اس کا
ں کرنا چاہئے؟ کابینہ اسکیم کے ماتحت ہندوستان متحدہ رہ سکتا ہے اور مسلمان
ی ہو سکتے ہیں، اور پاکستان کی تحریک معطل ہو سکتی ہے، پھر کیوں نہیں اس

اسکیم کو مان لینے کا اعلان کر دیا جاتا ہے ——— آخر یہ وہی اسکیم تو ہے جسے سردار، مہاتما، پنڈت اور سارے نیتا بخوشی ابھی چند دن پہلے مان چکے ہیں، پھر اب اس میں کیڑے کیوں پڑ گئے ہیں، ———

ٹیکسی ادما کے گھر کے سامنے ایک جھٹکہ کھا کر رک گئی'! ❖

---

(۹)

# رنگ میں بھنگ

آج جاوید اور انجم میں بڑی سخت لڑائی ہو گئی، یوں کہنا چاہیے مار پیٹ ہوتے ہوتے رہ گئی، گرم گفتار کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا دونوں پہلوان اکھاڑے میں اب اترے کہ اب اترے'!

ہوا یہ کہ ادما کی سالگرہ کے موقعہ پر، جو ہر سال نہایت سادگی کے ساتھ منائی جاتی تھی کملا نے شہناز کو دعوت دینے کے لیے فون کیا اتفاق کی بات ریسیور انجم نے اٹھایا،

"میں انجم بول رہا ہوں'!"

"وہ تو میں سمجھ گئی، لیکن میں شہناز سے بولنا چاہتی ہوں'!"

"اوہ میں سمجھ گیا آپ ضرور مس کملا ہیں'!"

"جی ہاں میں کملا بول رہی ہوں، آج ادما کی سالگرہ ہے، کیا شہناز آسکیں گی؟"

"یہ تو شہناز ہی بتا سکتی ہیں کہ آسکیں گی یا نہیں، ؟ لیکن اگر آپ مجھے مدعو کریں، تو میں ضرور آسکتا ہوں'!"

"یہ لیجئے، نیکی اور پوچھ پوچھ، آیئے اور سر کے بل آیئے، تو بہ توبہ آیئے اور سر آنکھوں پر آیئے لیکن شہناز کو ضرور ساتھ لایئے'!"

کملا نے فون بند کر دیا، شہناز کہیں باہر گئی ہوئی تھی تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی تو انجم نے کہا آج اوما کی سالگرہ ہے، کملا نے فون کیا تھا، کیا جاؤ گی؟"

شہناز خوش ہوتی ہوئی بولی، ضرور جاؤں گی؟"

انجم نے کہا، تو پھر اب وقت کم ہے، اور خوب بن ٹھن کر جاؤ،

شہناز روٹھ گئی، آخر آپ ہر وقت مجھے طعنے کیوں دیتے رہتے ہیں'؟ کون سی بنی ٹھنی رہتی ہوں ذرا دوسری عورتوں کو دیکھئے، کیسی ہر وقت بنی سنوری اور ٹپ ٹاپ سے درست رہتی ہیں!'

انجم نے جمائی لیتے ہوئے اور آرام چیئر پہ نیم دراز ہوتے ہوئے کہا، دوسری عورتوں کو دیکھنے کی اجازت آج ملی ہے دیکھ لوں پھر کوئی رائے قائم کر دوں ——————

شہناز خفا ہوگئی، بہت اچھا میں نہیں جاتی،!'

پھر وہ اپنے کمرہ میں جاکر کوئی کتاب پڑھنے لگی، انجم پیچھے پیچھے پہنچا، ارے بھئی تم تو مذاق میں بھی خفا ہو جاتی ہو،

وہ کہنے لگی، "جی ہاں مذاق، اچھا مذاق ہے، کوئی سن لے تو یہی کہے میاں تک نام دھرتے ہیں بیوی کو!"

انجم نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا، سن کیسے لے؟ میاں بیوی کی —————— اور میاں بیوی بھی وہ جو عاشق و محبوب ہوں' —————— پرائیویٹ باتیں سننے کا کسی کو حق کیا ہے؟ بس اب تیار ہو جاؤ،!"

شہناز نے کوئی جواب نہیں دیا، اور تیار ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی، انجم نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا، وقت کم ہے، ذرا جلدی سے نپٹ لو، دیر میں پہنچنے سے کیا فائدہ؟

وہ جاتے جاتے ٹھٹک کر کھڑی ہوگئی، تو کیا آپ بھی چل رہے ہیں؟

انجم نے ایک قہقہہ لگایا، ہاں چل تو رہا ہوں' —————— کیا اعتراض ہے تمہیں کچھ؟

شہناز نے سوال کیا، "آپ کو بھی کیا کملا نے بلایا ہے"؟"

انجم نے جواب میں کہا، "تو کیا ہوا؟ کیا نہ بلانا چاہیے تھا؟ بھئی تم سے اگر کملا، اوما، اور رضیہ سے دوستی ہے، تو جاوید اور شیام میرے بھی دوست ہیں، چلو ذرا لطف رہے گا، ہنس بول لیں گے دو گھڑی، ملک کی فضا آج کل ایسی مکدّر ہو رہی ہے، اور ہر طرف ہنگاموں کا ایسا زور شور ہے، فسادات، کشت و خون، اور قتل و غارت کی ایسی گرم بازاری ہے کہ ہنسنے اور مسکرانے کو ترس گئے ہیں وقت ہی نہیں ملتا ذرا اطمینان سے بیٹھنے کا"!

یہ دلائل کام کر گئے، شہناز خود بھی ادھر کچھ عرصہ سے انجم کی بے پناہ مصروفیت اور ذہنی کلفتوں کو دیکھ رہی تھی، اس نے کہا،

"میں کب منع کرتی ہوں، چلئے، ——— ضرور چلئے!"

تھوڑی دیر میں یہ لوگ تیار ہو کر، اوما کے گھر جس کا نام "سیوا سدن" تھا، پہنچ گئے، اوما اور کملا نے ان دونوں مہمانوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا، رضیہ اور شیام بھی موجود تھے استقبال میں وہ بھی پیش پیش تھے، جاوید صاحب نے کسی خاص گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا، جسے انجم نے محسوس کیا، لیکن اپنے احساس کا اظہار نہیں ہونے دیا، اسے نہیں معلوم تھا کہ میرٹھ کانگرس کے اجلاس سے واپس آنے کے بعد سے کس ذہنی کلفت میں مبتلا ہے، بہرحال دونوں دوستوں میں علیک سلیک ہوئی، جاوید ایک صوفے پر بیٹھا تھا، ذرا کھسک گیا، "آؤ بھئی انجم ——— بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی"!"

انجم نے مسکراتے ہوتے کہا، "بھئی اب تو تم لوگوں سے ملتے ہوتے ڈر لگتا ہے"!"

جاوید نے تیوری چڑھالی کوئی جواب نہیں دیا، شیام پوچھ بیٹھا،

"کیوں انجم صاحب ڈر کیوں لگتا ہے آپ کو ہم لوگوں سے ملتے ہوتے"!"

رضیہ نے بھی تبسم کی بجلیاں گراتے ہوتے سوال کیا، "بتلایئے انجم صاحب اس قدر بزدل کب سے ہو گئے ہیں آپ؟"

کملا بھلا کیسے خاموش رہتی، کہنے لگی، " بہادری کی تہمت کب لگی تھی ان پر؟!!
انجم برابر مسکرائے جا رہا تھا، اس نے کملا سے کہا، " اگر بہادری نام ہے حریف کے پیٹھ پیچھے، اور اس سے سیکڑوں میل کے فاصلہ پر بیٹھ کر کاٹھ کی تلوار چلانے کا، تو واقعی اس تہمت کا میں سزاوار نہیں ہوں، اور مجھے اس پر فخر ہے"!!

کملا کو اتنے براہ راست حملہ کی توقع نہ تھی، وہ کچھ سٹ پٹا سی گئی، سوچ رہی تھی کہ کیا کہے۔ اتنے میں انجم نے شیام کو مخاطب کیا،

" لیکن شیام بابو کاٹھ کی تلوار سے گو گردن نہ کٹ سکتی ہو، لیکن سر تو پھوٹ سکتا ہے، وہ بھی جب پیچھے سے چلائی جائے"!

اور قبل اس کے کہ شیام جواب میں کچھ کہے، انجم نے رضیہ سے کہا،

" آپ کے سوال کا جواب میں نے دیدیا؟"

اور پھر اس نے سگریٹ جلایا، اور لمبے لمبے کش لگانے لگا، ادما نے اندازہ کر لیا کہ محفل دگرگوں ہوتا چلا جا رہا ہے، اس نے بات بنانی چاہی،

" کیوں انجم صاحب، اگر کملا دعوت نہ دیتی تو آپ نہ آتے آج؟"

انجم نے کہا، " مس کملا نے تو دعوت نہیں دی تھی، میں نے خود ان کے اخلاق کو جھنجھوڑ کر یہ دعوت زبردستی حاصل کی ہے، اگر وہ مجھے بزدل کے بجائے بے غیرت کہتیں، تو بڑی خوشی سے یہ تہمت قبول کر لیتا"!

کملا کی حاضر جوابی پھر کام نہ آئی، لیکن جاوید کو موقع مل گیا، اس نے اب تک گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا خاموش بیٹھا سب کی باتیں سن رہا تھا، اس نے ذرا تلخ لہجہ میں انجم سے کہا،

" کیا بکواس لگا رکھی ہے تم نے، گھر میں بیٹھ کر، یا دفتر میں نمودار ہو کر، بہادر بن سکتے ہو، پہلوان بھی، رستم دوراں بھی، لیکن ذرا، بنگال، بہار، اور گڑھ مکتیشر وغیرہ

جاکر گردن کٹا دو تو جانیں، یوں تو آپ لوگ بڑے مجاہد ہیں، غازی ہیں، لیکن شہید
نے کی ہمت نہیں پڑتی، اپنی ضد پر، اپنی خود آرائی پر، اپنی قیادت عظمیٰ کے تاج زریں
سادہ لوحوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کٹوا دینا بہت آسان ہے، لیکن ان سادہ لوحوں
چلانے کے لیے، ان کے ساتھ خود بھی کھیرے ککڑی کی طرح کٹ جانا بہت مشکل ہے،
——— یہ وہ منزل ہے جس میں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا، !"

انجم حیرت سے جاوید کی طرف دیکھنے لگا، کملا اور شیام کے منہ سے نکلی ہوئی بات
دما سنبھال سکتی تھی، لیکن مرشد کی بگاڑی ہوئی بات کا سنبھال لینا اس کے بس سے
باہر تھا، وہ بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی جاوید کو، کبھی انجم کو کبھی شہناز کو اور کبھی
لا کو دیکھنے لگتی،

انجم نے جاوید کی اس تلخ بات کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ اب تک اپنی حیرت پر غالب
ہیں آسکا تھا، پھر بھی اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے جواب میں کہا،
"بہت خفا معلوم ہوتے ہو، ———

کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں
بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں،

آخر بات کیا ہے، ؟"

انجم نے چاہا تھا کہ بات مذاق میں ٹل جائے، لیکن جاوید اس وقت دوسرے موڈ
میں تھا کہنے لگا،

"جتنے مسلمان ان ہنگامہ آرائیوں میں قتل ہوئے ہیں ان سب کی ذمہ داری صرف
پر، اور تمہاری قیادت پر ہے، ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ ہلچل، یہ طوفان
خون خرابہ، یہ تخریب کا زور، یہ تفریق کا شور، سب تمہاری نالائق قیادت کا شاہکار
ہے، یہ ہوس قیادت ابھی اور نہ جانے کتنے بے گناہوں کی جان لے گی، ؟"

انجم سنبھل کر بیٹھ گیا، اس نے سوال کیا،

"کیا واقعی تم سنجیدگی سے یہ باتیں کر رہے ہو؟"

جاوید نے جواب دیتے ہوئے کہا،

"جب لوگ قتل ہو رہے ہوں، ملک کا امن برباد ہو رہا ہو، گھروں سے ماتم شیون کی صدائیں بلند ہو رہی ہوں، بوڑھوں، جوانوں، بچوں اور عورتوں کو سفاکی اور درندگی کے ساتھ ہدفِ ستم بنایا جا رہا ہو، کھیت جل رہے ہوں، مکان ڈھائے جا رہے ہوں آبرو لوٹی جا رہی ہو، املاک چھینی جا رہی ہو، آنسوؤں کا دریا بہہ رہا ہو، اس وقت کم از کم میں مذاق نہیں کر سکتا، اگر گفتگو کر سکتا ہوں تو سنجیدگی ہی سے"،

انجم کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا، وہ گویا ہوا،

"لیکن سنجیدہ گفتگو کا یہ کون سا موقع ہے؟ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد، ———!"

پھر اس نے ادما سے کہا، "دیکھ رہی ہیں مس ادما آپ اس دیوانے کو،؟"

ادما ہرگز یہ نہیں چاہتی تھی کہ بات بڑھے، اس نے بڑی بے بسی کے ساتھ کہا،

جی، ———

پھر شاید وہ کوئی ایسی بات کہتی جس سے، یہ خروش تکلم کم ہوتا کہ یکایک جاوید بول پڑا،

"میں نے سر کٹی ہوئی لاشیں دیکھی ہیں، میں نے اجڑے ہوئے گھر دیکھے ہیں، میں نے جھلسے ہوئے کھیت دیکھے ہیں، میں نے لاشوں سے پٹے ہوئے کنویں دیکھے ہیں، میں نے جگر فگار صدائیں سنی ہیں، میں نے، ——— میں نے انسانیت کو ایڑیاں رگڑتے، پامال ہوتے، قتل ہوتے، لٹتے، اور پاؤں تلے روندا جاتے دیکھا ہے، بتاؤ میں اس کا حساب کس سے لوں؟ ———

انجم نے بڑی سادگی سے کہا،

"سردار پٹیل سے،!"

جاوید کی آواز اور زیادہ بلند ہوگئی، اس نے کہا،

"سردار پٹیل کو کس نے پیدا کیا؟"

انجم نے اسی ٹھنڈے لہذا میں کہا،

"جواہر لال، اور گاندھی جی کی کمزوری نے!"

جاوید چیخ پڑا،

"تم اپنے گناہ دوسروں کے سر تھوپتے ہو!!"

انجم نے کہا، "غلط ——— ہندوستان کے باشندوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں نے برطانوی سامراج سے آزاد ہونا چاہا، آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی، بغاوت کی، اسے تم نے سراہا، تعریف کی، آٹھ کروڑ کی تعداد رکھنے والی قوم اگر ایک دوسرے سامراج سے آزادی کا مطالبہ کرتی ہے، آزاد ہونے کی جدوجہد کرتی ہے، تو تم اسے غدار کہتے ہو ——— غدار جو انگریز تمہیں کہا کرتے تھے وہی تم ہمیں کہتے ہو، ؟ اگر تم غدار نہیں تھے، تو ہم بھی غدار نہیں ہیں، ہندوستان کے فدایان حریت کو، جب انگریز جیل میں بند کرتے تھے، جب ان پر لاٹھی چارج کرتے تھے جرمانے کرتے تھے، تو تم گلا پھاڑ کر چیختے تھے کہ دیکھو یہ کیسا اندھیر ہو رہا ہے، آزادی خواہوں پر یہ ظلم، لیکن آج تم نے کون سا ظلم اٹھا رکھا ہے، ؟ کس جرم میں ؟ کیا ہم مجرموں کا جرم اس کے سوا کچھ اور ہے کہ ہم آزادی چاہتے ہیں، ؟ کیا مطالبہ حریت کی سزا یہ ہے کہ تم ہمارے گلے کاٹو ؟ ہمارے کھیت جلاؤ، ہمارے مکان ڈھا دو، ہماری عورتوں کی بے آبروئی کرو، ہمارے بچوں اور بوڑھوں کو، تہ تیغ کرو، اگر انگریز جو دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھے، جن کی مملکت میں کبھی سورج

غروب نہیں ہوتا تھا، جن کی حکومت، سمندروں اور پر بھی، جو ہر طرح کے سازوسامان
جنگ، اسلحہ، گولہ، بارود، توپ، تفنگ مشین گن، اسٹین گن، آتش ریز بم، ہر خوفناک
سے خوفناک اور ہلاکت آفریں آلات واسلحہ سے مسلح تھے، تمہیں آزاد کرنے پر
مجبور ہو رہے ہیں، یاد رکھو تم جو انگریزوں سے کہیں زیادہ فرومایہ ہو، تم جن کے وسائل
وذرائع انگریز سے کہیں زیادہ کم ہیں، تم جن کے ہاتھ میں ابھی صرف کاٹھ کی تلوار ہے
ہماری آزادی نہیں روک سکتے، ہمیں آزاد کرنے، ہمارا مطالبۂ آزادی ماننے پر مجبور
ہو جاؤگے، جس طرح چالیس کروڑ کی آبادی رکھنے والا ملک آزادی کا مستحق ہے، اسی
طرح آٹھ کروڑ کی آبادی رکھنے والا خطہ بھی دنیا کے ہر قانون کے لحاظ سے آزادی
کا مستحق ہے، اگر جرمنی، فرانس، برطانیہ، جاپان، ترکی، سوئیزرلینڈ، مصر، ایران،
سعودی عربیہ، عراق، شرق اردن، بلجیم، ہالینڈ، ناروے، ڈنمارک، اسپین، آزاد رہ سکتے
ہیں، تو بھارت کے آٹھ کروڑ مسلمان کیوں آزاد نہیں ہو سکتے، کیا ہمارے پاکستان کی
آبادی ان ممالک میں سے کسی سے کم ہے؟ تم نے طعنہ دیا ہے کہ جو مسلمان قتل ہوئے
ہیں ان کا خون لیگ کی قیادت پر ہے، میں اس الزام کو فخر سے تسلیم کرتا ہوں، جتنے
قتل ہو چکے ہیں، اس سے دوگنے، تین گنے، چار گنے، دس گنے قتل ہو جائیں تو بھی
کوئی پروا نہیں، آزادی بڑی قیمتی چیز ہے، اس کی قیمت ادا ہونی ہی چاہئے، یہ
قیمت ادھار نہیں رکھی جا سکتی، نقدا نقد دی جانی چاہئے، دی جائے گی، ہم دے
رہے ہیں، تم اپنے مجرم ضمیر کو صرف ظاہری طور پر ایسی بے سروپا باتوں سے تسلی دے
سکتے ہو، لیکن حقیقی طور پر نہیں، پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ میں، اس سے پہلے کی
جنگوں میں، طاعون میں، وبا میں، ہیضہ میں، نہ جانے کتنے آدمی ہلاک ہو چکے ہیں،
ہوتے رہتے ہیں، ہوتے رہیں گے، کیا اس بے مقصد موت کے مقابلہ میں ہماری
بامقصد شہادت ہیچ ہے؟ ہمیں مرنے دو، قتل ہونے دو، مٹنے دو، تاکہ ہم آزاد

ہو سکیں، یہ آٹھ کروڑ نفوس مرتے مرتے، کٹتے کٹتے صرف ایک کروڑ رہ جائیں مگر آزاد ہو جائیں، تو بھی یہ سودا مہنگا نہیں ہے جاوید صاحب ــــــــ

دفعتہً جاوید شیر کی طرح گرجا، تم جھوٹے ہو، غدار ہو، دشمن وطن ہو، میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا، نکل جاؤ یہاں سے جاؤ، نکلو ــــــــ

غصہ سے تلملا کر انجم اٹھ کھڑا ہوا، اوما سامنے آگئی، جاوید بھائی، ــــــــ

پھر وہ کچھ نہ کہہ سکی، لیکن اس کی چشم پرآب نے سب کچھ کہہ دیا، انجم نے شہناز کی طرف دیکھا،

"آؤ شہناز چلیں، ــــــــ اوما بہن میرے دل میں آپ کی عزت ہے، آج جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری سے آپ بالکل بری ہیں،! ــــــــ

یہ کہا اور شہناز کے ساتھ چلا گیا،! ◆

---

(۱۰)

# ہرجائی

انجم اور شہناز ادما کے ہاں سے رخصت ہو کر اپنے گھر پہنچ گئے ، !

راستہ بھر دونوں خاموش رہے ، کسی نے گفتگو کا یارا اپنے میں نہ پایا ، گھر پہنچ
بعد شہناز اپنے کمرہ میں پہنچی اور ریڈیو کھول کر بیٹھ گئی ، انجم نے سوچا بڑے شوق
ولولہ سے ادما کے ہاں گئی تھی ، چائے تک نہ پی سکی ، باتیں چھڑ گئیں ، پھر جادیبے
ہو گئی ، چلو اس کا جی بہلائیں چل کر ، یہ سوچ کر وہ شہناز کے کمرہ میں پہنچا ، اور ریڈیو بند
شہناز نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا ، پھر انداز دلبری کے ساتھ گویا ہوتی ،

" بس یہی باتیں زہر لگتی ہیں آپ کی ، کتنا اچھا تو گانا ہو رہا تھا ، ! "

انجم نے پاس ہی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا ، " گانا پھر سن لینا ، یہاں پیٹ میں چوہے
دوڑ رہے ہیں ، ! " پہلے کچھ کھلاؤ ، پھر نغمہ سرائی ہوتی رہے گی ، ! "

وہ مسکراتی ہوتی گویا ہوئی ، " تو کیوں لڑ لیے ، پہلے کچھ کھا پی تو لیا ہوتا ، ! "

" بھئی میں کب لڑا ؟ نہ جانے کیوں جلا بیٹھا تھا ، وہ احمق شخص بات بات میں الجھ رہا
پھر بد تمیزی تک پر اتر آیا ، لیکن میں نے طرح دی ، سوچا ، لڑنے سے کیا فائدہ ؟ اس
کوئی مسئلہ حل تو ہوتا نہیں ، ! "

کچھ سوچتی ہوئی شہناز بولی، "جاوید صاحب نے حرکت تو بہت بری کی، ہیں انھیں
ب و شائستگی سے اتنا گیا گزرا نہیں سمجھتی تھی، کالج میں تو وہ ایسے نہیں تھے،!"

انجم نے مسکراتے ہوئے جواب میں کہا، "ہاں جب نہیں تھے اب ہیں، سعدی نے
ہے "کہ خبث نفس نہ گردد بہ سالہا معلوم"! تب بڑے نیک تھے، اب جوہر کھلے"!

"بس دیکھ لیا آپ کے دوستوں کو، کتنے پانی میں ہیں"؟"

"کسی کے دوستوں میں اگر کوئی شخص پاگل ہو جائے تو طعنے دینے سے کیا حاصل؟"

"دسنی کو ان سنی کرتے ہوئے، جاوید آپ کے طالب علمی کے زمانہ کے دوست ہیں،
—— کیسے ہاں،!"

"اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ واقعہ بجائے خود ہے کافی شرمناک کہ میرا
دوست ایسا بھی ہے،!"

"(ان باتوں پر متوجہ نہ ہوتے ہوئے) اور ہماری اوما کی دوستی کو ابھی کتنے دن ہوئے
میل ملاپ کو دوستی تو نہیں کہہ سکتے، لیکن اس کی شرافت دیکھئے رونے لگی بیچاری
!"

"عورتوں کو رونے کے سوا، اور آتا کیا ہے؟ یہی تو ایک فن ہے، جس میں بغیر
لیے ہر عورت کو آنکھ بند کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی جا سکتی ہے،!"

"شکریہ، —— اور لڑنے کے فن میں، مرد حضرات اپنا جواب نہیں
بلکہ ڈگری ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں،!"

"بہتر ہے، —— یہ بات میں ضرور، قمر سے کہوں گا، ——"

"قمر کون؟ یہ نام تو میں نے آج ہی سنا ہے،؟"

"میں اپنے ہونے والے بیٹے کا نام قمر رکھوں گا،!"

شہناز نے کچھ خوش ہوتے ہوئے، کچھ شرماتے ہوئے کہا، "آپ بھی عجیب طرح کی

باتیں کرتے ہیں'!" ——— چھوڑیے یہ قصہ'!"

اتنے میں آواز آئی، "کیا خاکسار حاضر ہو سکتا ہے ——— ؟"

اور جواب سے پہلے اختر نمودار ہو گیا، انجم نے اس کی پذیرائی کرتے ہوئے کہا، بھئی خوب آ گئے، بڑی بھوک لگ رہی تھی اس وقت،

اختر نے کہا، "تو کیا مجھے کھاؤ گے؟"

انجم نے جواب دیا، دوستوں میں تمہیں تو ایک ایسے ہو، جسے ہر شخص لقمۂ تر کی طرح کھا سکتا ہے اور جب چاہتا ہے کھا لیتا ہے'، ——— بھئی شہناز ہماری باتوں سے دلچسپی نہ لو، بھوک بہت سخت لگ رہی ہے'!"

شہناز مسکراتی ہوئی چلی گئی، ذرا دیر میں کھانا لگ گیا، تینوں نے ساتھ بیٹھ کر کھایا،

پھر انجم نے پوچھا،

"کہو کیسا کام چل رہا ہے؟"

اختر نے کہا، سوچتا ہوں استعفا دے دوں'؟

انجم یہ جواب سننے کے لیے تیار نہ تھا، "کچھ پاگل ہوئے ہو استعفا کیوں دے دو گے! نوکری آج کل ملتی کہاں ہے اس کی قدر کرنا چاہیے احمق الذی'!"

اختر نے تائید کرتے ہوئے کہا، یہ تو سچ کہتے ہو، اور میرا جہاں تک تعلق ہے قدر بھی کرتا ہوں نوکری کی، لیکن اگر استعفا نہ دیا تو نکال دیا جاؤں گا، استعفا دینے کم از کم بھرم تو قائم رہے گا، خودداری پر تو حرف نہیں آئے گا'؟"

لیکن نکال کیوں دیے جاؤ گے؟ ——— "کوئی نالائقی کی ہو گی!"

"جی ہاں اس سے بڑھ کر نالائقی کیا ہو گی کہ صبح نو بجے جاتا ہوں، اور رات کو ۹ بجے واپس آتا ہوں، جب تک دفتر میں رہتا ہوں سگریٹ تک پینے کی مہلت نہیں ملتی، چائے کا کیا ذکر'!"

"لیکن تم اتنے محنتی تو کبھی نہ تھے"!"

"لیکن پہلے نوکری کی قدر کب کرتا تھا"!"

"(ہنستے ہوئے) ہاں یہ بات کہی پتہ کی، لیکن سوال یہ ہے کہ اس محنت اور کارگزاری کے بعد، نکال دیے جانے کا اندیشہ کیوں ہے؟"

"اس لیے کہ بہت سے مخالف پیدا ہو گئے ہیں"!"

"کون کون؟ ——— اور مخالفت کی کوئی وجہ بھی تو ہو گی"؟"

"وجہیں ہزاروں پیدا کی جا سکتی ہیں، مس آشا ٹائپسٹ ہیں ہمارے دفتر میں، صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکلی، میں نے اخلاقاً ایک روز سینما چلنے کی دعوت دے دی، ایسا بگڑیں ایسا بگڑیں کہ سارا دفتر سر پہ اٹھا لیا، جیسے میں اتنا پاگل تھا کہ اسے اغوا کرنے والا تھا، ایک دوسری صاحبہ ہمارے دفتر میں ہیں مس گنگولی، لیں ہیں آدمی کی بچی لیکن اپنے آپ کو سمجھتی ہیں پری زاد، ایک روز اتفاقاً نیشنل جنرل اسٹورز میں مڈبھیڑ ہو گئی انھوں نے ایک ادنیٰ موزہ چار روپے کا خریدا، قبل اس کے کہ وہ دام ادا کریں، میں نے پانچ کا نوٹ کاؤنٹر پہ رکھ دیا، موزہ وہیں پھینک یہ جا وہ جا، اور جاتے جاتے ایک خطاب بھی دیتی گئیں، "——— "(بدمعاش) خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا، اگر بازار نہ ہوتا تو ضرور میرا ہاتھ اٹھ جاتا، اس پہ خود غلط صورت پر، ایک تیسری صاحبہ ہیں، مس جمشید جی کاؤس جی، اُفوہ، وہ سج دھج، وہ بناوٹ، چہرۂ زیبا پہ مینا کاری، وہ چال ڈھال میں قیامتوں کا نزول، وہ بات چیت میں اداؤں کی بارش، وہ انداز و اطوار میں چنچل پن کہ بس کچھ نہ پوچھیے، ہمارے باس کی پرائیویٹ سکریٹری ہیں، اور خود اپنے آپ کو مالک سمجھتی ہیں سارے دفتر کا، میں بھلا ایسی اکل کھری کو کیا منہ لگاتا، خود ہی ایک روز کسی دن لیے سگریٹ کا دھواں اڑاتی، بل کھاتی، لچکتی، مسکراتی میری میز کے پاس تشریف لائیں، کھڑی ہو گئیں، اور مسکرانے لگیں، میں نے سوچا یہ خود چلی آئی ہیں تو کچھ نہ کچھ کہنا چاہیے،

ورنہ سمجھتیں کہ یہ شخص بدھو ہے، چنانچہ میں نے یوں ہی بے ساختہ کہدیا مس جمشید جی آپ اس وقت بڑی اچھی لگ رہی ہیں، وہ اور زیادہ مسکرانے لگیں، میں نے گویا اجازت پاکر عرض کیا، آپ کے تبسم میں تو قیامت پنہاں ہے، شاید اتنی فصیح اردو سمجھ نہیں سکیں، پوچھ

"کیا کہتا ہے تم"؟

میں نے ان خوب صورت الفاظ کا مفہوم ایک چھوٹے سے جملہ میں ادا کر دیا،

"آپ کی محبت"!"

ارے صاحب میرے منہ سے یہ الفاظ کیا نکلے یہ معلوم ہوا ایٹم بم پھٹ گیا، کم از کم دو سو تو مہذب اور غیر مہذب قسم کی گالیاں دی ہوں گی حرامزادی نے اور پھر دندناتی ہوئی اپنے باس، یعنی، جنرل منیجر کے کمرہ میں پہنچ گئی، جیسے مجھے پھانسی ہی لگوادے گی جنرل منیجر صاحب تو اس پر لٹو ہیں ہی، فوراً میری طلبی ہوئی، میں گیا، فرمایا،

"تم اختر ہو؟"

میں نے عرض کیا، جی ہاں خاکسار کا ہی نام ہے"؟"

کہنے لگے، تم بدتمیز ہو، بے ہودہ ہو، شرافت سے بے بہرہ ہو، اس قابل نہیں ہو کہ ملازم رکھے جاؤ، تم نے کیا کہا مس جمشید جی سے؟"

بھئی جھوٹ بولنا پڑا، میں نے کہا یہ مجھ سے پچاس روپے قرض مانگ رہی تھیں میں نے انکار کر دیا تو بگڑ گئیں، اور مجھے گالیاں دیتی یہاں آ گئیں، نہ جانے کیا کیا لگائی ہو گی آ کر، میں خود ان کی شکایت کرنے آپ کے پاس آ رہا تھا،!"

میری بات ابھی ختم نہیں ہوتی تھی کہ مس جمشید جی جنرل منیجر صاحب کے نزدیک بلبل کی طرح چہکیں اور میرے نزدیک بھینس کی طرح ڈکرائیں،

"تم جھوٹا ہے، تم جھوٹ بولتا ہے"!"

میں نے بھی ترکی بترکی جواب دیا،

"ہم سچا ہے، ہم سچ بولتا ہے، ہم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور جنرل منیجر صاحب کے سامنے تو بالکل جھوٹ نہیں بول سکتا، ـــــــــــ

یہ سنتے ہی، اس قارون کی بچی نے اپنا پرس کھولا، اور دس دس کے بہت سارے نوٹ ڈھیر کر دیے، میرے خیال میں منیجر ہی نے اس کی مٹھی گرم کی ہو گی، جنرل منیجر صاحب نے نوٹوں کی طرف دیکھا اور مجھ سے پوچھا،

"یہ نوٹ کس کے ہیں، ؟ ـــــــــــ مسٹر اختر، یہ نوٹ کس کے ہیں؟"

ایمان کی پوچھو تو نوٹوں کی یہ گڈی دیکھ کر میں سٹ پٹا گیا، پھر بھی جی کڑا کر کے کہا، مس جمشید سے پوچھیے، وہی بتا سکتی ہیں،

مس جمشید جی نے خوں خوار نظروں سے مجھے گھورا، اور وہ بہت سارے نوٹ سمیٹتے ہوئے کہنے لگیں،

"یہ ہمارا نوٹ ہے، ہم غریب نہیں ہے، فقیر نہیں ہے، ہمارا باپ ہزار (ہزار) روپیہ تنخواہ پاتا ہے، ہم یہاں سے پانچ سو تنخواہ لیتا ہے، تمہاری طرح دو سو روپے پر گھس گھس نہیں کر رہا ہے، تم ہمارا ایمان (توہین) کیا، تم جھوٹا ہے، تم راسکل ہے، ـــــــــــ اوں، اوں، اوں،

اور صاحب، اس عرفوں کی بنی ہوئی عورت نے اوں، اوں، اوں کر کے جو رونا شروع کیا، تو رقت قلب کے باعث قریب تھا میں خود رونے لگوں، کہ جنرل منیجر صاحب نے مجھے خوف ناک نظروں سے گھورا اور کہا،

جاؤ، چلے جاؤ، اپنی سیٹ پر بیٹھو جا کر، ـــــــــــ

میں یا حفیظ کا ورد کرتا آیا، اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا، جنرل منیجر صاحب کی کیبن میری سیٹ کے قریب ہی ہے، کئی منٹ تک کھسر پھسر کی آواز آتی رہی، پھر ٹائپ کی کھٹا کھٹ کی آواز آنے لگی، پھر گھنٹی بجی، اور ذرا دیر میں پیون میرے

پاس "شوکاز" کا نوٹس لے کر آگیا، کہ وجہ بتاؤ تمہیں برخاست کیوں نہ کر دیا جائے میں نے نوٹس پڑھتے ہی فیصلہ کر لیا کہ اب استعفا دے دینا چاہیے، لیکن چونکہ تم سے مشورہ کرنا ضروری تھا اس لیے یہاں آگیا، !"

شہناز کی یہ حالت تھی کہ ہنسی کے مارے بے حال ہوئی جا رہی تھی، لیکن ضبط کیے ہوئے تھے، انجم دل ہی دل میں ہزاروں قہقہے لگا چکا تھا، لیکن وہ بھی بظاہر سنجیدہ بنا ہوا تھا، شہناز نے کہا،

" اختر صاحب آپ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے، !"

اور پھر مسکراتی، اور دل ہی دل میں ہنستی اپنے کمرہ میں چلی گئی، انجم نے پوچھا،

" تو پھر اب تم مجھ سے کیا مشورہ کرنا چاہتے ہو ؟ "

بڑی سادگی سے اختر نے کہا، " بتاؤ استعفا دوں یا نہ دوں ؟ "

" اگر میں کہوں کہ نہ دو، تو کیا کرو گے ؟ "

" تو نہیں دوں گا، !"

اور اگر جنرل منیجر نے برخاست کر کے چوکیدار سے کہا اسے کان پکڑ کر نکال دو تب ؟ "

" تب توہین کا مقدمہ دائر کر دوں گا، عدالت کے کٹہرے میں مس جمشید کی بھی اور جنرل منیجر کے باپ سے وہ ٹیڑھے میڑھے سوالات کر دوں گا کہ اگر ذرا بھی غیرت ہوئی تو وہیں بھری عدالت میں ڈوب مریں گے چلو بھر پانی میں، جی جناب مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا،

انجم نے اور زیادہ سنجیدہ بن کر کہا، " پھر تو تمہارے ہاتھ میں بہت بڑا راز ہے، اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہو تم، نہ جنرل منیجر کچھ کر سکتے ہیں، نہ مس جمشید جی، ———

بڑے یقین اور اطمینان کے ساتھ اختر نے کہا،

"بے شک، وہ خود بھی اپنے کمزور پہلو سے واقف ہیں، ؟" ذرا دیکھوں گا عدالت
عالیہ میں کس طرح مجھ سے آنکھیں چار کرتے ہیں، !"

"ارے بھئی یہ نہ کہو بڑے بے غیرت معلوم ہوتے ہیں، دونوں، کچھ بعید
نہیں اگر پرائیویٹ طور پہ دونوں سول میرج پہلے ہی سے کر چکے ہوں، !"

"کیا کہا سول میرج ؟"

"ہاں ——— اور اگر میرا یہ اندیشہ صحیح ہے، تو پھر تمہاری خیریت
نہیں، !"

"(کچھ سوچتے ہوئے) ہاں یہ تو ہو سکتا ہے، تو بتاؤ پھر کیا کیا جائے ؟"

"مرشد کامل سے صلاح لو، !جو وہ کہیں وہی کرو، !"

"مرشد کامل کون ؟ ——— میں تو آج ہی نام سن
رہا ہوں، ؟!"

"اور اگر مرشد کامل کے بجائے مس کملا کا نام لے دوں تو پھڑک جاؤ گے
تڑپ اٹھو گے، یہیں سجدے کرنے لگو گے، !"

"اماں یار چھوڑو، مس کملا کو، ان سے اس معاملہ میں صلاح کرنا قطعاً مناسب
نہیں ہے، !"

"یہ کیوں جناب، ؟ کس لیے، ان سے صلاح کرنا مناسب نہیں ہے، !"

"پھر یہ ساری روداد جو ابھی تمہیں سنائی ہے انھیں بھی سنانا پڑے
گی، !"

"تو کیا ہوا، ——— سنا دینا، !"

"لیکن عورت بہت جلد غلط رائے قائم کر لیتی ہے یہ اس کی سرشت ہے،

ابھی تم نے دیکھا نہیں ساری رام کہانی سننے کے بعد، تمھاری بیگم صاحبہ کیسی چوٹ کر کے گئی ہیں مجھ پر، اختر صاحب آپ بھی باز نہیں آ سکتے، اپنی حرکتوں سے اگر اس نتیجہ تک مس گسلا پہنچیں تو انجام یہ ہوگا کہ گئے دونوں جہاں سے ہم، نہ ادھر کے رہے، نہ ادھر کے رہے، !"

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا مسلسل ہنسنا شروع کر دیا، ! ۞

(۱۱)

# رات کی محفل

انجم کا تبسم بہت دیر میں اور بڑی مشکل سے رکا، اختر صورتِ تصویر یہ اس کی طرف
...ت سے دیکھتا رہا، پھر بولا،

"اگر تمہاری ہنسی جاری رہتی تو ضرور میں پاگل ہو جاتا، !"

انجم نے اطمینان سے ایک سگریٹ سلگایا، پھر سنجیدہ لہجہ میں بولا،

"کیا تمہیں اپنے پاگل ہونے میں شک ہے کچھ؟ آج جو روداد تم نے سنائی ہے
...ب پاگل کے سوا کسی کی ہو سکتی ہے، خدا کا شکر کرو کہ بچ گئے، ورنہ ایسی پٹائی ہوتی
...گی بھر کے لیے کسی عورت سے بات کرنے، اور عشق کرنے کی قسم کھا لیتے، میں کہتا
...م آدمی ہو یا ——————

دروازے پر دستک ہوئی، انجم نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اختر سے کہا،

"ذرا دیکھنا کون ہے؟ ——————

اختر مچل گیا، "میں نہیں جاتا خود ہی جاؤ، نہ جانے کون ہو، !"

انجم نے اس کی بزدلی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا، "اس حوصلہ پر عشق کرنے چلے
...رت، —————— اس حوصلہ کو دیکھئے اور ان کو دیکھئے، !"

اخترنے بدستور بیٹھے بیٹھے کہا، "دروازہ کھولنے اور عشق میں کیا تعلق ہے؟ دروازہ نہ کھولنے اور بزدلی میں کیا ربط ہے"؟ بہکی بہکی باتیں کیوں کرنے لگے میرے بھائی

اتنے میں پھر دستک کی صدا آئی، انجم نے گھور کر اختر کو دیکھا، اور برہم لہجہ میں کہا،

"نہیں جاؤ گے؟ ——— دیکھئے جاکر کون ہے؟"

"اچھی زبردستی ہے،!" کہتا ہوا اختر دروازہ پر پہنچا، ذرا سا پٹ کھولا، اور اس تیزی سے پیچھے ہٹا جیسے شیر کا سامنا ہو گیا، وہ اپنی کیفیت پر ابھی پورے طور غالب نہیں آپایا تھا کہ کملا سامنے آکر کھڑی ہو گئی، اختر سے مخاطب ہوئے بغیر سیدھی انجم کے پاس آئی، اور جس کرسی پر اختر بیٹھا تھا وہیں بیٹھ گئی، انجم نے تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا،

آہا مس کملا، آپ نے تشریف لائیے، اس وقت کیسے آنا ہوا؟ خیریت تو ہے؟ کچھ پریشان سی نظر آرہی ہیں، ———

کملا نے اپنے سر کے بال ٹھیک کیے، ایک نظر انجم پر ڈالی، اور خاموش ہو گئی، کملا، جو صرف ہنسنا، اور ہنسانا جانتی تھی، جو ہر بات کو، ہر معاملہ کو چٹکیوں میں اڑا دینے کی خوگر تھی، آج سنجیدگی اور متانت کا پیکر بنی ہوئی تھی ذرا دیر خاموش رہی پھر گویا ہوئی،

انجم صاحب! میں آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں'! اور آپ سے زیادہ اپنی عزیز شہناز سے،! ——— آج جو کچھ ہوا اس کا مجھے بہت افسوس ہے"!

انجم پر بھی سنجیدگی طاری ہو گئی، کہنے لگا، آپ کی انسانیت اور شرافت کا میں قائل ہوں، آج وہ نقش اور گہرا ہو گیا، دوسرے کی غلطی پر نادم ہونا، دوسرے کی غلطی کی معافی مانگنا بہت اونچے لوگوں کا کام ہو سکتا ہے، بہر حال میرا جہاں تک

یرے دل میں کسی کے خلاف کوئی کدورت نہیں ہے، اور آپ سے تو کوئی وجہ ہی
ہے شکایت کی، مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ اتنے ناوقت محض اتنی معمولی سی
کے لیے آپ نے زحمت فرمائی،!"

کملا کی سنجیدگی اب تک قائم تھی، جب تک آپ معاف نہ کریں گے مجھے بے کلی
رہے گی، چین نہیں آئے گا،!"

انجم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، اگر آپ کو اصرار ہے تو چلئے معاف کر دیا، میں
—— لیکن یہ کہتے ہوئے میری زبان لکنت کر رہی ہے، آخر آپ سے
کیا ہوئی ہے جو میں معاف کر دوں،؟"

کملا نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا،

"میرے ساتھ اپنے دوست کو بھی معاف کر دیجئے،!"

"کیا انھوں نے آپ کو بھیجا ہے؟"

"جی نہیں میں خود آئی ہوں، —— لیکن اگر میں انھیں ٹھیک طور پر سمجھتی
ں، اور میرا خیال بھی ہے، تو گو انھوں نے زبان سے نہ کہا ہو، لیکن جائز طور پر میں
ی ترجمانی کر رہی ہوں،!"

انجم ہنسنے لگا، "مس کملا آپ واقعی بہت شریف ہیں، ضرورت سے بہت
... آپ کا حکم نہیں ٹال سکتا، چلئے اس دیوانے کو بھی آپ کی خاطر بخش دیا میں
ے،!"

کملا خوش ہو گئی، اس نے جاوید کی صفائی دیتے ہوئے کہا، "انجم صاحب آپ
نہیں کر سکتے وہ کیسی ذہنی اذیت میں مبتلا ہیں، رات رات بھر وہ سوتے نہیں،
دن بھر وہ کھاتے نہیں، اخبار پڑھنا انھوں نے چھوڑ دیا ہے، ریڈیو سننا انھوں
بند کر دیا ہے، سیاسی معاملات و مسائل اور واقعات و حوادث پر یہ ہم لوگ

گھنٹوں اور پہروں باتیں کیا کرتے تھے مگر اب یہ ان کی چڑ ہے ، ہم میں سے کسی کی
نہیں کہ کسی سیاسی مسئلہ پر ان سے بات چیت کر سکے ، بس چپ ، اوما خاموش ، بج
گم صم ، رضیہ ٹک ٹک دیدم ، دم نہ کشیدم ، اگر یہی کیفیت رہی تو مجھے اندیشہ
کہیں وہ بیمار نہ پڑ جائیں کہیں ان کی جان کے لالے نہ پڑ جائیں ، ان کی کسی با
کا برا ماننا ہی نہ چاہیے انجم صاحب ' ! "

" لیکن اس کی یہ کیفیت کیوں ہے ؟ "

" فساد کی ہمہ جہتی سے ، ہر طرف ، ہر طرف کشت و خون ، جہاں دیکھئے خون خرابہ ، بھ
بھائی کا دشمن ہو رہا ہے ، دوست دوست کا گلا کاٹ رہا ہے ، ساتھی ساتھی کی گرد
چھری پھیر رہا ہے ، اگرچہ مکیتسر میں صرف لیگی ہی نہیں ، کانگرسی مسلمان بھی مارے گ
ہیں بلکہ وہاں کا صدر کانگرس بھی ہلاک کر ڈالا گیا جو مسلمان تھا ، بہار میں بھی ایسا ہ
ہوا ، بنگال میں ، بمبئی میں اور دوسری جگہوں پر بھی خون آشام منظر دکھائی دے رہا
ہندو مسلمان کا دشمن ، مسلمان ہندو کی جان کا گاہک ، اختلاف خیال کے معنی قتل عا
کے تو نہیں ہیں ، لیکن اس وقت یہی ہو رہا ہے ، اور اس واقعہ نے ان کے دل و دما
پر بہت برا اثر کیا ہے ، مجھے ، اوما کو ، رضیہ کو ، شبام کو ان کی جان عزیز ہے ، ا
لیے نہیں کہ وہ مسلمان ہونے کے باوجود کانگرسی ہیں ، اس لیے بھی نہیں کہ وہ غیر متز
کانگرسی ہیں ، اس لیے بھی نہیں کہ انھوں نے کانگرس کے لیے بڑی بڑی مصیبتیں
اور تکلیفیں جھیلی ہیں ، صرف اس لیے کہ وہ بہت اچھے آدمی ، بہت بڑے انس
اور نہایت اونچے انسان ، اور نہایت اونچے شخص ہیں ، ہمارا تعلق ان سے اتنا گہر
تو نہیں ہو سکتا جتنا آپ کا ہے ، آپ ان کے دوست ہیں ، اور میرا خیال ہے آپ
ان کے وجود کو ایک قیمتی سرمایہ ملک و قوم کا سمجھتے ہیں ، لہذا ، عالم اضطراب
اگر کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے ان سے ، جو ان کے شایان نہ ہو ، یا آپ کے شان

ی ہو، تو اس سے درگزر کر دینا چاہیے، !"

انجم ایک تاثر اور ایک محویت کے عالم میں کملا کی باتیں سن رہا تھا، اس کا خیال
ے کہاں کہاں کی سیر کر رہا تھا، اس کا ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا، سب کچھ
ی کے بعد وہ بولا،

"اس شخص کی خوش قسمتی میں شک نہیں جسے آپ جیسا وکیل بلبتر آجائے، آپ
اس کی جو کیفیت بیان کی ہے سمجھ میں آتی ہے، بیقین کیجیے میرے دل میں اس کے
ذرا بھی بخار نہیں ہے، ——— لیکن مس کملا، حالات تو بگڑتے ہی چلے جا
ہیں، انہیں دیکھنا بھی ہے ان سے نپٹنا بھی ہے، انہیں جھیلنا بھی ہے، جو شخص
زندگی اختیار کر چکا ہے وہ ان سے دامن نہیں بچا سکتا، جس کو
ن و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟ قومی زندگی اختیار کرنے کے بعد، ہر
کے حالات خواہ وہ کیسے ہی خلاف توقع، تکلیف دہ اور روح فرسا ہوں دوچار
نے کے لیے تیار ہی رہنا چاہیے، !"

کملا نے انجم کی تائید کی، اور گویا ہوئی،

"یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن ان جیسا حساس آدمی اس وقت سخت اعصابی
ی میں مبتلا ہے، بہر حال یہ کیفیت عارضی ہے، درست ہو جائے گی، میرے خیال میں
ں دیرہ دون یا نینی تال یا کسی اور پر فضا مقام پر کچھ دنوں کے لیے چلا جانا
ے، !"

"بڑی مناسب رائے ہے، ضرور ایسا ہونا چاہیے، ——— غالباً
ی ساتھ جائیں گی؟"

"ہاں میں بھی جاؤں گی، اوما بھی جائے گی، رضیہ اور شیام بھی جائیں گے، ہم
ہم اس طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئے ہیں کہ کچھ دنوں کے لیے بھی الگ

رہنے، یا جدا ہونے کا تصور ہی نہیں کر سکتے،" ______ لیکن یہ تو محض ایک ہی اسکیم ہے عمل میں آجاتے جب کی بات ہے،؟"

"عمل میں کیوں نہ آسکے گی؟"

"ان سے کوئی بات منوائی نہیں جا سکتی،!"

"(ہنستے ہوئے) ہاں یہ تو پرانی عادت ہے،!"

"اچھا انجم صاحب شکریہ قبول فرمایئے کہ آپ نے میری بات رکھ لی، جی چاہتا ہے شہناز کے منہ سے بھی سن لوں کہ اس نے ہمیں معاف کر دیا، ______ وہ سو تو نہیں گئی،؟"

"شاید سو گئی ہوں، لیکن آپ جگا بھی سکتی ہیں، جایئے، وہ سامنے انہی کا کمرہ ہے،؟"

کملا شہناز کے کمرہ میں چلی گئی، اور فوراً ہی واپس آئی، کہنے لگی، "بے خبر سو رہی ہے، جگانے کو جی نہیں چاہا، کل آجاؤں گی کسی وقت آپ میری طرف سے عرض معروض بہر حال کر دیجئے گا ______ اچھا آداب عرض،!"

اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور خاموشی سے چلی گئی،!

نہ آتے وقت اختر کی طرف متوجہ ہوئی، نہ جاتے وقت نگاہ غلط انداز سے اس کی طرف دیکھا،

اس بدتمیزی اور گستاخی پر اختر کا منہ سوج گیا، انجم نے یہ کیفیت محسوس کر لی، اور چھیڑتے ہوئے کہا،

"کہیے اختر صاحب مزاج تو اچھا ہے جناب کا؟"

اختر پہلو بدل کر، چہرے پر نفرت کی کیفیت طاری کرتے ہوئے بولا،

"کیوں آئی تھی یہ اس وقت یہاں ؟"

انجم نے مزہ لیتے ہوئے کہا، "کیا کانوں میں انگلیاں ڈالے بیٹھے تھے ؟"

"معافی کس بات کی مانگ رہی تھی ؟"

"خفا ہو گئے تھے ہم ؟"

"کس سے خفا ہو گئے تھے پوری بات کیوں نہیں کہتے ؟"

"کملا سے اور کس سے ؟" ——— چائے کی فرمائش کی ہم نے، دیر ہوئی تو اٹھ کر چلے آئے، !"

"خوب، بہت خوب تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ———"

"معنی جو کچھ ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں، زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ——— !"

"دوسرے کس شخص کا ذکر کر رہی تھی، ؟"

"کون دوسرا شخص ؟ کچھ پتہ تو چلے !"

"وہی جس کی طرف سے الحاح وزاری کے ساتھ معافی مانگی جا رہی تھی، جو اعصابی کھچاؤ میں مبتلا ہے جیسے دیرہ دون، یا نینی تال، یا ٹمبکٹو لے جانے کی اسکیمیں بن رہی ہیں، اور کون ؟"

"وہ ؟ ———"

"ہاں وہی، جس کا نام لیتے ہوئے تمہاری زبان لڑکھڑاتی ہے، ——— !"

"(ہنستے ہوئے) جاوید کا ذکر تھا جو ہم دونوں کا دوست ہے، ؟"

"جاوید ؟ ——— جاوید سے اس کا کیا تعلق ؟ وہ اوما کا عاشق ہے، !"

"(قہقہہ لگاتے ہوئے) تو کیا کوئی دوسرا اس پر قبضہ نہیں کر سکتا ؟ یا ایک آدمی سے دو عورتیں محبت نہیں کر سکتیں ! اگر تم بیک وقت کئی کئی عورتوں سے جھوٹا

عشق لڑا سکتے ہو، تو جاوید سے ایک وقت میں دو یا تین شریف ترین عورتیں کیوں محبت نہیں کر سکتیں ؟"

"لیکن پھر ادما زندہ رہنے دے گی مس کملا صاحبہ کو ؟"

"کیوں نہیں زندہ رہنے دے گی ؟ اگر کملا اس کا رویہ برداشت کر سکتی ہے، تو وہ کملا کا وجود کیوں نہیں برداشت کر سکتی ؟"

"چھوڑو اس فلسفہ کو، ——— یہ غداری ہے، اور میں اسے برداشت نہیں کر سکتا، !"

"غداری کیسی ؟ اور اگر ہے بھی تو تمھارے برداشت یا نہ برداشت کرنے کا سوال کیوں پیدا ہوتا ہے ؟ !"

"کیوں نہیں ہوتا، ——— کیا جاوید میرا دوست نہیں ہے ؟"

"ہاں ہے، ——— پھر ؟"

"میں ادما کو مطلع کروں گا کہ وہ جاوید کی حفاظت کرے، اور کملا کے دام سے بچائے، ورنہ زندگی بھر روئے گی، اور روتے نہیں بن پڑے گی، !"

"اچھا اب آپ لگائی بجھائی، سازش، اور فتنہ انگیزی پر اتر آئے !"

"جی نہیں یہ فتنہ انگیزی نہیں حق دوستی ہے، اور یہ حق، میں ادا کر کے رہوں گا، !"

"پھر پٹو گے بھی، !"

"کون پیٹ سکتا ہے مجھے ؟"

"مس جمشید جی نے تو چھوڑ دیا، لیکن کملا اتنی جوتیاں لگائے گی کہ ایک بال بھی سر پر نہیں رہ جائے گا، !"

"اور میں چپ چاپ مار کھاتا رہوں گا، ؟"

"کیا تم بھی مارو گے؟ کیا تم عورت پر ہاتھ اٹھاؤ گے؟ اتنے بزدل، اتنے نیچ، اتنے گرے ہوئے آدمی ہو، یہ آج معلوم ہوا، لاحول ولا قوۃ تم اس قابل نہیں ہو کہ شریف آدمیوں کی صحبت میں بیٹھ سکو، اٹھو، چلو، بھاگو یہاں سے'، !"

"تو لاؤ پھر ڈیڑھ دو سو روپے نکالو'، !"

"حیرت سے، کچھ واہی ہوئے ہو'؟ ڈیڑھ دو سو روپے کیسے؟"

"یہاں سے جاؤں گا تو کسی ہوٹل ہی میں ٹھہروں گا، اور وہ پیشگی لیے بغیر ٹھہرائے گا نہیں!"

"ہوٹل میں کیوں؟ ——— گھر کیا ہوا؟"

وہاں جانا خلاف مصلحت ہے؟"

"کیا کرایہ چڑھا لیا ہے؟"

"ہاں، اور اب تقاضہ بدتمیزی کے ساتھ ہونے لگا ہے جسے میری خودداری ہرگز برداشت نہیں کر سکتی، نتیجہ یہ ہوگا کہ میں جیل میں اور مالک مکان اسپتال میں نظر آئے گا، اور ضمانت پر ڈیڑھ دو سو سے زیادہ رقم خرچ ہوگی'، !"

"(قہقہہ لگاتے ہوئے) تو آخر تنخواہ کیا کرتے رہے؟"

"کچھ کھاتے رہے، باقی قرض دیتے رہے'، !"

"قرض اور تم دو گے کنجوسوں کے بادشاہ؟"

"بے شک کنجوس ہوں، لیکن جب کوئی دست نازک قرض کے لیے بڑھے تو اسے جھٹک بھی نہیں سکتا، پوری تنخواہ نذر کر سکتا ہوں، اور یہی ہوا بھی'، !"

کمرہ پھر انجم کے قہقہوں سے گونجنے لگا'، ! *

---

(۱۲)

# اقبال

اقبال کا تبادلہ دہلی ہو گیا تھا، کچھ اور ترقی کے ساتھ، لیکن اب وہ کچھ بدل گیا تھا، کم از کم انجم کی حد تک تو بالکل بدل گیا تھا، اسے آئے ہوئے کئی مہینے ہو چکے تھے مگر ایک مرتبہ بھی وہ انجم سے نہیں ملا، نہ تنہا ہبینہ نے شہناز سے ملنے کی کوشش کی، انجم کو، اقبال کے آنے کی اطلاع تھی، یہ بھی معلوم ہوا کہ جاوید کے ہاں اس کی نشست رہتی ہے، اوما اور کملا، شیام اور رضیہ کی محفل میں گھنٹوں بیٹھتا ہے، لیکن بھولے سے بھی اس نے کاشانہ انجم کا رخ نہیں کیا، اس نے بھی پروا نہیں کی، نہیں ملتا ہے نہ ملے،

لیکن ایک مرتبہ عجیب اتفاق پیش آیا، حکومت ہند کے وزیر داخلہ سردار پٹیل نے مقامی اخبار نویسوں کو اپنے غریب خانہ پر، جو حقیقۃً دولت کدہ تھا چلئے کی دعوت دی اقبال چونکہ ہوم ڈپارٹمنٹ میں جوائنٹ سکریٹری تھا لہذا انتظامات میں وہی پیش پیش تھا اس دعوت میں اردو، اور انگریزی تمام معزز اور موقر اخبارات کے ایڈیٹر یا نمائندے موجود تھے، کچھ غیر ملکی نمائندگان جرائد بھی تھے، ہندوستان کے دوسرے اخبارات کے رپورٹر بھی تشریف فرما تھے، اقبال مہمانوں کے استقبال اور خاطر مدارت کے لیے وقف تھا، جاوید آیا تو اس نے بہت زیادہ تپاک اور جوش کے ساتھ ہاتھ ملایا، اور اس صف میں لاکر بٹھا

ں سردار صاحب تشریف فرما ہونے والے تھے، پھر اسٹیٹمین ہندوستان ٹائمز
ل اور ڈان کے نمائندے آئے، انھیں بھی ان کے مرتبہ کے لحاظ سے نشست
ب سے آخر میں انجم آیا،

نجم اور اقبال کی آنکھیں ملیں، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا،!

پھر اقبال نے گرم جوشی کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا، اور گویا ہوا،

انجم صاحب میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ آج آپ سے نیاز حاصل ہو گا،!———
صروفیتیں ایسی ہیں کہ وقت ہی نہیں ملتا، ورنہ بارہا سوچا کہ آپ کے ہاں آؤں، کچھ
وں، کچھ گپیں ہوں، ماضی کا جائزہ لیا جائے، حال پر تبصرہ کیا جائے، مستقبل پر
جائے، یقین کیجیے شاہینہ سے کئی مرتبہ اس بات پر لڑائی ہو چکی ہے، وہ شہناز
جانی سے ملنے کے لیے بار بار اصرار کرتی ہے، میں وعدہ کرتا ہوں، پروگرام
ا لیکن مصروفیت آڑے آجاتی ہے، اور بات پھر کسی دوسرے وقت کے لیے
ے،!———بہرحال جب تک آپ کو دیکھا نہ تھا، دل پر جبر کرتا رہا
ن ناممکن ہے، لہذا پہلی فرصت میں آؤں گا، کہاں رہتے ہیں آپ؟———
ر کے دفتر سے پتہ چل جائے گا، دہلی چیلوں کے کوچہ میں یا اس کے آس پاس
ہوں گے، میں بھی کشمیری گیٹ میں مقیم ہوں———

نجم کی نگاہیں اقبال پر جمی ہوئی تھیں، ———حقارت کی نگاہیں،!

وہ اقبال کی باتیں سن رہا تھا، لیکن بالکل خاموش تھا، وہ کھب جانے والی نظروں
سل اقبال کا جائزہ لے رہا تھا، اسے دیکھے جا رہا تھا، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا،
ا بیچارے پر گھڑوں پانی پڑا جا رہا ہے،!

وہ سر سے پاؤں تک کھدر کے لباس میں ملبوس تھا،!

آخر ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکا، آپ سے پھر قدیم بے تکلفی تم پر اتر آیا، کہنے

لگا،

" مجھے کیا گھور رہے ہو چلو اپنی جگہ پر بیٹھو چل کر، رات کو تمھارے ہاں ہم
بیوی کی دعوت ہے پھر غزیب جی کھول کے باتیں ہوں گی، پھر اطمینان سے تم مجھے گھور
میں تمھارا دیدار کر لوں گا، ——————— آؤ"!

انجم نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا، اقبال نے اسے لاکر پہلی صف میں ایک
کرسی پہ بٹھا دیا، جاوید بالکل مقابل میں بیٹھا تھا، لیکن نہ دونوں کی آنکھیں ملیں،
علیک سلیک نہ باتیں"! ——— دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں اس طرح
بنے بیٹھے رہے، جیسے کوئی کسی کو نہیں جانتا،

ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا"!
ہم سے اور ان سے میل ہی نہ تھا گویا"!

چونکہ ابھی تک سردار صاحب تشریف نہیں لائے تھے، لہذا آپس ہی میں باتوں
کا سلسلہ شروع ہو گیا، لطیفے، قہقہے، چٹکلے، انکشافات، تنقید، تبصرہ، پیشین
گوئیاں نہ جانے کیا کیا"!

سردار صاحب دیر میں آئے، اس لیے مجلس جلد ہی برخاست ہو گئی، انھوں نے
نمائندگان اخبارات سے اپیل کی، ملک کی حالت اس وقت بہت ابتر ہو رہی ہے
حتی الامکان ہندو مسلم فسادات کی خبریں غیر نمایاں طور پر شائع کی جائیں تاکہ سنسنی
نہ پیدا ہو، اور مجروحین اور مقتولین کے اعداد و شمار جب بیان کریں، تو کسی فرقہ کا
نشان دہی نہ کی جائے،

انجم نے کہا، لیکن اخبار کے قارئین اب بڑے سمجھدار ہوتے ہیں، وہ ان اشاروں
سے بھی حقیقت کا سراغ نکال لیں گے، لہذا، کیا یہ مناسب نہ ہوگا، فسادات کی خبریں
شائع کرتے وقت مقام کا نام بھی نہ دیا جایا کرے، صرف اتنا لکھ دیا جایا کرے کہ

...ستان کے ایک شہر میں فرقہ وارانہ فساد ہوگیا، جس میں اتنے آدمی ہلاک، اور اتنے ...ح ہوئے،!"

سردار صاحب اس تجویز کے مالہ و ما علیہ کو اچھی طرح سمجھ نہ سکے، انھوں نے سوال کیا، "اس سے کیا فائدہ ہوگا؟"

"جو آپ کا مقصد ہے،!" انجم نے جواب دیا، "آپ یہ چاہتے ہیں کہ اکثریت کی دراز ...ا چرچا اخباروں میں نہ آنے پائے، لیکن آپ کی احتیاطی تجویز اس مقصد کے حصول ...ین نہیں ہوسکتی، ————

سردار صاحب کے بجائے ایک اخبار کے نمائندے نے پوچھا، وہ اخبار نیشنل کال ...ـ کا نمائندہ شیام تھا،

"کیوں نہیں ہوسکتی؟ اگر ہم فرقہ کا نام نہیں دیں گے، اور خبروں کو زیادہ نمایاں ...ا کریں گے تو مقصد ضرور حاصل ہوجائے گا،!"

انجم نے جواب دیا، ہرگز نہیں ہوگا، خفا ہونے سے پہلے سوچ لیجئے، آپ نے اخبا... ...رٹ میں بالکل غیر نمایاں طور پہ یہ خبر دی کہ پٹنہ میں فرقہ وارانہ فساد ہوگیا، پچاس آدمی ...ر اور ڈیڑھ سو زخمی ہوئے، لیکن جو لوگ یہ خبر پڑھیں گے، سمجھ جائیں گے کہ پٹنہ ...فساد کی ابتداء کون کرسکتا ہے؟ اکثریت کس کی ہے،؟ اقلیت میں کون ہے؟ لہذا ...کس نے ہوگا،؟ اور پٹا کون ہوگا،؟ اس کے بجلے اگر شہر کا نام بھی اڑا دیا ...ے، تو لوگ، سوچتے ہی رہ جائیں گے کہ فساد کہاں ہوا،؟ ظالم کون تھا ...مظلوم کون،؟ ——— !

اس تجویز پر ہر طرف سے اعتراضات کی بھرمار شروع ہوگئی، پھر ...ت اصحاب کی طرف سے کئی نئی تجویزیں پیش ہوئیں، سردار صاحب خاموشی ...سب کی سنتے رہے، آخر میں وہ اٹھے انھوں نے صحافت کی ذمہ داری

پر ایک تقریر کی، اور اپنی تجویز ایک مرتبہ پھر دہرائی، اور تشریف لے گئے،
کانفرنس سے رخصت ہو کر، انجم اخبار کے دفتر پہنچا، وہاں کام میں مصروف
ہو گیا، کوئی آٹھ بجے رات کے قریب گھر پہنچا، تو یہ دیکھکر حیران رہ گیا کہ اقبا
اور شاہینہ پہلے سے آئے بیٹھے ہیں،'! ❖

(۱۴۳)

# وہ آئیں گھر میں ہمارے .. .. .. !

انجم کو حیرت ہوئی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ یا آں شور اشوری، یا ایں بے نمکی، آخر یہ معاملہ کیا ہے کہ اقبال صاحب دہلی تشریف لائے، اور کئی مہینہ کے بعد آج دفعتہً اتنے مہربان ہو گئے، کہ نازل بھی ہو گئے، یا تو ایک عرصہ اس طرح گزار دیا کہ خبر بھی نہ لی، اور یا مائل بہ کرم ہوئے تو دفعتہً موجود،!

تپاک اور گرم جوشی کا اظہار، انجم کی طرف سے ہونا چاہئے تھا، لیکن اقبال نے کچھ ایسے تپاک اور گرم جوشی کا مظاہرہ کیا جیسے مہمان انجم ہے اور میزبان اقبال، اقبال نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا، "میں اگر مجبور تھا آنے سے تو تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

انجم نے مسکراتے ہوئے کہا "میں بھی مجبور تھا،!"

شہناز بول پڑی، ——

"اقبال صاحب، جھوٹ نہ بولئے، ہم کو سب رتی رتی کی خبر ہے، آپ اتنے دنوں سے آئے ہوئے ہیں، ادھر جھانکے بھی نہیں، اور جاوید صاحب کے ہاں ہر روز جمگھٹے رہتے تھے، — سچ کہئے کیسی چوری پکڑی آپ کی؟"

انجم نے کہا، چوری پکڑنے پہ آؤ گی، تو بڑی مشکل پیش آجائے گی، ان کا لباس دیکھ رہی ہو؟"

شہناز ہنس پڑی، کہنے لگی، "ہاں دیکھ رہی ہوں، اقبال صاحب یہ کیا؟ جو شخص اپنی خوش پوشاکی کے اعتبار سے اپنے ساتھیوں میں یگانہ تھا، آج وہ لٹے نوٹے کھدر کے لباس میں؟ اتنا بڑا انقلاب بھی آسکتا ہے دنیا میں؟"

اقبال نے کچھ جھینپتے ہوئے کہا، بھئی بات یہ ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس، ملک میں حکومت کانگرس کی ہے، ہمیں بھی کانگرسی بننا پڑا، !"

شہناز نے بحث کرتے ہوئے کہا، لیکن کانگرس نے یا کانگرسی حکومت نے یہ اعلان تو نہیں کیا ہے کہ سرکاری ملازموں کے لئے کھدر پوش ہونا ضروری ہے!

اقبال نے لاجواب ہوتے ہوئے جواب دیا، ہاں اعلان تو نہیں کیا ہے، لیکن دریا میں رہ کے مگرمچھ سے بیر بھی تو نہیں کیا جا سکتا، !"

وہ بولی، اس ملازمت نے بڑا مصلحت شناس بنا دیا ہے آپ کو، ورنہ پہلے تو آپ ایسے نہ تھے، !——— میں سمجھی ادما کے سیوا سدن میں آپ کی اتنی زیادہ نشست برخاست کا راز بھی سمجھ میں آگیا، وہاں آپ کو جاوید صاحب کی کشش نہیں لے گئی، جاوید صاحب کی کانگریسیت نے کھینچا، ——— سچ کہئے گا یہی بات ہے نا؟"

انجم نے ٹوکا، کیا کرتی ہو شہناز، مجرم سے جرم کا اقرار کرانا پولیس یا سی آئی ڈی کا کام ہے ہمارا نہیں، اور بھئی اپنا مستقبل کسے عزیز نہیں ہوتا، جاوید جیسے مانے ہوئے کانگرسی، ادما جیسی صاحب عظمت قومی کارکن، کملا جیسی ہر جگہ رسائی رکھنے اور قومی ذہنیت رکھنے والی خاتون، شیام جیسا رپورٹر، جو جوائنٹ سکریٹری سے لے کر، وزیر داخلہ تک جب چاہے پہنچ سکتا ہے، رفیقہ جیسی زبردست

انگریسی ورکر، جو خود بھی ہر جگہ عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، اور اس کے
والد تو کانگریسی لیڈروں کے سرتاج بنے ہوئے ہیں، ان لوگوں سے ربط وضبط
حال کے لیے بھی مفید ہے، اور مستقبل کے لیے بھی، ——————

اقبال نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، " حال کے لیے تو کہہ سکتے ہو، لیکن
مستقبل کے لیے نہیں ؛ ! "

انجم نے جواب دیا، اتنے مایوس کیوں ہوتے ہو ؛ ؟ اول تو تم خود اتنے عقلمند
ہو کہ ہرگز تم پر کوئی آنچ نہیں آسکتی، اور اگر خدانخواستہ کبھی آ بھی گئی، تو جاوید
سے لے کر شیام تک ہر شخص تمھاری پشت پناہی کے لیے کمر بستہ نظر آئے
—————— کیا جھوٹ کہہ رہا ہوں، ؟ "

" بھئی یہ تو ٹھیک ہے، —————— لیکن اگر پاکستان بن گیا ؟ "

" وہ تو بنے گا، اور ضرور بنے گا، اور شاید جلد ہی بنے گا، لیکن اس
سے تم کیوں خائف ہو ؟ "

" لاحول ولا قوۃ خائف ہونے کے کیا معنی ؟ میں تو اس دن کا انتظار
کر رہا ہوں کہ پاکستان عالم وجود میں آئے، اور میں یہاں سے نجات حاصل
کر کے وہاں پہنچوں ؛ " ،

" اسی کھدر کے لباس میں ! —————— ؟ "

" جی نہیں، وہاں کھدر کے لباس سے کیا سروکار ؟ "

" تو معاف کیجئے، وہاں آپ کی کوئی گنجائش نہیں، بے ضمیر لوگوں کو پاکستان
نہیں قبول کر سکتا، وہاں ضرورت ہے، مسعود جیسے آئی سی ایس کی جس نے
اپنی ساری ترقیاں، پاکستان پر قربان کر دیں - وہاں ضرورت ہے، غلام احمد
جیسے مرد مجاہد آئی، سی، ایس کی جو اپنے حال، اور مستقبل سے بے پروا ہو کر

علی الاعلان لیگی اور پاکستانی بنا ہوا ہے وہاں ضرورت ہے ہاشم جیسے آئی سی ایس کی، جس کے دم سے دہلی کی امپیریل سکریٹریٹ میں ایک پورا مسلم لیگی بلاک قائم ہو چکا ہے، وہاں ضرورت ہے ظفر جیسے آئی سی ایس کی، جس کی قابلیت، ذہانت، فراست آج نہ جانے کہاں اسے پہنچا چکی ہوتی، لیکن محض اپنے لیگی خیالات کی بنا پر، وہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھینکا جا رہا ہے، وہاں ضرورت ہے، فضل جیسے آئی سی ایس کی، جو وائسرائے ہزو، پٹیل، سب کے سامنے بے جھجک اپنے جذبات لیگی کا اظہار کر سکتا ہے، ان لوگوں کو پاکستان پکار رہا ہے، ان لوگوں کی پاکستان کو ضرورت ہے، یہ لوگ پاکستان میں جا کر چار چاند لگائیں گے، اور ایک قابل رشک ملک بنا دیں گے، ــــ تم وہاں جا کر کیا کرو گے ؟ نا بھائی تمہاری وہاں کھپت نہیں ہو سکتی، !"

"دبے پروائی کے ساتھ) ٹھیک ہے، میں جانتا ہوں، مسعود، ہاشم، ظفر، فضل سب وہاں جائیں گے، اور ہاتھوں ہاتھ لیے جائیں گے، لیکن میں بھی جاؤں گا، وہاں بھی میری ضرورت ہے، !"

"یوں کہو، تمہیں اس کی ضرورت ہے، !"

"یہی سہی، نتیجہ دونوں کا ایک ہے، ؟"

شاہینہ اور شہناز ہنس پڑیں، انجم اور اقبال بھی ہنس دیے، پھر شاہینہ نے ایک ادائے خاص سے انجم کو دیکھتے ہوئے کہا،

"انجم بھائی آخر آپ تو اقبال کو اس طرح روک رہے ہیں، جیسے نئے ملک، اور مسلمانوں کے نئے وطن کے سربراہ مملکت آپ ہی ہوں گے، ؟"

انجم ہنستا ہوا بولا، نہیں بھائی، ہماری قسمت میں تو جو کچھ یہاں لکھا ہے اگر گیا تو وہی وہاں بھی بھگتنا ہے، بھلا آج تک کوئی اخبار نویس بھی صدر مملکت بنا ہے ؟

اقبال نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا، "کیوں نہیں بن سکتا، ؟ اب بنے گا،

یہ روایت انجم قائم کرے گا، !"

انجم ہنسنے لگا، "جی شکریہ، ــــــــ میری روایت تو ایک ہی ہے، بیباک
ات جس طرح تم یہاں مجھے اپنی عدالت سے سزا دینے کے مجاز ہو اسی طرح وہاں
ی مجھے جیل بھیجنے کے اختیارات تمہی کو ہوں گے، !"

اقبال خفا ہو گیا، لاحول ولا قوۃ ایسی باتیں کرو گے تو لڑائی ہو جائے گی؟ ــــــــ
ں تمہیں سزا دوں گا، ؟ میں تمہیں سزا دے سکتا ہوں، ؟ اقبال یہ کرے گا؟ اقبال یہ
سکتا ہے؟ ــــــــ اگر ایسا کوئی دن آیا تو اقبال خود اپنے ہاتھ قلم کر دے گا،
یا قلم توڑ ڈالے گا، استعفا دے دے گا، ملازمت پر لات مار دے گا، !"

شہناز تحسین آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی، شاہینہ نے اعتماد اور یقین
کے لہجہ میں کہا،

بے شک، ــــــــ ایسا ہی ہونا چاہیے، دوست، دوست کے لیے کیا نہیں
سکتا؟ تم کرو گے تو کیا کمال کرو گے، ؟ کرنا ہی چاہیے، ایسا نہیں، !"

شہناز کی نگاہ تحسین اقبال سے شاہینہ کی طرف منتقل ہو گئی، !

---

(۱۴)

# رنگ زمانہ

اقبال اور ثنا بیبنہ ابھی بیٹھے تھے کہ بلائے ناگہاں کی طرح اختر آگیا، اس کی پذیر
جوش و خروش کے ساتھ کی گئی، انجم نے کہا،

"کہیے حضرت، ــــــ استعفا دے دیا آپ نے یا انتظار ہے کچھ؟"

اختر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا،

دے دیا بھئی، مدتیں گزریں زمانہ ہو گیا استعفا دیتے ہوئے، اب تو نیا دا
پانی نیا آشیانہ ہے'!"

اقبال کو اس وقت اختر صاحب کا ٹپک پڑنا بہت ناگوار گزرا تھا، د
ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا اور دعا کر رہا تھا یہ جلد از جلد ٹلے، آج وہ ایک
پروگرام بنا کر آیا تھا، وہ چاہتا تھا، ایک ہی نشست میں انجم سے تجدید تعلقات
محکم اور مستحکم ہو جائے کہ پچھلا زمانہ تازہ ہو جائے،

اب اسے جاوید کی نہیں انجم کی ضرورت تھی'!

وہ آگے چلکر انجم سے بہت کچھ کام لینا چاہتا تھا داشتہ آید بکار ایسے ہی
کے لیے تو کہا گیا ہے، نئے ملک میں نئے سٹ اپ ہیں، نئی دنیا میں نئے آ

ح میں انجم بہت کچھ کر سکتا ہے، ہر نازک موقعہ پر کام آ سکتا ہے، وہاں جاوید
ہیں دے سکتا، اب اس سے راہ و رسم کم کرنے کی اور انجم سے بڑھانے کی ضرورت
س سلسلہ میں قربانی بھی کی جا سکتی ہے، اگر جاوید سے تعلقات منقطع کر کے انجم مل
ے تو یہ بھی سہی آخر انجم کو چھوڑ کر جاوید سے بھی تو پینگ بڑھاتے گئے تھے، وہ
تا انجم کا دل صاف کر دے، اس کے دل میں کوئی غلط فہمی نہ رہنے دے، اسے
لا دے کہ وہ اس کے لیے جاوید جیسے یار قدیم کو بھی چھوڑ سکتا ہے، لیکن
؛ اختر کے سامنے گفتگو کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک ایک کی دس دس لگائے گا
اوید سے، ویسے کوئی پروا تو نہیں اس کی، لیکن جب ابھی فی الحال اس سے باقاعدہ
ابھی ٹھیک نہیں،

وہ اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ اختر نے خود ہی یہ چبھتا ہوا موضوع شروع کر دیا
ے اس نے کہا،

" اماں سنا ہے تمہاری اور جاوید کی ٹھن گئی، ؟ ——— کیا یہ سچ ہے؟"
شہناز نے جل کر مداخلت کرتے ہوئے کہا، " ان کی قسمت ہی میں یہ لکھا ہے،
ستوں کی طرف لپکتے ہیں، وہ ان سے بھڑکتے ہیں، یہ دوستوں پر جان دیتے ہیں،
س زک دینے کے درپے رہتے ہیں، یہ دوستوں کے لیے ہر ایثار کو تیار رہتے
وہ اس جذبہ کا خیر مقدم نہیں کرتے شاید سادہ لوحی سے تعبیر کرتے ہیں، یہ
سب کی ایک ایک پائی دوستوں پر خرچ کر دیتے ہیں، اور دوست ———
—؛ ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا ——— !
انجم نے شہناز کو چھیڑنا شروع کیا، " تم تو نہ جانے کب کی جلی بھنی بیٹھی
آج دل کا غبار نکالنے کا خوب موقعہ تلاش کر لیا، ——— بیگم خلوص
قیمت نہیں ہوتی، وہ اپنی قیمت خود ہے، میں اگر پروگرام بنا کر دوستی کرتا

ہوں کسی سے تو یہ سوداگری ہے اور میں سب کچھ کر سکتا ہوں، سوداگری نہیں کر سکتا
———— !"

نشہناز اور زیادہ جل کر کہنے لگی، "کیا کہنا ہے آپ کا، جاوید صاحب نے جن سے اتنی دوستی تھی، جن کے لیے آپ نے نہ جانے کتنوں سے بگاڑی اپنے گھر سے کھڑے کھڑے نکال دیا، یہ اقبال صاحب، کتنی گہری دوستی تھی ان سے، جیسے ایک جان دو قالب، کیسے کیسے موقعوں پر ان کا ساتھ دیا آپ نے، دہلی آئے ہوئے کئی مہینے ہو چکے ہیں آج جھلک دکھائی ہے، وہ بھی نہیں معلوم کیوں، ؟ کس مصلحت سے، ؟ یہ اختر صاحب، ————

اختر بیچ میں بول پڑا، "بھئی خدا کے لیے میرے بارے میں کچھ نہ کہنا، بہت نالائق ہوں، بڑا بے ہودہ ہوں، جو کچھ غلطیاں کر چکا ہوں اور آئندہ جو کچھ کروں گا، ان کی معافی مانگے لیتا ہوں، سوال تو اقبال بہادر کا تھا، پہلے ان کی خبر لو اچھی طرح سے تمہارے ہاں تو آج یہ ٹپک بھی پڑے، بقول تمہارے معلوم نہیں کیوں اور کس مصلحت سے، مگر میری تو بات ہی کبھی نہیں پوچھی، بتایئے اقبال صاحب، جواب دیجئے نشہناز کے اعتراض کا، !"

اقبال نے بڑی سادگی کے ساتھ کہا

"اچھا، ———— تو گویا معافی مانگنا صرف آپ جانتے ہیں میں اس فن سے بالکل نابلد ہوں، اجی حضرت آپ نے صرف معافی مانگی ہے، میں دست بستہ مانگ سکتا ہوں، !"

یہ کہہ کر واقعی وہ دست بستہ کھڑا ہو گیا، سب لوگ ہنسنے لگے، لیکن شاہینہ جھینپ سی گئی اس نے دامن پکڑ کر اسے بٹھاتے ہوئے کہا،

"اے واہ، ! ————

یہ کہہ کر اسے ملامت بھری نظروں سے دیکھنے لگی، ان نگاہوں کا مطلب یہ تھا کہ تم اتنے بڑے افسر، اتنے بڑے آدمی ہو کر ایسی چھچھوری باتیں کیوں کرتے ہو؟ لیکن اقبال تنا ہیند سے زیادہ مصلحت سنج تھا، اس نے ذرا پروا نہ کی، اسی طرح کھڑا رہا، پھر گویا ہوا:

"جب تک شہناز کے منہ سے معافی کا لفظ نہ سن لوں گا، اسی طرح ایک ٹانگ سے کھڑا رہوں گا، !"

شہناز بھی شرمندہ ہو گئی، "آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں، بیٹھ جایئے زیادہ شرمندہ نہ کیجئے، جایئے معاف کیا، !"

اقبال ہنستا ہوا، مسکراتا ہوا بیٹھ گیا، پھر اختر سے بولا،

"کہئے جناب، کتنے ذلیل ہوئے ہیں آج آپ؟، شاید روحی کے دھتکار دینے کے بعد یہ پہلا روح فرسا واقعہ ہے، جس سے دوچار ہونا پڑا ہوگا، !"

روحی کا نام سنکر اختر جل ہی تو گیا،

"روحی؟ ——— یہ کس چڑیل کا نام ہے؟ !"

انجم نے لقمہ دیا، "اچھا کملا سہی، !"

اقبال نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا، "یہ کملا کا واقعہ کیا ہے بھئی؟"

اختر اور زیادہ تلملا گیا، "ہوگا کچھ تمہیں کیا؟ !"

انجم نے اقبال کے بجائے جواب دیا،

"وہاں ہمیں کیا، تم نئے نئے عشق کرتے رہو، ذلیل ہوتے رہو، پٹتے رہو، ہم تو دیکھتے رہیں گے، کیوں اقبال؟"

اقبال خوش ہو گیا اس التفات خاص سے کہنے لگا،

"اور کیا، ——— اس شخص کا تو پیشہ ہی یہی ہے، ہرجائی کہیں کا، !"

اختر نے سگریٹ کی ڈبیہ جیب سے نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور جلانے کے لیے

اٹھتے ہوئے بولا،

"آپ لوگ شاید مجھے بنانے کا تہیہ کر چکے ہیں مگر میں اس کا موقعہ نہیں دوں گا،

———— آداب عرض ————

یہ کہہ کر دہم دہم سیڑھیاں اترتا وہ چلا گیا اور جب تک سڑک پر نہیں پہنچ گیا، اقبال اور انجم کے مشترک قہقہوں کی آوازیں سامعہ نواز ہوتی رہیں،

اختر کے جانے کے بعد اقبال نے اطمینان کا سانس لیا اور زیادہ ٹانگیں پھیلا کر صوفے پہ بیٹھ گیا، اور بڑے اطمینان سے گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا،

"یار یہ جاوید کا کیا واقعہ ہے؟"

انجم نے بات ٹالتے ہوئے کہا، کچھ بھی نہیں، واقعہ کیا ہوتا؟"

اقبال نے یہ بات مانی نہیں، جھوٹ نہ بولو، شہناز نے کیا کہا تھا ابھی؟"

"وہ تو سن چکے ہو،!"

"تو کیا جھوٹ تھا؟"

"یہ شہناز سے پوچھو،!"

"تم کیوں نہیں بتا دیتے،؟"

"حاصل کیا ان باتوں سے،؟ ———— تکلیف ہوتی ہے جانے دو اس ذکر کو، میرا تو اس شعر پر عمل ہے،

بھول جا، خوش رہ، عبث وہ سابقے مت یاد کر
دردؔ یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا؟،

میں اسے بھولنے کی کوشش کر رہا ہوں،!"

"لیکن یہ بہت برا ہوا، نہایت نالائق حرکت کی جاوید نے، (شہناز سے) ذرا تفصیل تو بتایئے واقعہ ہوا کیا تھا؟"

شہناز نے ساری تفصیل بیان کر دی، اقبال بڑے غور اور توجہ سے یہ داستان سنتا رہا، پھر بولا،

"اتنی ذلیل حرکت؟ —— میں ویسے بھی اس فضا سے متنفر ہو چلا تھا جس میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے، لیکن یہ واقعہ سنکر تو مجھے اس سے شدید نفرت ہو گئی، اب میرا اس سے ملنا جلنا ناممکن ہے'!"

انجم نے ٹوکا، "نہیں اس کی ضرورت نہیں، لڑائی اگر ہے تو میری، تمھیں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟ ——"

اقبال نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا،

"اچھا، تو گویا آپ اور میں دو دو ہیں؟ یہ دوسری بات ہے کہ تم سے برسوں ملاقات نہ ہو، لیکن جو کچھ تم ہو وہ کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے؟ تمھاری توہین میری توہین ہے بلکہ اپنی تو شاید گوارا بھی کر لوں، مگر تمھاری کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتا، خدا کا شکر ہے کہ موقعہ واردات پر میں موجود نہیں تھا، ورنہ معاملہ بڑی نازک صورت اختیار کر جاتا نہ پھر جاوید کی خیریت تھی، نہ دوسرے حاضرین کی'!" اب سوچتا ہوں تو خون کھولنے لگتا ہے، اور غصہ سے بے تاب ہو جاتا ہوں، کہیں سر رہ گزر اگر جاوید سے ملاقات ہو بھی گئی تو ایسا پھٹکار دوں گا حضرت کو کہ یاد کریں گے، بلکہ خود ہی توبہ کر لیں گے مجھ سے ملنے سے،

انجم نے روکا، "نہیں بھئی کہہ تو چکا اتنا آگے جانے کی ضرورت نہیں، جب میں خاموش ہوں، تو تمہیں بھی خاموش ہی رہنا چاہیے، میری رائے تو یہ ہے کہ جاوید کے ہاں جس طرح جاتے تھے جاتے رہو، ملتے رہو، وہ بھی آخر دوست ہے، میرا ذکر کرتے ہوا اس واقعہ کو چھیڑنے کی مطلق ضرورت نہیں ——"

کچھ سوچتے ہوئے اقبال نے کہا، "ہاں جاؤں گا، ضرور جاؤں گا، لیکن اس لیے

کہ اس واقعہ کو چھیڑوں اور اسے بتا دوں کہ اقبال اور انجم دو نہیں ہیں، یا تو وہ نجم
معافی مانگے گا، اسی طرح جیسے یں نے مانگی تھی، ورنہ پھر زندگی بھر کے لیے اس کا
لاحول ولا قوۃ دوستی کا نام ڈبو دیا اس شخص جاوید نے، !"

اس مرتبہ انجم نے ذرا سختی سے کہا، کوئی ضرورت نہیں ہے ان باتوں کی، کہنا
ضد نہ کرو، !"

شاہینہ نے کہا، آخر آپ کیوں منع کرتے ہیں؟ اور اگر منع کرتے ہیں تو ہم
کی تعمیل کیوں کریں؟ ہر شخص اپنے جذبات کے اظہار میں آزاد ہے اگر اقبال کو
کی یہ باتیں بری لگی ہیں تو ان کا جو جی چاہے کہیں سنیں آپ دخل دینے والے کون
کوئی آپکے مشورہ اور صلاح سے تو وہاں نہیں جا رہے ہیں، !"

ابھی انجم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ اقبال نے کہا،

" یہی ایک واقعہ نہیں، ———— حقیقت یہ ہے کہ اب وہ نہ جانے کیا
ہو گیا ہے، کتنا اونچا آدمی تھا جاوید اور اب کتنا پست ہو گیا ہے، !"

انجم نے تیوری چڑھا کر پوچھا،

" پست ہو گیا ہے؟ یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ؟"

اقبال نے بڑے اطمینان سے کش لگایا سگریٹ کا، اور دھوئیں کے چھلّے بنا
ہوا بولا،

" اور نہیں تو کیا، ؟ ———— چلو ادما سے محبت ہے اسے مان لیا
لیکن کیا عشق اور محبت میں آدمی، اپنے دین، مذہب، غیرت ملی، حمیت قومی کو بھی فرا
کر دیتا ہے، !"

انجم نے ذرا سخت لہجہ میں کہا، " کیا بکتے ہو؟ جاوید کچھ ہو، لیکن نہ وہ پست ہو
ہے، نہ دین، مذہب، غیرت ملی، اور حمیت قومی سے بیگانہ ہو سکتا ہے، بیشک

...دونوں کا راستہ جدا ہے، منزل جدا ہے، طرزِ کار جدا ہے، خیالات میں اختلاف ہے، انداز فکر میں اختلاف ہے، یہ بھی درست ہے کہ اب وہ آتش مزاج بھی ہو ...ے، لیکن یہ بات نہیں کی جا سکتی کہ وہ مسلمان نہیں رہا، یا اسلامی جذبہ سے محروم ...ہو گیا ہے، ————

اقبال ہنسنے لگا، پھر بولا،

"یہ لیجئے، حضرت کو بت کی خبر ہی نہیں ہے، ارے جناب
میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھو ہو؟ ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا
اور آپ ہیں کہ اس دغا ناآشنا کے گن گائے جا رہے ہیں،!"

"میرے علم میں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی بنیاد پر تمہاری تائید کر ...ں،!"

"تمہارے علم میں نہ ہو گی، میرے علم میں تو ہے، ———— مجھے یاد سب ...ذرا ذرا ... ... ...

"تو بتاتے کیوں نہیں؟ تاکہ کوئی رائے قائم کی جائے، بلکہ زیادہ صاف اور ...الفاظ میں تمہیں جھٹلایا تو جا سکے"!، اقبال ہنسنے لگا، مجھے تو رشک آ رہا ہے ...پر، اماں اتنا ایمان رکھتے ہو، اس مردِ ناهنجار پر؟ توبہ توبہ، !"

"ہاں بھئی ابھی تک تو یہی کیفیت ہے، ———— لیکن آخر تم اس ...خلاف دلیل کیا رکھتے ہو،؟"

"اب سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے کردار میں بھی اب وہ مضبوطی نہیں ...جو پہلے تھی، وہ بیک وقت اوما اور کملا سے عشق لڑا رہا ہے، اس میں ...اور ...ر میں فرق کیا ہوا؟"

"تمھارا خیال غلط ہے، ——— اسے صرف اوما سے محبت ہے،
اس سے بھی وہ پیشہ ورانہ طور پر عشق لڑانے کا جرم کبھی سرزد نہیں ہوا، اوما خ
بڑی اونچی لڑکی ہے'!"

"اور کملا؟ ——— وہ محض بڑاتے بیت ہے؟"

"کملا شوخ طبع ضرور ہے، لیکن اس میں بھی کوئی خرابی نہیں، میرے دل
اس کی منزلت اور وقعت ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ کردار کی بلندی میں وہ کسی ط
اوما سے کم نہیں، ! بلکہ شاید دو قدم آگے ہی ہے'!"

"سبحان اللہ، ——— اور شیام؟" اور رضیہ؟ کیا تم اسے گوارا کر سک
ہو کہ ایک غیر مسلم ایک مسلمان لڑکی سے عشق کرے؟ ایک غیر مسلم سے ایک مسلما
لڑکی رومان لڑائے؟ کیا یہ جائز ہے؟ بتاؤ، ؟"

"جائز تو قطعاً نہیں ہے لیکن اگر واقعی دونوں عشق کرتے ہیں تو کوئی کیا کر
ہے؟ عشق از یں بسیار کرد ست و کند، ویسے شخصی طور پر، شیام اور رضیہ میں مج
مجھے کوئی برائی نظر نہیں آتی'!"

بڑے بے غیرت ہو، ؟ میرا تو خون کھولنے لگتا ہے ان دونوں کو ایک سات
بیٹھے اور گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ کر، ———!"

وخون ممکن ہے میرا بھی کھول جاتا ہو، لیکن میں نے کہا نا اس آزادی کے زمان
میں کوئی کسی کو عشق کرنے سے روک نہیں سکتا، مذہب بھی نہیں، اور سچ پوچھو تو
پہلے بھی کسی کے روکے عشق کا سیل رواں کب رکا ہے، ؟ شرط یہ ہے کہ عشق صا
ہو، میں نہیں جانتا، یہ لوگ ایک دوسرے سے عشق کرتے ہیں یا نہیں، لیکن اتنا ضرو
کہہ سکتا ہوں کہ اگر کرتے بھی ہیں تو شرافت کے ساتھ، نہ شیام کوئی ایسی بات کر سک
ہے جو شرافت سے گری ہوئی ہو، نہ رضیہ سے کوئی حرکت ایسی سرزد ہو سکتی ہے جو

او معیوب ہو، اور ایسا عشق تمہی کہو، قابل اعتراض ہو سکتا ہے، ——؟"

"میرے نزدیک تو ہے بھئی، !"

"لیکن عشق پر زور کس کا ہے، میرے خیال میں عشق بری چیز نہیں، سب ہی ہیں، ہیں اور تم بھی اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں، اور عشق سے یہ فرمائش نہیں جا سکتی کہ وہ وطن اور قوم کے دائرہ میں محدود رہے، وہ تو وقت کی لامکان، اور لازماں ہے، البتہ عشق کرنے والے اگر شریف ہیں تو ایثار ہیں —— !"

"ایثار کرتے ہیں، ؟ کس قسم کا ایثار ؟"

"مثلاً میرے خیال میں رضیہ شیام سے عشق کرے کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ پنے مذہب پر آنچ نہ آنے دے، شیام رضیہ سے عشق کرے کوئی مضائقہ نہیں ہندو رہے،

"یعنی سول میرج ؟"

"جی نہیں، —— صرف عشق —— !"

"صرف عشق —— اور ؟"

"اور کچھ نہیں، !"

"اس شعر کا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ نہ شادی نہ بیاہ، بالکل ویسا ہی عشق جیسا اوما اور جاوید ں رہا ہے، اس طرح کسی قوم کی غیرت مجروح نہیں ہوتی، ہنگامہ آرائی نہیں رسوائی اور بدنامی نہیں ہوتی اور سچ پوچھو تو، عشق ہے بھی اتنی نازک، لیف چیز کہ وہ ہوس تو بڑی چیز ہے، شادی تک کا متحمل نہیں ہو سکتا، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ —— دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا !"

ورنہ یہ آبگینہ بکھر جائے گا، ٹوٹ جائے گا۔ !

اقبال نے ایک تنومند قہقہہ لگایا، "بھئی ہماری سمجھ میں یہ فلسفہ نہیں آ سکتا، !"

انجم نے ہنستے ہوئے کہا، "یہ مجھے پہلے سے معلوم تھا، جان رہا تھا بھینس کے آگے بین بجا رہا ہوں، !" ❖

(۱۵)

# سانحہ

جاوید اور انجم ایک شہر میں رہتے ہوئے ایک دوسرے سے بہت دور تھے
یس کانفرنسوں میں دونوں شریک ہوتے، اور کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ دونوں آمنے سامنے
تے. لیکن اس طرح جیسے یہ اجنبی ہیں، ان میں کوئی ربط باہم نہیں ہے ——— !'
ایک روز اوما اور جاوید بیٹھے باتیں کر رہے تھے، موسلا دھار بارش ہو رہی
، بجلی چمک رہی تھی، بادل گرج رہے تھے، ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی، چھاجوں
برس رہا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے آج برس کر پھر کبھی نہیں برسے گا، جاوید نے
ازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

" اب چلنا چاہیے، کافی دیر ہو چکی ہے'! "
اوما کہنے لگی، لیکن جائیے گا کس طرح ؟ کیا بھیگتے ہوئے ؟ ———
ک کملا بھی نہیں آئی ہول رہا ہے میرا دل، '!'
جاوید نے سوال کیا، " لیکن وہ رہ کہاں گئی ؟ یہاں سے تو پریس کانفرنس میں گئی
اور وہ کب کی ختم ہو چکی ہو گی، شاید دفتر میں ہو، ؟ "
اوما نے مسکراتے ہوئے کہا آخر آپ کے حواس کہاں غائب رہتے ہیں ؟

ابھی ابھی تو فون کر چکی ہوں، لیکن دفتر والوں نے بھی جواب دیا کہ یہاں سے تو چار بجے رخصت ہو گئی تھیں،!"

"جاوید نے فکر مند لہجہ میں کہا، "پھر تو واقعی تشویش کی بات ہے، شہر کی فضا ویسے ہی مسموم ہو رہی ہے، پھر رات کا وقت، میں جاتا ہوں، ان کی تلاش میں، —————"

جاوید کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ کملا آ گئی، وہی شوخ نظریں، وہی جاں نواز تبسم، اوما نے ذرا بگڑتے ہوئے کہا،

"بڑی سیلانی ہو گئی ہو، کہاں تھیں اتنی دیر تک؟"

وہ اطمینان سے پاس آ کر بیٹھ گئی، اور شکوہ سنج ہوتی ہوئی بولی، خیریت پوچھنے کے بجائے طعنے شروع کرنے کا یہ کون سا موقع تھا اوما دیوی؟"

وہ کہنے لگی، "تو کیا ہو گیا تھا تمہیں؟ اچھی خاصی تو ہو،!"

وہ بولی،" ایک صاحب کو دعا دیجئے کہ صحیح سلامت یہاں تک پہنچ گئی، ورنہ آج نہ جانے کیا حشر ہوتا میرا،!"

اب تو اوما کے چہرے پہ بھی پریشانی کے آثار پیدا ہوئے، "کیا ہوا تھا بتاتی کیوں نہیں؟ —————؟"

وہ کہنے لگی، "پریس کانفرنس سے رخصت ہو کر، میں اپنے دفتر میں جا رہی تھی، راستہ میں رضیہ کا گھر پڑا، میں نے سوچا اس سے بھی ملتی چلوں، وہاں اس نے خاطر داری شروع کر دی، یہ کھاؤ، یہ چکھو، یہ لو، یہ چیز بڑے مزے کی ہے اسے میں نے خود پکایا ہے اپنے ہاتھ سے، ارے واہ اسے نہ کھایا تو کیا کھایا، غرض اس نے خوب ڈٹ کر کھلایا، اور میں نے بھی کوئی تکلف نہیں کیا، —————

" وہ تو میں جانتی ہوں، تکلّف کرنا تم نے سیکھا ہی نہیں ہے، ہاں پھر؟ "

" وہاں سے کوئی ساڑھے آٹھ بجے رخصت ہوئی، رضیہ لاکھ لاکھ اصرار کرتی رہی کہ موٹر پر چلی جاؤ، لیکن مجھ شامت کی ماری نے تکلّف کیا تو اس معاملہ میں ایک نہ سنی اور پاؤں پاؤں چل پڑی، سوچا تھا دس پانچ قدم جانے کے بعد کوئی تانگہ مل جائے گا، وہاں سے جب چلی ہوں تو بادل گھرے ہوئے تھے، اور زیادہ گھر آئے، میں اپنی سوچ میں چلی جا رہی تھی کہ تانگہ نہیں ملتا تو پیادہ سہی، اتنے میں ایک تانگہ پاس سے گزرا، میں نے اسے روکا اور بیٹھ گئی، آمنے سامنے دیکھا تو محسوس کیا راستہ بھٹک کر کہیں اور نکل آئی ہوں، لیکن تانگہ پر بیٹھ چکی تھی، لہٰذا مطمئن تھی، تانگہ والے سے میں نے دفتر چلنے کو کہا، وہ چلا، ذرا دیر میں ایک سنسان سڑک آئی، مجھے کچھ شبہ بھی نہیں ہوا، میں سمجھی اس طرف سے راستہ جاتا ہے، گھوڑا بڑا منہ زور تھا ہوا سے باتیں کر رہا تھا، سنسان راستہ، رات کا وقت، اندھیرا، اتنا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دے، بوندا باندی پہلے سے ہو رہی تھی، اب بارش شروع ہو گئی، نہ جانے کیوں ایک انجانے خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، ایک دہشت سی طاری ہو گئی مجھ پر، میں نے تانگے والے کو ٹوکا،

اس طرح سرپٹ کیوں بھگا رہے ہو، رسان رسان کیوں نہیں چلتے؟ "

اسے ایک قہقہہ لگایا اور کتنا بھیانک تھا وہ قہقہہ کہنے لگا، میم صاحب آپ تو ثروت کی ساری پہنے ہوں گی، ہم ٹھہرے غریب آدمی، نمونیہ ہو گیا تو کیا کریں گے، یہ کہہ کر دو چابک اور مارے، گھوڑا اور تیز ہو گیا، اب مجھ سے کچھ نہ بولا گیا، تن بہ تقدیر خاموش بیٹھی رہی، آخر اس نے ایک مکان کے سامنے لے جا کر تانگہ کھڑا کر دیا، اور روشنی ہو رہی تھی اور قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں، میں نے کہا،

" یہ کس جگہ لے آئے تم ——— ؟ "

وہ ہنستا ہوا اتر آیا، کہنے لگا، "آپ کے لائق جگہ ہے میم صاحب، آیئے، آپ سے
بھی انعام لوں گا، اور صاحب لوگوں سے بھی''!"

میرے تو پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی یہ سنکر، ساری بہادری اور دلاوری رخصت
ہوگئی، تن بدن سے کانپنے لگی، پھر بھی اپنے اوسان جمع کرکے بولی،
"تو نے کیا سمجھا ہے مجھے کچھ ہوش میں ہے؟"

وہ بالکل قریب آکر بولا،
"وہی سمجھا ہے جو آپ ہیں، روز اسی طرح کی میم صاحبوں کی سواری اٹھاتا ہوں
اپنا گزارہ اسی پر ہے ورنہ اتنے پیسے بھی نہیں ملتے کہ گھوڑے کا دانہ خرید سکوں!"

میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا، میں ویسی میم صاحب نہیں ہوں''!"
وہ بالکل پاس آکر کھڑا ہو گیا، اور بولا، بالکل وہی ہو، ——————
اب چلتی ہو، یا لے چلوں؟"

میں نے سوچا اگر انکار کرتی ہوں، تو یہ زبردستی ڈھکیلتا ہوا لے جائے گا، میں
عورت ذات اس سنڈے مسٹنڈے کا کیا مقابلہ کر سکوں گی، اور اگر کچھ مزاحمت
کر بھی لوں تو اندر والے لوگ اس کی مدد کو آجائیں گے۔

بظاہر بے خوف بنکر میں بولی، "خبردار جو قریب آیا، وہیں دور کھڑا رہ،
میں نہیں جاتی تیرے ساتھ، بدمعاش کہیں کا،

لیکن اس پر ان باتوں کا اثر کیا ہوتا، پہلے تو اس نے تانگہ کی گھنٹی کئی مرتبہ
بجائی، پھر میرے پیچھے پیچھے لپکا، اتنے میں سامنے والی کوٹھی سے دو آدمی نکل آئے
انھوں نے تانگہ والے سے پوچھا،
کیا بات ہے''؟

اتنی دیر میں تانگہ والا میرے پاس پہنچ چکا تھا، وہ بالکل میرے سامنے رات

ں کر کھڑا ہو گیا اور بولا،

"یہ تو بھاگی جا رہی ہے صاحب، —— روکوں یا چھوڑ دوں"؟"

اتنے میں ایک آدمی نے قریب آکر ٹارچ کی روشنی مجھ پر ڈالی اور کہنے لگا، نہیں یہ بھاگ نہیں سکتیں، ہم ان کے میزبان ہیں یہ ہمارے مہمان ہیں، پھر مجھ سے بظاہر بڑے اخلاق سے کہا، "آیئے ہمارے ساتھ اندر چلئے، تانگہ والے کو غلط فہمی ہوئی ہے تو آپ جہاں کہیں گی پہنچا دیں گے لیکن بارش کنے دیجئے"!"

میں نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں جواب دیا، میں بھیگتی چلی جاؤں گی، میں آپ کو ں جانتی، اس کوٹھی میں نہیں جا سکتی، مجھے روکنے کی کوشش نہ کیجئے، ورنہ یں ——

پولیس کا نام سنتے ہی وہ دونوں آدمی زور سے ہنس پڑے،

"واقعی آپ بڑی بھولی ہیں، پولیس کیا کرے گی؟ کیا کسی کو پناہ دینا، قابل ت اندازی پولیس جرم ہے؟"

میری آواز بھرا گئی، میں نے تقریباً روتے ہوئے کہا، "ہاں ہے —— ے چھوڑ دو، مجھے جانے دو"!"

ان دونوں میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر میری کلائی پکڑ لی، اور کہنے

"زیادہ غصہ نہ کیجئے، آیئے، بس اب آ جایئے، —— اطمینان سے ں کوٹھی میں ہوں گی، آپ بہت بھیگ گئی ہیں، کہیں نزلہ نہ ہو جائے ——

یہ کہہ کر مجھے گھسیٹنے لگا، اتنے میں ایک کار ہمارے پاس سے گزری، میں

بے ساختہ پکار اٹھی، مدد، مدد،

میری درد بھری آواز کان تک پہنچ گئی، فوراً وہ آہستہ ہوئی، پھر یک
جب وہ بالکل ہمارے قریب آگئی، تو وہ دونوں آدمی کوٹھی کے اندر تیز تیز قد
رکھتے چلے گئے، اور تانگہ والا بجلی کی سی تیزی سے تانگے پر بیٹھا اور اڑن چھو
گیا، کار جب رکی، اور اس میں سے دو آدمی اترے، تو نہ تانگے والا تھا، نہ
دونوں کوٹھی والے آدمی،!

دفعتہً میرے کانوں میں آواز آئی،

"مس کملا، ؟ ارے مس کملا آپ، ؟"

میں نے ساری رام کہانی سنائی، انھوں نے مجھے تسلی دی، اپنے ساتھی
پوچھا، تمہارے پاس پستول ہے؟ اس نے کہا ہے تو، وہ بولے تم ان کی حفا
کرو، میں ذرا ان بدمعاشوں کی خبر لوں میں نے روکا، ان پر لعنت بھیجئے، کیا
ہے ان کی خبر لینے کی، لیکن وہ جا چکے تھے، میں اپنی جگہ کھڑی بید لرزاں
طرح لرزہ رہی تھی، تھوڑی دیر کے بعد وہ آئے کہنے لگے، کوٹھی تو بالکل
پڑی ہے، البتہ شراب کی بوتلیں کچھ بند کچھ کھلی، بعض آدھی، بعض پوری
ہیں،!،

پھر انھوں نے مجھے کار میں اپنے پاس اگلی نشست پر بٹھایا، اور پوچھا
آپ جانتی ہیں یہ کون سا مقام ہے؟

میں نے کہا میں تو نہیں جانتی، عجیب ویران اور سنسان سی جگہ ہے،
کہنے لگے، یہ شام پورہ ہے، بدمعاشوں اور عیاشوں کا مرکز، خدا کا
کیجئے کہ اس نے آپ کو بچا لیا، رضیہ کا گھر تو یہاں سے ۵، ۶ میل ہے ادھر
آگئیں آپ راستہ بھول کر، ؟

ین نے کہا، ین تو نہیں آئی، وہی موا تانگے والا لایا تھا خدا غارت کرے

ے'، !

ہنسنے لگے پھر بولے خوب کوس لیجیے جی بھر کے'، !

ذرا دیر میں ان کا گھر آ گیا، میں انکار کرتی رہی لیکن زبردستی لے کر اندر گئے، بیوی سے میری رام کہانی سنائی، وہ شرافت اور انسانیت کی پتلی دوڑی دوڑی اپنی نئی ساری لاکر دی، لباس بدلوایا، پھر گرما گرم کافی پلائی، اس کے بعد مجھے لیکر بیوا سدن کے دروازے تک پہنچا گئے'، ! ——— کتنے اچھے ی ہیں'، ! ،

یہ ساری داستان سنکر ادما نے کہا، وہ تو کتنے اچھے آدمی ہیں کہ انھوں نے ب کیا، اور یہاں تک پہنچا بھی گئے، لیکن تم کتنی بری ہو کہ انھیں رخصت کر کے ل دفتر ہو گئیں،

" ارے واہ تو پھر کیا کرتی ———؟ "

" یہاں لاتیں، میں ان کا شکریہ ادا کرتی "———

جاوید بول پڑا، میں بھی شکریہ ادا کرتا، واقعی بڑی احسان فراموش ہیں س کملا ! "

( چڑتے ہوئے ) آپ شکریہ ادا کرتے ؟ ——— یا ان بیچارے سے ے بیٹھ جاتے، ؟ نکال دیتے انہیں یہاں سے'، ! "

( نیم برہمی کے ساتھ ) تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے ؟ کچھ پاگل ہوں، جو لڑنے جاتا، نکال دیتا، انسانیت اور شرافت کا یہ ہدیہ دے سکتا ہوں'، ! "

" اچھا تو خفا کیوں ہوتے ہیں، صبح ہو لینے دیجئے، ان کے گھر جا کر شکریہ ا آئیے گا، بلکہ اپنے ساتھ لیتے آئیے گا یہاں، شاید ادما جذبۂ احسان

سے متاثر ہو کر ان کی دعوت بھی کر دیں، !"

اوما بولی، "ہاں ضرور کر دوں گی دعوت، لیکن وہ ہیں کون صاحب، کچھ نام و نشان اور اتہ پتہ بھی تو بتاؤ، !"

کملا بڑی سنجیدگی سے بولی، "انجم صاحب، !" ٭

(۱۶

# ڈانٹ

ادما کا گھر، "سیوا سدن"!"

جاوید صوفے پر نیم دراز ہے، اور سگریٹ کے کش مسلسل لگا رہا ہے، کسی
ر فکر میں غرق ہے، ادما پاس بیٹھی سوئٹر بن رہی ہے، اور کبھی کبھی کن انکھیوں
ے اسے دیکھ لیتی ہے، کملا کے سامنے مقامی روزناموں کا پورا سٹ ہے،
ر وہ انہماک کے ساتھ ان کا مطالعہ کر رہی ہے، دفعتہً کسی نے دروازے
کھڑے ہو کر کہا،

"کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟"

اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر اقبال اندر آ گیا، اور جاوید کے پاس بیٹھ
، ادما کو سوئٹر بنتے دیکھ کر کہنے لگا،

"مس ادما اس فن میں بھی آپ کو دسترس ہے؟"

ادما مسکرانے لگی، "جی ہاں کچھ شدید!"

اقبال نے جاوید کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا، "کیا سو رہے ہو؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، یہ سونے کا کون سا وقت ہے؟ یوں ہی ذرا سا آرام

کہ رہا تھا، !

ادمانے بتایا، "جب سے جاوید صاحب ہسپتال - - - سے آئے ہیں، کمزور چلے آرہے ہیں، !"

اقبال نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا، "کام بھی تو سارے جہان کے اپنے ذمہ لے رکھے ہیں اس مرد خدا نے، !"

ادمانے بے بسی کے ساتھ کہا، "لیکن انہیں سمجھا کون سکتا ہے، ؟"

اقبال نے کچھ اپنا ئیت، کچھ بے تکلفی کے لہجہ میں کہا، آپ بھی نہیں ؟"

وہ افسردہ سے تبسم کے ساتھ گویا ہوئی، "میری تو نہ سننے کی جیسے انھوں نے قسم کھائی ہے، !"

اقبال نے جاوید کا شانہ پکڑ کر بلایا، "سن رہے ہو مس ادما نے کتنا بڑا اور سنگین الزام لگایا ہے تم پر؟ ——— میں کہتا ہوں یہ کیا لغویت ہے ؟"

جاوید سنبھل کر بیٹھ گیا، "جی جناب کیا فرمایا آپ نے ؟"

اقبال نے جواب دیا، مجھے فرمانے کی کیا ضرورت ہے یہ سنو مس ادما کیا فرما رہی ہیں ؟"

جاوید نے اس طرح گویا اس نے ادما کی بات بالکل نہیں سنی پوچھا، "ادما کچھ کہہ رہی تھیں تم ؟ ——— میرے بارے میں ؟"

وہ ایک تبسم جاں فزا کے ساتھ بولی، "نہیں تو، !"

جاوید نے اقبال کو جھڑکا، جھوٹ بولنے اور لگائی بجھائی کرنے کی عادت کب جائے گی تمہاری ؟ اتنی عمر آگئی، لیکن وہی کے وہی ہو، !"

اقبال نے پوچھا، یعنی ؟"

جاوید نے جواب دیا، احمق، !

اوما ہنسنے لگی، "چپ بھی ہوجایئے اقبال صاحب، اس وقت جاوید صاحب لطایات بخش رہے ہیں، !"

اقبال نے کہا، "یہ خود احمق ہے ہمیشہ کا، —————— لیکن مس اوما کیا آپ نے چائے پینا بالکل چھوڑ دی، ؟"

اوما نے جواب میں کہا، "ابھی لائی، !"

اور پھر وہ جھپک کر اٹھی اور چائے بناتے چلی گئی، کملا نے اخبار دیکھتے دیکھتے جاوید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

"آج کا اخبار دیکھ لیا آپ نے ؟"

وہ بولا نہیں، کیوں کوئی خاص خبر ہے ؟"

اوما نے چائے کی پیالی اقبال کی طرف بڑھائی تھی کہ وہ کہنے لگی، "انجم صاحب کے گھر کی پولیس نے تلاشی لی بہت سے کاغذات بھی اپنے ہمراہ لے گئی ہے، رات کو بڑی دیر تک پوچھ گچھ کرتی رہی، پھر چھوڑ دیا، لیکن خیال ہے ان کی گرفتاری جلد عمل میں آجائے گی، —————— یہ بھی اچھی رہی، !"

جاوید نے چپ چاپ خبر سن لی، اوما نے ایک گھونٹ پیتے ہوئے کہا، "پولیس چاہے جتنے کاغذات لے گئی ہو، اور ایک مرتبہ نہیں دس مرتبہ گرفتار کر لے، مگر انجم صاحب ہیں اچھے آدمی، ——————

کملا نبتی ہوئی بولی، "ہوں گے، ہم کیا جانیں، ان کی منزل اور، ہماری منزل جدا، اتنا بہت ہے کہ اس خبر پہ ہم خوش نہیں ہیں، اور اگر وہ گرفتار ہو گئے، تو تھوڑا بہت افسوس بھی ہوگا، !"

اقبال بول پڑا، آپ لوگوں کی اس عالی ظرفی نے تو مجھے اسیر دام کر رکھا ہے، —— ایک طرف آپ کے یہ خیالات ہیں اور دوسری طرف ——————

کملا پوچھ بیٹھی، انجم صاحب ہم لوگوں کو گالیاں دیتے ہیں؟

اقبال نے جواب دیا، آپ لوگوں کو تو نہیں، لیکن جاوید سے بہت اکھڑے ہوئے ہیں، بہت زیادہ، !

ادما نے گفتگو میں حصّہ لیتے ہوئے کہا، جاوید صاحب بھی تو ان سے اکھڑے ہوئے ہیں، حساب کتاب برابر' !،

" لیکن بات کیا ہوئی؟ یا وہ زور شور تھا دوستی کا یا اب نام تک سننے سے بیزار ہیں حضرت انجم! صورت تک دیکھنے کے روادار نہیں، بیزار بھی اور متنفر بھی!'!

" کوئی خاص بات نہیں، کبھی کبھی دوستوں میں کھٹ پٹ ہو ہی جاتی ہے'، ؟"

" (ہنستے ہوئے) دوست؟ وہ اب تک دوست ہے؟ لیکن کس کا؟ ـــــ؟

" ہم سب کے'! جاوید صاحب سمیت ہم سب کے'، !

" دوستی کا یہ فلسفہ بہت ہی ناقابلِ فہم ہے'! "

کملا ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے ادما اور اقبال کی باتیں سن رہی تھی، اب اس نے قفلِ خاموشی توڑا،

" دوستی کا فلسفہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتا، ـــــ

این دولتِ سرمد ہمہ کس را نہ دھند' !،

یہ برجستہ جواب سنکر اقبال کچھ جھینپ سا گیا، کہنے لگا،

" یہ آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں، جس نے اپنی ساری عمر دوستوں میں گزاری ہے' جس نے دوستی پر ہر چیز کو مقدم رکھا ہے، جس نے دوست کے لیے کبھی، اور کسی وقت بڑے سے بڑے ایثار سے بھی دریغ نہیں کیا، جس کی نظر میں دوستی کی قیمت جانِ عزیز سے بھی زیادہ ہے، واہ مس کملا واہ آپ نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، آپ نے جاوید کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا، آپ نے ہم دونوں پر چوٹ کی، ہم دونوں کے

..آپ نے زخم لگایا، ایسا نہ کرنا چاہئے تھا آپ کو، !"

وہ تنک کر بولی، "کیوں نہ کرنا چاہئے تھا؟ کیا اس لئے کہ میرے جواب کی زد ...پڑتی ہے، ؟ جاوید صاحب سے اگر آپ واقعی دوست تھے، اگر سچ مچ آپ ...سے تعلق خاطر تھا، تو اس وقت آپ کہاں تھے جب وہ پولیس کی لاٹھیاں کھا ...ہوئے تھے ؟ جب وہ حکومت کی طرف سے جیل خانہ بھیجے گئے تھے، جب ان ...یشی سامراج کی طرف سے مسلسل حملے ہو رہے تھے، ؟ جاوید صاحب دلی میں ...آپ میرٹھ میں، ان دونوں شہروں میں کچھ ایسا زیادہ فاصلہ نہیں ڈیڑھ دو ...کی مسافت ہے، آپ بارہا دہلی آئے، مگر کبھی جاوید صاحب سے نہیں ملے؟ کبھی ...غمگساری نہیں کی، کبھی ان کی خبر نہیں لی، ہاں جب مرکز میں کانگرس کی وزارت ...ہو گئی، اور جاوید صاحب سے ملنا خطرناک نہ رہا، بلکہ منفعت بخش ہو گیا، تو ...ی کی تجدید کر لی گئی، آج اگر لیگ کی حکومت قائم ہو جائے، اور جاوید صاحب ...بھیج دیے جائیں، تو آپ پوچھیں گے بھی نہیں، !"

ادما نے ٹوکا، "کملا کیوں بولے جا رہی ہو، ؟ ہر معاملہ میں الجھ پڑنے کی عادت ...بری ہے، !"

وہ بگڑتی ہوئی بولی، "ہوا کرے، ہماری تو ہے، ــــــــــــ تم یہ ...کچھ نہیں کہتیں اقبال صاحب کو، مجھ پر برس رہی ہو، کیوں، اقبال صاحب، ...انجم صاحب آپ کے دوست نہیں ہیں؟ میں جانتی ہوں ہیں، لیکن کیا حق دوستی ...ہے کہ دو دوستوں میں لڑائی کرائی جائے؟ اگر جاوید صاحب اور انجم صاحب ...کو ان بن تھی، تو آپ کو چاہئے تھا دونوں میں زبردستی ملاپ کرا دیتے، نہ یہ کہ ...لگائی بجھائی کر کے دونوں کے درمیان جو خلیج پیدا ہو چکی ہے اسے اور وسیع کر دیجے ...؟ ــــــــــــ یہی دوستی ہے؟"

اقبال نے جل کر کہا، "معاف کیجئے گا مجھے نہیں معلوم تھا انجم کی آپ اتنی لیڈ
ہیں، ورنہ شاید میں خاموش رہتا، آپ سے تو یہ بھی بعید نہیں معلوم ہوتا کہ کبھی
ملاقات ہو جائے، تو میری ساری گفتگو دہرا دیں اس کے سامنے، !"

وہ بولی، ہاں واقعی مجھ سے یہ بعید نہیں ہے بلکہ توقع اسی کی رکھئے، آپ میں
اتنی اخلاقی جراءت ہونی چاہئے کہ جو بات کسی کے پیٹھ پیچھے کہہ سکتے ہیں، وہ اس
کے سامنے بھی کہہ سکیں، !"

اکتائے ہوئے لہجہ میں وہ کہنے لگا، جی معاف کیجئے، مجھے دنیا میں اور بھی
بہت سے کام ہیں، حق گوئی کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے میں نے ؟"

ایک زہر خند کے ساتھ وہ گویا ہوئی، "صرف آمنے سامنے، ورنہ پیٹھ پیچھے
تو اتنی دیر سے حق گوئی ہی کر رہے ہیں آپ، ؟"

اقبال نے طنز کا تیر پھینکتے ہوئے کہا، "مس کملا آخر آپ انجم کی اتنی طرفدار
کیوں ہیں ؟ میں اس کا لنگوٹیا یار ہوں، لیکن اس سے خوش نہیں ہوں، جاوید اس
کا بہت پرانا یار غار ہے، وہ اس سے خفا ہے، آپ کی صاحب سلامت کو ابھی دن
ہی کتنے ہوئے ہیں لیکن جس جوش و خروش سے اس کی طرفداری میں آپ تقریر کر رہی
ہیں اس پر مجھے حیرت ہے، شدید حیرت ہے، !!"

وہ ذرا بھی جھجکے بغیر بولی، "آپ کو حق ہے میری اس پشت پناہی، اور جانبداری
کا جو مطلب چاہیں لیں، اور اس سلسلہ میں میرے سامنے یا میرے پیچھے جتنا چاہیں حق
گوئی کا مظاہرہ کر لیں، میں آپ کو منع نہیں کرتی، روکتی نہیں، اگر کوئی شخص میری
نظر میں اچھا ہے، تو کیا آپ کی حق گوئی کے ڈر سے زبان بند رکھوں ؟ ——
کم از کم میں ان لوگوں میں نہیں ہوں، !"

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ ان لوگوں میں نہیں ہیں، اقبال نے کہا، "لیکن

نے کیا خطا کی ہے کہ مردود بارگاہ قرار دیدیا گیا ہوں؟ کیا میرا خلوص اس لئے ہے
کرادیا جائے؟"

"خلوص؟ کملا نے چڑتے ہوئے کہا، "کیا آپ کے پاس یہ پونجی بھی ہے؟"

"آخر آپ مجھے سمجھی کیا ہیں؟" اقبال نے برہم ہوکر سوال کیا، "کیا آپ کے
راز ہے تک منافقت مجھے کھینچ کر لائی ہے؟ ــــــــ صرف جاوید کی
ش ہے جو یہاں آجاتا ہوں!"

"کشش!" کملا نے ہنستے ہوئے اور چڑاتے ہوئے کہا، "لیکن یہ کشش اس
ن سے کیوں پیدا ہوئی ہے، جب سے کانگرس برسر حکومت آئی ہے، اس
سے پہلے کہاں سو رہی تھی؟"

"اتنے جارحانہ انداز میں آپ میری نیت پر حملہ کریں گی" اقبال نے کہا، "اس
یہ وہم و گمان بھی نہیں تھا آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ ہم دونوں آج سے نہیں
مدت دراز سے دوست چلے آرہے ہیں!"

"جانتی ہوں!" کملا بولی، "جاوید صاحب کسی کے دشمن نہیں ہیں!"

"میں دوستی کا ذکر کر رہا ہوں مس کملا، اقبال نے کہا، آپ غلط بحث کیوں
رہی ہیں؟"

کملا نے کوئی جواب نہیں دیا ہنسنے لگی،

اتنے میں شیام آگیا، جاوید نے اس ساری گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا،
شیام کو دیکھ کر اس کے لب ہلے،

"آؤ شیام، ــــــــ کہو کوئی نئی خبر؟"

شیام نے ہنستے ہوئے، اور مسکراتے ہوئے بتایا "جی ہاں تازہ تازہ نو بہ نو
بہت دلچسپ خبر لے کر آیا ہوں!"

جاوید، ادما، کملا، اقبال سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے،

شیام نے کہا، انجم صاحب گرفتار کر لیے گئے،! "

یہ سن کر سناٹا سا چھا گیا سب پر، کملا کا تو چہرہ اتر گیا، اقبال نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا،

" شیام صاحب، یہ خبر نئی نہیں ہے ——— کم از کم میرے لیے نئی نہیں ہے،! "

شیام نے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک اقبال کو دیکھا، پھر بولا، آپ تو محکمہ میں ہیں، یقیناً آپ کو خبر ہو گی، بلکہ کیا عجب آپ ہی نے زبانی یا تحریری طور پر پولیس کو ہدایت کی ہو، کیونکہ آپ کا اس محکمہ سے تعلق ہے،؟ "

اقبال نے بے پروائی کے ساتھ کہا، " بدقسمتی سے واقعہ یہی ہے جو آپ نے بیان کیا ——— کیا کریں صاحب، حکم حاکم مرگ مفاجات، ورنہ سچ تو یہ ہے کہ انجم کی گرفتاری سے مجھے خوشی نہیں ہوئی، بہر حال اپنا دوست ہے،! "

کملا خاموش نہ رہ سکی، " کیوں اقبال صاحب اگر کہیں، یہی حکم آپ کو جاوید صاحب کے لیے ملا ہوتا، تو بھی شاید بادل نخواستہ آپ کو تعمیل کرتے ہی بنتی، نہیں اقبال صاحب یوں نہ کہیئے کہ حکم حاکم مرگ مفاجات بلکہ یہ کہیے کہ پیٹ بری بلا ہے

اقبال تلملا گیا، مس کملا آپ میری توہین کر رہی ہیں،! "

جاوید نے کہا، " تم ہی کیوں نہیں چپ رہتے،؟ کیوں ہر اعتراض کا جواب دینے پر تلے بیٹھے ہو،؟ "

اقبال خاموش ہو گیا، اور تھوڑی دیر کے بعد چلا گیا، اس کے جانے کے بعد جاوید نے کملا سے کہا،

" تمہاری آج کی باتوں سے طبیعت خوش ہو گئی،! " ٭

(۱۷)

# ایوان عدالت

انجم کی گرفتاری اس الزام میں ہوئی تھی کہ اس نے مسلسل ایسے مقالات لکھے جنھوں نے ملک کی فضا کو اور زیادہ تلخ اور مکدّر بنادیا، اس نے "ملک معظم" کی حکومت کے دو فرقوں کے مابین منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی، اس نے حکومت پر، قانون و آئین کے حدود سے تجاوز کرکے نکتہ چینی کی، اور فرقہ وارانہ ذہنیت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کی سعی کی، اس طرح ملک کے امن وامان کو درہم برہم کرنے میں اس نے حصّہ لیا،!

عدالت میں جس روز مقدمہ پیش ہوا تو بہت بڑا مجمع کارروائی دیکھنے کے لیے موجود تھا، اس میں جاوید، ادما، رضیہ، کملا اور شیام بھی شامل تھے،!

وکیل سرکار نے الزامات سنانے کے بعد عدالت سے مطالبہ کیا کہ ملزم کو سخت سے سخت سزادی جائے تاکہ دوسرے سبق حاصل کریں،

انجم نے اس موقعہ پر ایک مفصّل بیان پیش کیا، اس نے کہا، مجھ پر نہایت مکروہ الزامات لگائے گئے ہیں، میں انہیں تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں، مجھ پر ہندو مسلم منافرت کا الزام بھی لگایا گیا ہے، حالانکہ میں ہندوؤں سے نفرت نہیں

کرتا، بہت سے ہندو میرے دوست ہیں، کئی ہندو ایسے ہیں، جو اپنے کردار و سیرت کے لحاظ سے میرے لیے مثال اور دلیل راہ ہیں، ہندو قوم کی عظمت سے میرا دل معمور ہے یہ قوم اگر رواداری نہ ہوتی، تو آج اس دیس میں کوئی غیر ہندو موجود نہ ہوتا، اس ملک پر ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے حکومت کی، یہ مٹھی بھر مسلمان تھے، ان کی فوج و سپاہ بھی محدود اور مختصر تھی، ان کے وسائل و ذرائع کا سرچشمہ یہی سرزمین تھی، اس ملک کے کروڑہا کروڑ ہندو، اگر چاہتے تو ان مٹھی بھر مسلمانوں کو ان کی محدود و مختصر فوج سپاہ کو ملیا میٹ کر دیتے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مسلمانوں سے محبت کرتے تھے، ان کے نظام حکومت سے مطمئن تھے، اور یہی وجہ تھی کہ ان کے پسینہ پر خون بہانے کو تیار رہتے تھے، جو ہندو قوم اتنی روادار ہو اس سے نفرت کرنا انسانیت سے بعید ہے، میں ہرگز ہندو قوم سے نفرت نہیں کرتا، ہندو قوم میں آج بھی کوئی نقص نہیں ہے، اس کے عوام، نیک دل اور سادہ مزاج ہیں، نہ متعصب ہیں نہ تنگ دل، لیکن اس قوم کی قیادت، متعصب بھی ہے اور تنگ دل بھی ناروادار بھی، اور خود مطلب بھی، اگر یہ بھی اپنے عوام کی طرح ہوتی، تو آج نہ تقسیم ملک کا سوال پیدا ہوتا، نہ ایک نیا ملک بنانے کا، میں اس ناروادار قیادت سے بیزار ہوں جو جمہوریت کا نام لے کر، اکثریت کے بل پر حکومت کرنا چاہتی ہے جو عوام کی غلط قیادت کر کے انہیں مشتعل کراتی، اور ہندو مسلم فسادات برپا کراتی ہے، میں اس جماعت کے خلاف برسرپیکار ہوں، میں، میں اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں، کیا آزادی کا مطالبہ جرم ہے؟ کیا حق خود ارادیت کا مطالبہ، منافرت کا موجب ہے؟ اگر یہ بات ہے تو پھر سارا ملک آزادی کے نعروں سے کیوں گونج رہا ہے! کیا ایک قوم کو آزادی طلب کرنے کا حق ہے۔ تو دوسری قوم کو آزادی طلب کرنے کا حق کیوں نہیں ہے؟

ں اسی حق کو لے کر اٹھا ہوں، یہ پرچم میرے ہاتھ میں اس وقت تک رہے گا جب
ک میرا ہاتھ کاٹ نہیں ڈالا جاتا، ـــــــــ۔

انجم یہ بیان دے رہا تھا، اور حاضرین پر سناٹا چھایا ہوا تھا، وکیل سرکار
نے کئی مرتبہ مداخلت کی کوشش کی، لیکن انجم کی برجستہ جوابی نے اسے خاموش
ہو جانے پر مجبور کر دیا، اس کے چہرے پر نہ ہراس تھا، نہ دہشت، وہ نہایت
اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ عدالت کی کارروائی میں حصہ لے رہا تھا، بلکہ
کبھی کبھی کوئی ایسی پرلطف چوٹ بھی کر جاتا وکیل سرکار پر، اور ان کی قابلیت پر
حاضرین بے ساختہ ہنس پڑتے،

بیان ختم ہونے کے بعد لنچ کے لیے عدالت برخاست ہو گئی،

اس موقعہ پر کملا اور اوما نے انجم سے ملاقات کی، ذرا دیر کے بعد رضیہ بھی
ں"!

انجم نے مسکراتے ہوئے کملا اور اوما سے کہا،

"آپ بھی تماشہ دیکھنے آگئیں؟"

رضیہ کہنے لگی، انجم صاحب معافی مانگ لیجیے،

رضیہ نے یہ بات ہنسی سے کہی تھی، لیکن انجم کا چہرہ تمتما اٹھا، اس نے کہا،
معافی مانگ لوں؟ ـــــــ لوگ غلط راستے پر چلکر تکلیفیں اٹھا سکتے ہیں
سیدھے راستہ پر چل کر مصائب نہ برداشت کروں؟"

اس طنز کو بیچاری رضیہ سمجھ نہ سکی، اس نے کہا،
کیا اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو غلط راستے پر چلکر تکلیفیں اٹھا سکتے
ں ـــــــ؟"

انجم نے فوراً جواب دیا، "بہت سے ہیں، ـــــــ اور ان میں

آپ بھی ہیں ؟"

کملا نے شکایت کی، انجم صاحب یہ نہ کہیے، اتنا بڑا ظلم تو نہ کیجیے، بھلا کوئی ناحق کیسے بھی تکلیفیں اٹھا سکتا ہے؟"

انجم نے جواب میں کہا، تو مس رضیہ سے کہیے اپنے الفاظ واپس لیں'!"

کملا ہنس پڑی، آپ کی زندہ دلی تو کچھ اور زیادہ کھل اٹھی ہے ؟" پھر تو دعا کرنی پڑے گی کہ سزا ہو جائے آپ کو، تاکہ اور زیادہ مزے مزے کی باتیں سننے میں آئیں،'!

انجم نے کہا آپ دعا کیجیے، میں آمین کہوں گا،——!

رضیہ گفتگو کا موضوع بدلنے کے خیال سے ادھر ادھر دیکھ کر پھر گویا ہوئی، "جاوید صاحب کہاں رہ گئے کملا بہن، ؟———— وہ بھی تو آئے تھے،!"

انجم کہنے لگا، " وہ مجسٹریٹ کو مشورہ دینے گئے ہوں گے کہ یہ پاپی بچنے نہ پائے، اسے لمبی سے لمبی سزا دی جائے'!"

کملا بول پڑی، نہیں انجم صاحب، اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی،!

اوما نے بھی کملا کی تائید کی،" بھلا ایسا ہو سکتا ہے، ؟———

کیا واقعی آپ کی رائے جاوید کے بارے میں یہی ہے ؟"

انجم دفعتہً سنجیدہ بن گیا، اس نے کہا، "میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا، میرے اور اس کے درمیان دشمنی ہو جائے تو بھی وہ کوئی رکیک حرکت نہیں کر سکتا، میں نے تو اس لیے یہ بات کہی تھی کہ دیکھوں آپ کیا فرماتی ہیں ؟

لنچ کے بعد پھر عدالت کا اجلاس شروع ہوا، وکیل سرکار نے جرح شروع کی اس نے کہا،

"مسٹر انجم جہاد کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے؟"

انجم نے جواب دیا، اس سوال کا جواب "مفادِ عامہ" کے خلاف ہے'!'

اس جواب نے بہت سے چہروں کو تبسم پر مجبور کر دیا، اگر عدالت کا احترام مانع ہوتا تو شاید قہقہے لگنے لگتے،

وکیل سرکار نے اس سوال کو دوسرے انداز میں دوہرایا،

"کیا جہاد آپ کے نزدیک فرض نہیں ہے؟"

انجم نے کہا، اس سوال کا مجھ سے بہتر جواب مولانا حسین احمد صاحب دے سکتے ہیں،'!"

اس جواب پر مجسٹریٹ بھی مسکرانے لگا، وکیل سرکار نے جھنجھلا کر دریافت کیا،

"آپ کیسے مسلمان ہیں کہ مذہبی فرائض تک سے ناواقف ہیں،'!"

انجم نے سادگی اور سنجیدگی کے ساتھ کہا، اپنے اسلام کے بارے میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں،'! اور کم از کم آپ کو تو یہ سوال مجھ سے ہرگز نہ کرنا چاہیے اگر آپ کے نزدیک مذہب ایک انسان کا نجی معاملہ ہے، عدالت کو میرے نجی معاملات سے کیا سروکار،'!"

وکیل سرکار نے بپھر کر کہا، آپ اپنی قوم کو مشتعل کر رہے ہیں، آپ ملک میں بدامنی پیدا کر رہے ہیں، جو مقالات آپ لکھتے ہیں وہ حد درجہ جارحانہ ہوتے ہیں،'!"

انجم نے بڑے ٹھنڈے لہجہ میں کہا، "ہر شخص اپنی قوم کو ظلم، سامراج، اور دھاندلی کے خلاف آمادۂ عمل کرنے کا حق رکھتا ہے، آپ کے نزدیک اگر یہ اشتعال انگیزی ہے تو مجھے اپنے جرم کا اعتراف ہے، یہ جرم مجھ سے بار بار سرزد ہوتا ہے آپ کا یہ الزام کہ ملک میں بدامنی میری وجہ سے پیدا ہو رہی ہے، دلچسپ تو ضرور ہے لیکن اسے حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں، کوئی اقلیت بدامنی پیدا کرتے کبھی

جراءت نہیں کر سکتی، آپ کو شکایت ہے کہ میرے مقالات بہت زیادہ جارحانہ ہوتے ہوتے ہیں، وہ کتنے ہی زیادہ جارحانہ ہوں، لیکن میرا دعویٰ ہے وہ حدود قانون کے اندر ہیں،'!"

آپ نے گڑھ مکتیشر، بہار، کلکتہ، اور بنگال کے فسادات پر زہر میں بجھے ہوئے مضامین لکھے ہیں،'!"

"کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں سفید کو سفید، اور سیاہ کو سیاہ نہ کہوں؛ میں یہ مطالبہ ماننے سے انکار کرتا ہوں،'!"

"آپ نے ایک فرقہ کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم لکھا ہے،'!"

"میں نے مظلوم کو مظلوم اور ظالم کو ظالم لکھا ہے، اور یہ کسی قانون کی رو سے جرم نہیں ہے،'!"

"آپ نے فسادات کے مقتولین و مجروحین کی قومیت بھی بے دھڑک اپنے اخبار میں ظاہر کر دی ہے، اخبارات کے "کنونشن" میں یہ طے ہو چکا تھا کہ ایسا نہیں کیا جائے گا،'!"

"میں ایسے کسی کنونشن کا پابند نہیں ہوں، جو سچ کو چھپانے کی ترغیب دیتا ہو،'!"

پھر ان جوابات نے اگرچہ وکیل سرکار کو زچ کر دیا، لیکن وہ بہت زیادہ مشتعل ہو گیا، اس نے عدالت کو مخاطب کر کے ایک زور دار تقریر کی، اور مطالبہ کیا کہ مجرم کو سخت سے سخت سزا دی جائے،

دو روز تک عدالت کی کارروائی جاری رہی، اس اثناء میں انجم بدستور زیر حراست رہا، تیسرے روز مجسٹریٹ نے فیصلہ سنا دیا، اور ڈیڑھ سال کی قید بامشقت کی سزا دے دی، سب سے پہلے شہناز لپک کر اس سے ملی، اس نے کہا، میرے بارے

م کچھ فکر نہ کرنا، میں بڑی اچھی طرح گزر کر لوں گی،!"
انجم نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور بولا، "مجھے تم سے یہی امید
ی،

پھر بہت سے ساتھیوں، دوستوں، اور پارٹی کے لوگوں نے اسے گھیر لیا، کوئی
رکباد دے رہا تھا، کوئی ہمدردی کر رہا تھا، وہ سب کا شکریہ ادا کر رہا تھا، اتنے
پولیس کے جلو میں وہ جیل کی لاری کے پاس پہنچ گیا، نہایت اطمینان سے اپنی
پر بیٹھا پھر اندر سے دروازے بند کر لیے گئے، اور لاری جیل کی طرف روانہ ہو گئی،
شہناز گھر جانے کے لیے عدالت کے ایوان سے باہر نکلی تھی کہ ادما اور کملا
رضیہ آ گئیں، کملا نے کہا تم نے جس طرح انجم صاحب کو رخصت کیا اس سے بڑی
شی ہوئی مجھے ایک قومی کارکن کی بیوی کا دل ایسا ہی مضبوط ہونا چاہیے، ادما
، شہناز بہن ہمیں غیر نہ سمجھنا ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں،!،
شہناز نے مشکور نظروں سے ان دونوں کو دیکھا، اور کہنے لگی، ——
دوستوں کو میں غیر سمجھتی کب ہوں، کہیں اپنے بھی غیر ہوتے ہیں،!؟"۔

(۱۷)

## جلسہ دعوت

انجم کی گرفتاری اور سزایابی بڑی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی، ایک تہلکہ سا مچ گیا، جو لوگ علی الاعلان اکثریت کے عوام کو تشدد پر اکسا رہے تھے، جو منافرت کی خلیج کو زیادہ سے زیادہ وسیع کر رہے تھے، جو کشت و خون کی دعوت دے رہے جو رزم پیکار کی تیاریاں کر رہے تھے وہ بچے ہوئے تھے، ان پر کوئی قدغن نہیں تھی، پابندی نہیں تھی، وہ ہر گرفت سے آزاد تھے، ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہ تھا، لیکن انجم جس نے کبھی تشدد کی تلقین نہیں کی، جس نے کبھی اکثریت کے عوام کے خلاف منافرت انگیزی نہیں کی، جس نے ہمیشہ صلح و سلام کی دعوت دی البتہ اپنی قوم کی آزادی، خود مختاری، اور حق خود ارادیت کے لیے آئینی حدود میں رہ کر بیباک گوئی سے گریز بھی نہیں کیا، گرفتار کر لیا گیا، اسے سزا دے دی گئی، وہ جیل بھیج دیا گیا۔ ظاہر ہے یہ ملک آسانی سے برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا، اور نہیں کیا گیا، !

فوراً ایک ڈیفنس کمیٹی کی تشکیل کی گئی، اس مجلس کے ایک وفد نے وزیر داخلہ سے ملاقات کی، اور ان پر زور دیا کہ وہ انجم کو رہا کر دیں، لیکن انھوں نے صاف جواب

جواب دیدیا، فرمایا بھلا جس شخص کو عدالت مجرم قرار دے کر سزا دے چکی ہو، میں اسے کس طرح رہا کر سکتا ہوں، یہ تو قانون کی بے حرمتی ہوگی،

وزیر داخلہ سے مایوس ہونے کے بعد، کمیٹی نے اپیل کا انتظام کیا، اور ایک قابل بیرسٹر کو پیروی پر مقرر کیا، عدالت اپیل میں کئی روز تک مقدمہ چلا، اور بالآخر اسے تمام الزامات سے بری کرکے رہائی کا حکم صادر کر دیا گیا، !

جس طرح انجم کی گرفتاری ایک ہنگامہ خیز سانحہ ثابت ہوئی، اسی طرح اس کی رہائی بھی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی، محلے محلے میں جلسے ہوئے، تہنیت اور مبارکباد کے اجتماعات منعقد کیے گئے، مبارک سلامت کے شور سے سارا شہر گونج اٹھا،

رضیہ نے اپنے گھر پر ایک دعوت کا اہتمام کیا، انجم لاکھ لاکھ انکار کرتا رہا، مگر اس نے ایک نہ سنی، انجم کے افکار و خیالات سے اسے اب بھی اختلاف تھا لیکن اس کے خلوص، جراءت، بیباکی، اور کردار و سیرت کی وہ قائل ہوگئی تھی، اور جب سے کملا کی کہانی سنی تھی، وہ اس کی عظمت بھی اپنے دل میں محسوس کرنے لگی تھی،

آخر وہ روز موعود آیا، !

رضیہ کا گھر آج بقعہ نور بنا ہوا تھا، طرح طرح کے ماکولات اور مشروبات کا اہتمام کیا گیا تھا، ایک سے ایک اچھا کھانا، اور ایک سے ایک مفرح شربت جن لوگوں کو دعوت دی گئی تھی ان کی تعداد زیادہ نہ تھی، صرف مخصوص اور منتخب لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا،

سب سے پہلے شیام پہنچا، پھر کملا آئی، ذرا دیر بعد انجم اور شہناز بھی آگئے پھر اوما آئی، سب سے آخر میں اقبال، !

اقبال نے انجم سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا، کہو بھئی جیل میں کیسی گزری ؟ "

انجم نے جواب دیا، جیسی گزرتی ہے، ـــــــ ہے فکر سخن جاری چکّی کی مشقت بھی،،!"

کملا نے پوچھا، تو کیا آپ سے کام بھی لیا جاتا تھا؟"

انجم نے جواب دیا، جی ہاں مس کملا مجھے سزائے بامشقت ملی تھی، کام کیسے نہ لیا جاتا،،!"

اوما نے پوچھا، کھانا تو گھر سے جاتا ہوگا، خوب کھانے لگے ہوں گے، محنت کرنے سے بھوک کھل جاتی ہے نا،،!

انجم نے بتایا، سی کلاس کے قیدیوں کا کھانا گھر سے نہیں آ سکتا، انہیں تو وہی کھانا پڑتا ہے جو جیل والے دیتے ہیں، ریت کی بنی ہوئی روٹی، جڑی بوٹیوں کی ترکاری دال جو تالاب میں سے چند قطرے، سونے کو دو کمبل، ایک کا بچھونا، ایک کا اوڑھنا دونوں کمبل نہایت کثیف اور بدبودار، کھٹمل اور جوں کی موجودہ اور آئندہ نسل کے ہونہار الگ بکثرت موجود، کوٹھری میں چور بھی، گرہ کٹ بھی، قاتل بھی، ڈاکو بھی رات کو ان سب کی داستان طلسم ہوش ربا شروع ہوتی تھی، بیڑی اور سگریٹ کا دور چلتا تھا، جس سے کوٹھری دھوئیں سے بھر جاتی تھی، پھر یہ لوگ جوا کھیلنے لگتے تھے، ـــــــ

جوا؟ ـــــــ حیرت سے شاہینہ نے پوچھا،

"جی ہاں، جوا، تاش، شراب، اور طرح طرح کی مذموم حرکتیں،، ان بے گناہوں کے مجمع میں جاکر مجھے اندازہ ہوا کہ واقعی کتنا بڑا مجرم ہوں میں، ـــــــ پھر تاش کے پتوں پر، ہار جیت پر، یا ہمی داستاں طرازی کے کسی پہلو سے اختلاف پر، گالم گلوچ، گالیاں اتنی فصیح و بلیغ کہ، ـــــــ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی، ایک مستقل دنیا ہے جیل بھی،،!"

رضیہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی، "پھر بھی معافی نہیں مانگی، بڑے ہٹی ہیں آپ بھی،!"

انجم ہنسنے لگا، ارادہ تھا کہ مانگ لوں گا، مگر رہا کر دیا گیا،!

کملا نے اقبال کی طرف دیکھا، اور پوچھا، "اقبال صاحب آپ چپ چاپ کیوں ہیں،؟ دیکھئے آپکے دوست جیل سے رہا ہو کر آئے ہیں، بڑی مصیبت جھیلی ہے بیچارے نے کچھ ان سے ہمدردی کیجئے، باتیں کیجئے، آپ نے تو چپ کا روزہ رکھ لیا ہے جیسے،——"

یہ باتیں سنکر اقبال زرد پڑ گیا، اسے اندیشہ تھا کہیں کملا اس روز کی باتیں نہ دہرا دے، پھر خود ہی دل کو تسلی دیتا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، ادما زندہ نہیں چھوڑے گی اسے، جاوید کچا چبا جائے گا——!، دفعتہً کملا نے شہناز سے ایک سوال کر ڈالا،

کیوں شہناز بہن، اقبال صاحب بھی تمھارے پاس انجم بھائی کی سزا یابی کے بعد اظہار ہمدردی کے لیے آئے تھے؟"

یہ سنکر اقبال کا چہرہ سفید پڑ گیا، ایک نامعلوم سا خطرہ اسے اپنے گرد منڈلاتا محسوس ہونے لگا، شہناز نے جواب دیا،

"وہ کیسے آسکتے تھے؟"

ان چند الفاظ میں طنز بھی تھا، اور درد بھی، کملا نے نہ جانے یہ مغلوبیت محسوس کی، یا نہیں، اس نے براہ راست اقبال سے سوال کیا،

"کیوں اقبال صاحب واقعی؟"

اقبال کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا، لیکن انجم نے اس کی مشکل حل کر دی،

"بھئی یہ سرکاری ملازم ہیں حکومت کے باغیوں سے زیادہ ربط ضبط نہیں رکھ سکتے، یہاں تک آ گئے یہی بہت غنیمت ہے"!"

کملا نے گردن ہلاتے ہوئے، جیسے اس دلیل کو بہت اچھی طرح سمجھ گئی کہا،

"اچھا یہ بات ہے"؟ ——— اس پر تو میں نے غور ہی نہیں کیا تھا! ——— لیکن حکومت کے باغی تو ہم بھی ہیں، ہم سے تو خوب گھل مل کر ملتے ہیں اقبال صاحب"!"

انجم نے پھر اقبال کی مشکل آسان کر دی، "آپ اب خود حکومت ہیں، بغاوت کا دور گزر گیا ———"

دفعتہً شہناز بول پڑی،

"کیا تم لوگوں سے اس وقت بھی اقبال صاحب ملا کرتے تھے جب بغاوت کے جرم میں جیل کی کوٹھریاں آباد ہو رہی تھیں"!"

کملا مسکرانے لگی، پھر بولی، "یاد نہیں"، "تمہیں یاد ہے کچھ ادما؟"

اقبال پر گھڑوں پانی پڑ گیا، ادما بولی،

"مجھ سے خواہ مخواہ کی باتیں نہ کیا کرو، میں نہیں جانتی"!"

انجم نے رضیہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا،

"انتظار کاہے کا ہے؟ ——— پلیٹوں کی صدا سنتا ہوں اور کھانا نہیں آتا"! ———

کملا تڑسے بولی، "یہاں اسی طرح دعوت ہوتی ہے چنانچہ ہم لوگ گھر سے کھانا کھا کر صرف پلیٹوں کی نغمہ سرائی سننے کے لیے آئے ہیں" ———!

رضیہ کھسیائی ہو کر بولی، "نہ جانے کہاں رہ گئے جاوید صاحب"!"

اقبال کو وار کرنے کا موقعہ مل گیا، مس کملا جاوید کیوں نہیں آئے ؟"
وہ بولی، میں ان کی پرائیوٹ سکریٹری نہیں ہوں، فون کر لیجیے، معلوم ہو جائے گا!"
اقبال نے ایک اور سوال کیا، "آخر ان سے بھی اس طرح کے چبھتے ہوئے سوال
یوں نہیں کرتیں آپ ؟
کملا نے تیوری چڑھا کر پوچھا، کس طرح کے سوالات ؟"
اقبال کو جیسے اتنی دیر کے بعد بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا تھا، کہنے لگا، مثلاً یہ کہ
بھی شہناز بیگم کے پاس انجم کی گرفتاری اور سزایابی کے بعد اظہار ہمدردی کے لیے
گئے تھے یا نہیں ؟"
کملا بولی، پوچھا تھا، !"
پریشانی کے ساتھ اقبال نے دریافت کیا، پھر کیا جواب دیا ؟"
کملا نے بتایا، کہنے لگے، میں نہیں جاؤں گا، تم ہو آئیں، ادما ہو آئیں، یہ کافی ہے
تم دونوں کو برابر جاتے رہنا چاہیے، اور ہر طرح شہناز کی خبر گیری کرتے رہنا چاہیے
کسی طرح کی تکلیف نہیں ہونے دینا چاہیے، اور ہم دونوں نے ان کے اس حکم پر حرف
حرف عمل کیا، !" ——— کیا آپ نے بھی اس طرح کی ہدایت کسی کو دی تھی ؟"
اقبال پھر لاجواب ہو گیا، انجم نے موضوع گفتگو بدلتے ہوئے رضیہ سے پوچھا،
کیا آپ سے جاوید نے آنے کا وعدہ کر لیا تھا ؟"
وہ تامل کرتی ہوئی بولی، وعدہ تو نہیں کیا تھا، بلکہ معذرت کی تھی لیکن مجھے یقین
تھا وہ آئیں گے ضرور، !
وہ ہنسنے لگا، اس نے کہا، "آپ کی سادہ لوحی پر مجھے ہنسی آ گئی، مس رضیہ
وہ نہیں آئے گا، ہرگز نہیں آئے گا، وہ بڑا نٹ کھٹ ہے، اب اس کا انتظار بے
سود ہے، دسترخوان بچھوایئے سخت بھوک لگی ہے، ———

رضیہ اٹھ کر کھانے کا انتظام کرنے چلی گئی،!

کملا نے انجم سے سوال کیا۔ "آخر آپ دونوں میں صلح کیوں نہیں ہو جاتی ویسے میں اتنا تو اچھی طرح جانتی ہوں، کہ ایک دوسرے سے دور رہنے بھی آپ دونوں ایک دوسرے سے قریب ہیں، مجھے تو بعض دفعہ رشک آ لگتا ہے،؟

انجم ہنسنے لگا، اقبال نے پھر چوٹ کی، "ایسا معلوم ہوتا ہے آپ جاوید کی بنکر آئی ہیں، کیا واقعی؟"

وہ ترچھی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی بولی، "جی ہاں، — کہیں وارنٹ گر نہ جاری کر دیجئے گا،

سب لوگ ہنس پڑے اقبال تلملا کر رہ گیا۔! ٭

# یہ کیا ہو گیا؟

•

نہ وہ تم رہے نہ وہ ہم رہے

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں،

(۱

# موت کی نیند!

زمانہ بدلتا ہے لیکن اس طرح ؟

انقلاب آتا ہے، لیکن کیا اسی طرح ؟

ہندوستان تقسیم ہوگیا، پاکستان بن گیا، آزادی کبھی بھی تحفہ کے طور پر نہیں ملتی، حاصل کی جاتی ہے، اس کی قیمت دینی پڑتی ہے، اور یہ قیمت زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھی یہ نعمت تحفہ کے طور پر نہیں ملی، انھوں نے جو کبھی جنگ لڑ کر اسے حاصل کیا، وہ انگریزوں سے لڑے، اپنے ہم قوموں سے لڑے، دوستوں اور ساتھیوں سے لڑے، انھوں نے آزادی کی زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کی اور آزاد ہو گئے۔

لیکن منزل مقصود تک پہنچ جانے کے باوجود اور گوہر آرزو حاصل کر لینے کے باوجود، فضا کی تاریکی کچھ اور زیادہ کیوں بڑھ گئی، ؟ دشمنی کا سبب ختم ہوگیا، لیکن دشمنی جوں کی توں موجود، بلکہ اور زیادہ تلخی کے ساتھ، !

دلی کی حالت خاص طور پر ابتر تھی، ہر چہار طرف سے شرنارتھیوں کے قافلے راجدھانی میں داخل ہو رہے تھے، ہر نیا آدمی جو شہر میں آتا تھا، اپنے ساتھ نفرت عداوت، اور برہمی کا طوفان بھی ساتھ لاتا تھا، !

دلّی کے مسلمان یہ منظر دیکھ کر سہمے جا رہے تھے، ایک انجانا خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا محسوس کر رہے تھے، باہر سے آئے ہوئے ہر سکھ اور ہر ہندو کو دیکھ کر وہ لرز جاتے تھے، جیسے خود بخود کوئی ان کے کان میں کہتا تھا اب تمہاری خیریت نہیں، اب تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ!

یہ غیبی آواز سنکر دہشت سے ان کا رنگ رخ پیلا پڑ جاتا تھا، لیکن وہ اپنے آپ کو سہارا دیتے تھے — اپنے حوصلے کو جھنجوڑتے تھے، اور مطمئن ہونے کی کوشش کرتے تھے، وہ اپنے دل سے کہتے تھے، یہ راج دہانی ہے، جہاں جواہر لال ہیں، یہاں سردار کا ڈنکا بجتا ہے، یہاں پوری حکومت ہند ہے، یہاں دیس دیس کے سفیر ہیں یہاں دنیا بھر کے نمائندگان اخبارات ہیں،

یہاں کچھ نہیں ہو سکتا، یہاں کوئی فتنہ سر نہیں اٹھا سکتا، یہاں کسی قیمت پر بد امنی گوارا نہیں کی جا سکتی،

کچھ اس طرح کے اعلانات بھی حکومت کی طرف سے برابر ہو رہے تھے، ان کے اعلانات سے دل مضطرب اور زیادہ سکون محسوس کرتا تھا، —!

کئی روز سے جاوید کو بخار آ رہا تھا، اوما اور کملا اصرار کر کے اسے "سیوا سدن" سے آئی تھیں، تیمارداری کے لیے یہ دونوں کیا کم تھیں، مگر عبدل نے بھی شبانہ روز خدمت کر کے حق نمک ادا کر دیا تھا، آج جاوید کی طبیعت ذرا سنبھلی تھی، اوما نے خوش ہو کر کہا، "بس اب اچھے ہیں آپ، — ہیں نا؟

وہ مسکراتا ہوا کمزور آواز میں بولا، تمہاری تشخیص قابل اعتماد نہیں، کوئی اور یہی بات کہے تو مان لوں گا،!

وہ ذرا چڑتی ہوئی تیکھے لہجہ میں گویا ہوئی، "کیوں میرا اعتبار کیوں نہیں کریں گے آپ؟ کیا میں جھوٹی ہوں،؟"

جاوید نے ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈالی، اور کہنے لگا، تمہارا جھوٹ بھی میرے لیے سچ ہے، لیکن تمہاری تشخیص پر اعتماد یوں نہیں ہوتا کہ،

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونق منہ پر
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے'!

'———!'

ادما جھینپ گئی، جاوید اس کی اس کیفیت سے لطف لینے لگا، اس نے چھیڑتے ہوا پوچھا،

"کیا اب بھی تمہیں اپنی تشخیص پر اصرار ہے؟"

وہ ایک ادائے خاص کے ساتھ گویا ہوئی، نہ میں شاعر ہوں، نہ شاعری سے دلچسپی رکھتی ہوں، آپ نے تو نہ جانے کس کس کے دیوان کھنگال ڈالے ہیں، بھلا میں کیا جواب دے سکتی ہوں، ہاں کملا سے یہی بات کہی ہوتی آپ نے تو وہ ضرور خاموش کر دیتی آپ کو،

اتنے میں کملا آگئی، "میرا نام کیوں لیا جا رہا تھا؟"

جاوید نے ادما کی طرف اشارہ کیا، "مجرم سامنے بیٹھا ہے، اگر ہمت ہے تو اس سے باز پرس کیجئے!"

ادما نے پہلو بدلتے ہوئے کملا سے پوچھا، "کہاں ہو آئیں؟"

کملا پر سنجیدگی طاری ہو گئی، "جاتی کہاں؟ بس ذرا دفتر تک گئی تھی، لیکن ادما، اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم دلی میں نہیں کسی اور شہر میں ہیں، کوئی عجیب سا شہر، بھیانک، خوفناک، اور ——— اور نہ جانے کیا کیا!"

جاوید سنبھل کر بیٹھ گیا، "کملا تم بہت ہراساں نظر آ رہی ہو، کیا بات ہے؟"

وہ بولی، بظاہر کوئی بات نہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہولناک طوفان

آیا ہی چاہتا ہے، نہ جانے آسمان سے خون برسے گا، یا زمین سے ابلے گا، لیکن مجھے تو ہر طرف سے خون ہی نظر آرہا ہے'!"

اوما نے ٹوکا، "یہ آج کیا ہو گیا ہے تمہیں کملا؟"

وہ کہنے لگی، مجھے تو کچھ نہیں ہوا، لیکن اس شہر کے نئے شہریوں کو ضرور کچھ ہو گیا ہے ان کی آنکھوں سے انگارے برس رہے ہیں، ان کے انداز و اطوار میں قیامت مچلتی نظر آرہی ہے، یہ پٹے ہوئے، لٹے ہوئے، جلا وطن لوگ، ضرور کچھ نہ کچھ کریں گے'!"

اوما کو ان باتوں کا یقین نہ آیا، "تم تو پگلی ہو اچھی خاصی، یہ بیچارے کچھ نہیں کریں گے، انہیں روٹی چاہیے، سر چھپانے کو جھونپڑی چاہیے، یہ دنگا نہیں کر سکتے، ان پر دنگا کرنے کی طاقت ہی کہاں ہے، اور ہو بھی تو یہاں کس سے کریں گے؟ کسے نشانہ ستم بنا ئیں گے؟ ——— کیا یہاں کے مسلمانوں کو؟"

کملا نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا، "ہاں مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے'!"

اوما نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، "لیکن یہ تمہاری خام خیالی ہے سارے ہندوستان میں چاہے جو کچھ ہو جائے، راج دھانی میں کچھ نہیں ہو سکتا'!" ——— ویسے اکا دکا واقعات تو ہو رہے ہیں'!"

"یہی اکا دکا واقعات، آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہیں، ——— آج دفتر میں بعض لوگوں سے جو باتیں ہوئیں ان سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آج ہی کل میں جوالا پھٹنے والا ہے، خدا اس شہر پر، اور ——— ہم پر رحم کرے!"

ان باتوں سے اوما کا کمزور دل ہولنے لگا، خود اس کے دل میں بھی یہی خیالات موجزن تھے، لیکن وہ چاہتی تھی کہ دوسرے ان کی تردید کریں، کملا نے تائید کر کے اسے اور زیادہ ذہنی کوفت میں مبتلا کر دیا، ———!

جاوید نے کملا اور اوما کی ان باتوں میں حصہ نہیں لیا، وہ خاموشی سے سامنے رکھے ہوئے اخبار کے ورق الٹنے پلٹنے لگا،

فضا پر خاموشی طاری ہوگئی، پھر نہ کملا نے کچھ کہا، نہ اوما کچھ بولی، تھوڑی دیر کے بعد، جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی، درحقیقت وہ کملا کو یہاں سے ٹالنا چاہتی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ کملا اپنے معلومات و تاثرات اور اندیشہ ہائے دور و دراز کا دفتر جاوید کے سامنے بیٹھکر کھولے، وہ ویسے ہی زندگی کے ایک نہایت ہی اضطراب انگیز دور سے گزر رہا تھا چنانچہ اس نے کملا سے کہا،

" دیکھو عبدل راشن لے کر آگیا ہوگا، ذرا جاوید صاحب کے لیے کھچڑی تو تیار کر لو، ! میرا اس وقت اٹھنے کو جی نہیں چاہتا، !"

کملا کی شوخی پھر لوٹ آئی کہنے لگی، " یوں کیوں نہیں کہتیں، میرا یہاں بیٹھنے کو جی چاہ رہا ہے، !" —— اقرار کرلو تو ابھی چلے جائیں گے، !"

اوما نے اکتاتے ہوئے لہجہ میں کہا، " اچھا یہی سہی، ٹلو تو کسی طرح، !"

وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی، ذرا دیر میں واپس آکر بولی، " عبدل تو اب تک نہیں آیا، اور چاول کا ایک دانہ نہیں ہے گھر میں، پھر اب کیا ہوگا ؟"

اوما نے کہا، تو جب تک وہ آنہ جاتے، بیٹھ کر دماغ چاٹو ہم دونوں کا،

---

کملا اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اور کہنے لگی، " آخر آج اتنی چڑچڑی کیوں ہو رہی ہو، " کیا پٹائی ہوئی ہے ؟ "

اوما نے برہمی کے ساتھ جواب دیا، " کچھ ہوش میں ہو، پٹائی کیسی ؟ " —— —— لیکن اب ہمارے عبدل چاچا بھی بڑے کام چور ہوگئے ہیں، شاید بڑا ! آدمی کو کام چور اور آرام طلب بنا ہی دیتا ہے، پہلے بجلی کی طرح کام کرتے

تھے، اب باہر جاتے ہیں تو واپس آنا بھول جاتے ہیں، نہ جانے کہاں کہاں مٹرگشت کرتے رہتے ہیں، ______'

کملانے ہاں میں ہاں ملائی "وہ بھی تو چلتے پھرتے اخبار ہیں، ہم لوگوں کو شہر کے حالات کی اتنی خبر نہیں، جتنی انہیں ہے، مجھے تو ہر روز بتاتے رہتے ہیں، آج یہاں قتل ہو گیا، آج وہاں ایک راہ گیر مارا گیا، آج یہ ہوا، آج وہ ہوا ______ بڑھاپے میں شاید آدمی کچّی اور جھکّی بھی زیادہ ہو جاتا ہے'! ______

اے لو بڑی عمر عبدل چاچا کی آ ہی گئے، لیکن شاید پیچش میں مبتلا ہو کر آئے ہیں، دیکھنا کتنی مضبوطی سے پیٹ پکڑے ہوتے ہیں، ______ ارے یہ خون کیسا ______ عبدل ______ عبدل ______

کملا بے قرار ہو کر اٹھی اور بھاگتی ہوئی عبدل کے پاس پہنچی، اوما بھی اس کے پیچھے پیچھے بجلی کی سی تیزی سے پہنچی،

جاوید نے اخبار ایک طرف پھینکا، اور وہ بھی کمرہ سے باہر نکل کر برآمدہ میں آ گیا،!

کملا اور اوما عبدل پر جھکی ہوئی تھیں، وہ خون میں نہایا پڑا تھا، آنتیں باہر نکل آئی تھیں، جاوید جب پہنچا تو اس نے ایک حسرت بھری نظر اس پر ڈالی، پھر اس کا سر ڈھلک گیا، آنکھیں مند گئیں، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سو گیا،! موت کی نیند،!

(۲)

# انسپکٹر صاحب

جاوید اگرچہ بخار سے نڈھال ہو رہا تھا لیکن، عبدل کی لاش اسی حالت میں چھوڑ کر باہر کی طرف لپکا، گویا قاتل دروازے پر اس کے انتظار میں کھڑے ہیں، کملا نے ادما سے مدہم آواز میں کہا، "دیکھو کہاں جا رہے ہیں"!"

ادما خود ہی اسے جاتا دیکھ کر، ادھر ہی بڑھ رہی تھی، وہ سامنے آکر کھڑی ہوگئی، اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، بڑی مشکل سے وہ کہہ سکی، "نہ جایئے"!"

جاوید نے اسے دیکھا اور ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا، اتنی دیر میں کملا بھی پاس آکر کھڑی ہوگئی، "میں نے پولیس کو فون کر دیا ہے"! ——— آیئے کمرہ میں بیٹھئے، سردی نہ لگ جائے کہیں"!"

جاوید کا بخار اور زیادہ شدید ہو گیا تھا، اس کا بدن کانپ رہا تھا، ادما کی نظر پڑ گئی، "آپ کے پاؤں کیوں ڈگمگا رہے ہیں؟" جاوید نے جواب دیا، "ادما مجھے سنبھالو، میں چلا"! ———

اور پھر وہ بے ہوش ہو کر گرنے لگا، کملا اور ادما نے جلدی سے اسے

سنبھالا، بڑی مشکل سے لاکر بستر پر لٹایا، کملا اور اوما دونوں کی آنکھیں پرنم تھیں عبدل جیسے پرانے وفادار، اور جاں نثار، ملازم کا قتل، جاوید کی یہ حالت، شہر کی بڑھتی ہوئی بدامنی، آنے والے دنوں کا دبدبہ، دونوں جی کھول کر رونا چاہتی تھیں، لیکن ایک دوسرے کے خیال سے ضبط کر رہی تھیں،

اتنے میں پولیس آگئی، کئی سپاہی، ایک انسپکٹر، عبدل کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال بھیج دی گئی، یہ انسپکٹر صاحب جن کا نام مسٹر اچھپال سنگھ تھا، کچھ عجیب سی نظروں سے کملا اور اوما کو گھور رہے تھے، جیسے انھیں پہچانتے ہوں، جیسے انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں، عبدل کے بارے میں ضروری سوالات سے جب فارغ ہوئے تو کملا نے کہا،

"مسٹر سنگھ، میں چاہتی ہوں، یہ عبدل کے قاتل گرفتار ہوں، انھیں سزا ملے، وہ کیفر کردار کو پہنچیں، انھیں سولی پر لٹکا دیا جائے، انھوں نے عبدل کو قتل نہیں کیا ہے، انسانیت کو قتل کیا ہے، — عبدل انسانیت کا نمائندہ تھا۔ اس نے ساری عمر ہمارے گھر میں ایمانداری، شرافت، خدمت اور وفاداری کے ساتھ گزار دی، اس نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا، اس نے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا، ——————

مسٹر سنگھ ہنسنے لگے، ان کی ہنسی میں خوش دلی بھی تھی، طنز بھی تھا، انھوں نے اطمینان سے سگریٹ کا ایک کش لیتے ہوئے فرمایا، "مس کملا، آپ کس دنیا میں رہ رہی ہیں، ؟ کس دنیا کی باتیں کر رہی ہیں ؟

کملا نے تعجب سے، مسٹر سنگھ کی طرف دیکھا، اور سوال کیا، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مسٹر سنگھ ؟"

مسٹر سنگھ نے لطف لیتے ہوئے کہا، "مجھے آپ کی معصومیت پر حیرت ہو رہی ہے، ہنسی آرہی ہے آپ شہر کے بہت بڑے، بلکہ سب سے بڑے اخبار سے وابستہ

ہیں، ذہین اور معاملہ فہم بھی ہیں، آپ کی اور مس اوما کی بہت تعریف لکھنؤ سے سنتا
آرہا ہوں، آپ اتنا بھی نہیں جانتیں، شہر کے حالات کیا ہیں؟ آپ کو نہیں معلوم
ہر روز کتنی عبدل مارے جاتے ہیں؟ آپ کو اندازہ نہیں کہ شاید وہ وقت
بہت جلد آنے والا ہے، جب بہت سے، ان گنت، عبدل، موت کے گھاٹ اتار دیئے
جائیں گے،؟ آپ کس کس کو بچائیں گی؟ کس کس کے قاتلوں کو دار پر چڑھائیں گی،؟
کیا یہ آپ کے بس میں ہے؟ ایسی جذباتی باتیں نہ کیجیے، صبر کیجیے، اور آئندہ اس
طرح کے جو واقعات پیش آنے والے ہیں ان پر صبر کرنے کے لیے تیار رہیے۔"

---

کملا نے یہ ساری باتیں سنی کی ان سنی کر دیں، گویا اس نے کچھ سنا ہی نہیں
گویا ان باتوں میں نہ کوئی اہمیت ہے نہ وزن، اس کے دماغ میں صرف ایک سوال
گردش کر رہا تھا، یہ چھپال سنگھ، مجھے اور اوما کو جانتا ہے، لکھنؤ سے ہم دونوں
کا ذکر سنتا چلا آرہا ہے، یہ کون ہے؟ ——— آخر وہ ضبط نہ کر سکی اس نے
پوچھا،
"آپ لکھنؤ سے ہمیں جانتے ہیں، لیکن کیسے؟"
وہ ہنستا ہوا بولا، ترویدی صاحب میرے قریبی عزیز بھی ہیں، اور گہرے دوست
بھی، ان سے اور مسٹر ترویدی سے اکثر آپ کا ذکر سنتا رہتا تھا، یہ میں نے انہی
سے سنا تھا، کہ آپ حضرات کو مسلمانوں سے بڑی ہمدردی ہے، آج آنکھوں سے آپ
کی ہمدردی کا نہ بھولنے والا نظارہ دیکھ لیا، شاید اس دنیا میں عبدل کا کوئی نہیں
ہے، لیکن اگر ہوتا بھی تو اس سے زیادہ کیا سوگ مناتا جتنا آپ منا رہی ہیں؟ آپ کی
شکل آپ کے صدمۂ عظیم کی غمازی کر رہی ہے،
پھر اس نے، جاوید کی طرف دیکھا، جو اپنے بستر پر بے سدھ، نیم بے ہوشی

کی حالت میں پڑا تھا، اور کہا، ”ان صاحب کو مسٹر جاوید ہونا چاہیے، ——————
کیا میرا اندازہ غلط تو نہیں ہے؟“

کملا کی پیشانی شکن آلود ہوگئی، ”مسٹر سنگھ‘ اپنے حدود سے تجاوز نہ کیجئے، میرا خیال ہے آپ جس کام سے آئے تھے وہ پورا ہوگیا، اب آپ جا سکتے ہیں، ایا آپ کو چلا جانا چاہیے، میں کہتی ہوں تشریف لے جائیے آپ، ——————

اس نے ایک قہقہہ لگایا، اور کہنے لگا آپ ہی کا بلایا آیا تھا، اگر آپ کی مرضی یہ ہے کہ چلا جاؤں، تو چلا جاتا ہوں، لیکن شاید ابھی بار بار آپ کو میری ضرورت پڑے گی، ———— ویسے میری دلی تمنا یہ ہے کہ جاوید صاحب کسی حادثے سے دوچار نہ ہوں‘!“

وہ نفرت وحقارت کی نظر ڈالتی ہوئی بولی، ”جاوید صاحب کو ٹیڑھی آنکھوں سے بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا، وہ عیدل نہیں ہیں، ان کی دھاک پنڈت جی، سردار سب پر ہے، اگر حوصلہ ہو تو کوئی کسر نہ اٹھا رکھئے گا، لیکن ان دھمکیوں سے آپ کسی کو مرعوب نہیں کر سکتے، تردیدی صاحب منہ کی کھا چکے ہیں، آپ بھی ——————

”خوب یاد دلایا آپ نے، غالباً وہی ایک دن میں تردیدی، سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوکر دہلی آرہے ہیں، ———— شاید منہ کی کھانے کے لیے، ——————
اور پھر کملا کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ ہنستا مسکراتا، قہقہے لگاتا چلا گیا،!“

(۳۱)

# نیا دھڑکا

سنگھ چلا گیا، !ـــــــ لیکن اوما اور کملا کو اتنا بدحواس کر گیا کہ بیچاریوں پر سکتہ سا طاری ہو گیا، جاوید اب تک نیم بے ہوش پڑا تھا، لیکن اس کی طرف بھی دھیان نہ گیا، دونوں آمنے سامنے گم صم بیٹھی تھیں، ؟ نہ جانے کیا کیا خیالات ستا رہے تھے، ؟ لیکن زبان خاموش تھی، لب سلے ہوئے تھے، !

اتنے میں جاوید نے مدہوشی کے عالم میں ایک آہ کے ساتھ کروٹ بدلی، اوما لپک کر اس کے پاس پہنچی، ماتھا ٹٹولا، پھر اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی بولی،

کملا ذرا ڈاکٹر صاحب کو فون تو کر دیتیں، ! "

کملا نے کوئی جواب نہیں دیا، رسیور اٹھایا، اور ڈاکٹر صاحب کو فون کھڑکا دیا، پھر آ کر اوما کے پاس بیٹھ گئی، پوچھا،

کیا بخار نہیں اترا اب تک ؟ "

اوما نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا، " کہاں اترا ؟ ویسا ہی بھسما بھوت چڑھا ہوا ہے، نہ جانے کیا لکھا ہے قسمت میں، ـــــــ

اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، کملا نے بڑھ کر اپنے پلو سے اس کے آنسو پونچھے،

" پگلی کہیں کی، ـــــــ بخار کسے نہیں آتا؟ اچھے ہو جائیں گے دو چار دن میں لوٹ پوٹ کر!"

اتنے میں ڈاکٹر صاحب آ گئے۔ انھوں نے کیفیت سنی، نبض دیکھی، سینہ کا معائنہ کیا، پھر ایک انجکشن لگایا، اور جاتے ہوئے فرمایا،

اس وقت انہیں سکون کی ضرورت ہے، میں نے خواب آور انجکشن دے دیا ہے، اب انہیں اطمینان سے سونے دیجئے صبح تک، صبح میں پھر آ جاؤں گا، اگر ضرورت ہوئی تو کوئی دوا تجویز کر دوں گا،!"

ڈاکٹر چلا گیا، جاوید ذرا دیر میں خراٹے لینے لگا،!

اوما اور کملا بدستور پاس پاس اس کے سرہانے بیٹھی تھیں، بالکل خاموش گویا انہیں بولنا ہی نہ آتا ہو،

تھوڑی دیر کے بعد، کملا اٹھی اور چائے بنا لائی، ایک پیالی اپنی طرف بڑھالی دوسری اوما کی طرف کھسکاتی ہوئی بولی، " کھانا تو نہ مجھ سے کھایا جائے گا، نہ تم سے چائے تو پی لو، آج نیند کا بھی خدا حافظ ہے،!"

اوما نے کوئی جواب نہیں دیا، گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پینے لگی، پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی،

" کیوں کملا، یہ سنگھ کہاں سے آ مرا؟"

وہ بولی، کیا بتاؤں؟ ـــــــ ایسی باتیں کر گیا ہے جن سے دل ہوتا ہے ـــــــ میرے خیال میں یہ جھوٹا بھی ہے،!"

اوما نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا، اور پوچھا، " یہ کیسے جانا تم نے؟"

وہ بولی، " وہ تردیدی کا اتنا عزیز نہیں ہے، جتنا ڈاکٹر سکینہ کا، رشتہ میں ان کا بھائی ہوتا ہے، مجھے یاد پڑتا ہے ایک دفعہ جب ڈاکٹر سکینہ کا ذکر

ہو رہا تھا، تو کماری نے تردیدی سے سوال کیا تھا، اور سکینہ صاحب کے آدمی کا کیا ہوا، نوکری ملی؟ ملے گی؟" اس پر تردیدی نے کہا، شاید تم سنگھ کو پوچھ رہی ہو؟ کماری نے اقرار میں گردن ہلائی، تردیدی نے کہا، کوشش تو کر رہا ہوں، مل جائے گی، !" ——— ہو نہ ہو یہ وہی اچھپال سنگھ ہے، اور شاید سکھایا پڑھایا آیا ہے، یہ تبلانے کہ اس محلہ کا انچارج وہ ہے، یہ بتانے کہ اب تردیدی بھی پوری آن، بان، شان کے ساتھ دلّی پر چھا جانا چاہتا ہے، یہ بتانے کہ اب تاریخ ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو دہرائے گی۔ ———

اوما کا چہرہ سفید پڑ گیا، وہ دہشت سے کانپنے لگی، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"تو پھر اب کیا ہوگا؟ کیا یہ لوگ فسادائی فوج لا رہے ہیں؟ آخر کیا مقصد ہے ان لوگوں کا؟"

وہ بولی، "یہ تو میں نہیں جانتی مقصد کیا ہے، اتنا جانتی ہوں کہ اب ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے!"

اوما نے بے قرار ہو کر پوچھا، "لیکن ہم ان سے کیوں ڈریں؟ ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟ یہ ہمارا کیا کر لیں گے؟"

کملا نے تسکین دیتے ہوئے کہا، "کچھ نہیں، ——— یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، نہ ہم نے ان کا کچھ بگاڑا ہے۔ ——— حالات اگر نارمل ہوتے تو ذرا بھی پروا کی بات نہیں تھی، لیکن ان حالات میں، اس فضا میں، سب کچھ ہو سکتا ہے اوما؟"

اوما نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے دریافت کیا، "آخر کیا ہو سکتا ہے کملا کچھ بتاؤ تو سہی؟" ——— آدمی محتاط اور ہوشیار بھی تو اسی

وقت ہو سکتا ہے، جب خطرہ کی نوعیت معلوم ہو"!"

کملا نے بتایا، "بات یہ ہے، کہ مسٹر سنگھ ہوں، یا ترویدی بہادر، یا ڈاکٹر سکینہ ہم دونوں کا تو ان میں سے کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، پانڈے جی رو بیٹھیں گے، حلوا پوری کھائیں گے، سوال جو کچھ ہے جاوید صاحب کا ہے، ———"

"وہی تو پوچھتی ہوں، جاوید کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے"؟ اس کا یہ بزدل لوگ کیا بگاڑ سکتے ہیں"؟"

"اس زمانہ میں جب مسلمان کی جان کی کوئی قیمت نہیں ہے، جب راہ چلتوں پر دن دہاڑے قاتلانہ حملے ہوتے ہیں، اور کوئی قاتل نہیں پکڑا جاتا، اگر ——— میرے منہ میں خاک ——— کسی غنڈے نے، سنگھ کے اکسانے پر، ترویدی کی شہ پر، یا ویسے ہی مذہبی جنون سے بے قابو ہو کر، یا کسی شرنارتھی نے جذبۂ انتقام سے سرشار ہو کر، جاوید کو نشانہ بنا لیا، تو کیا کر سکتا ہے کوئی؟"

جو کچھ کملا نے کہا، یہ ساری باتیں، اوما کے دماغ میں پہلے ہی سے چل رہی تھیں، جو کچھ وہ اپنی زبان سے کہتے ہچکچاتی تھی، وہی اب کملا کی زبان سے سن رہی تھی، جو خطرہ اس کے دل میں پیدا ہو چکا تھا، کملا کی باتیں سنکر محسوس اور مرئی صورت میں سامنے آکر کھڑا ہو گیا، اس نے پوچھا،

پھر کیا کیا جائے؟ ——— سوال یہ ہے کہ کچھ کیا بھی جا سکتا ہے یا نہیں؟

کملا کچھ سوچتی ہوئی بولی، صرف ایک ہی صورت ممکن ہے، یہ کہ، جس طرح ہم نے لکھنؤ چھوڑا تھا، اسی طرح کچھ دنوں کے لیے دہلی بھی چھوڑ دیں،

"پھر جائیں کہاں؟ ——— کیا پاکستان؟"

"پاکستان کیوں جائیں"؟ بمبئی چلے چلیں"!"

"بمبئی؟ ——— لیکن وہاں بھی تو خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے"!"

"ہاں، لیکن وہاں کے اور یہاں کے حالات میں بڑا فرق ہے، وہاں کا فساد، ایک ہنگامی دور ہے، جو آیا ہے اور چلا جائے گا، یہاں کا فساد آج جو کچھ ہے کل اس سے کہیں زیادہ خوفناک ہوگا، وہاں خون کے قطرے گر رہے ہیں، یہاں خون کا دریا بہے گا، یہاں سنگھ ہے، تو ویدی ہے، وہاں ان دونوں میں سے کوئی نہیں"!"

بات اوما کی سمجھ میں آگئی، "کہتی تو ٹھیک ہو کملا، لیکن سوال یہ ہے کیا جاوید کو بمبئی چلنے پر رضامند کیا جا سکتا ہے"؟"

ایک افسردہ سا تبسم اس کے خوب صورت ہونٹوں پر نمودار ہوا، پھر وہ بولی، "تم چاہو تو کیا نہیں ہو سکتا، بمبئی کیا تمہارا اشارہ پا کر تو وہ کالا پانی جانا بھی قبول کر لے گا"!"

"نہیں کملا تمہارا خیال غلط ہے، وہ خطرہ سے ڈر کر یہ شہر ہرگز نہیں چھوڑے گا"!"

"اے واہ، ——— تمہارے پیچھے پیچھے لکھنؤ سے دلّی آ سکتا ہے دلّی سے بمبئی نہیں جا سکتا؛ ——— میرا مطلب یہ ہے کہ خطرہ کا نام ہی کیوں لو، پہل تم کرو، اور کسی ضرورت سے بمبئی کا رخت سفر باندھ لو، پھر دیکھ لینا کچے دھاگے میں چلے آئیں گے سرکار بندھے"!"

---

(۴)

# ایک اور غضب

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بھڑا ہوا دروازہ کھلا۔ اور شیام اندر آ گیا، اس کے آنے سے نہ جانے کیوں کملا اور ادما نے ایک طرح کا سکون سا محسوس کیا شیام نے سب سے پہلے جاوید کی خیریت پوچھی، کملا نے مختصر طور پر سارا حال بتایا وہ کھڑا کھڑا سنتا رہا، پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر پاس ہی پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا، سر ہتھیلی پہ رکھ کر کچھ سوچنے لگا، اس کی یہ کیفیت دیکھ کر وہ سکون جو محسوس ہوا تھا، رخصت ہو گیا، ادما اور کملا دونوں پریشان ہو گئیں، کچھ دیر تک تو دونوں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہیں، پھر کملا نے ہمت کر کے پوچھا،

"شیام بابو کیا بات ہے آپ اتنے ہراساں اور دلگیر کیوں نظر آ رہے ہیں، ہم اگر پریشان ہیں تو ایک بات بھی ہے، عبدل کی یاد بھلائے نہیں بھولتی، وہ انسان کے روپ میں اوتار تھا، لاکھ لاکھ سوچتی ہوں، تلاش کرتی ہوں، مگر کوئی برائی، کوئی خامی اس کی نظر نہیں آتی، یاد نہیں آتی، وہ اس قابل نہ تھا کہ اس کی جان لے لی جاتی، بے خطا، بے قصور اسے مار ڈالا جاتا، یہ غم ایک شخص کا نہیں ہے جس کا نام عبدل تھا، اس علامت کا ہے جس سے انسانیت کا منارہ

اونچا تھا، روشن تھا، جب تک سانس چل رہی ہے ہم اسے یاد کریں گے، اور روئیں گے، پھر اس کی خدمت اور وفاداری کا حق ادا نہیں ہوگا، لیکن آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ آپ کیوں اتنے پریشان نظر آرہے ہیں؟"

شیام نے سر اٹھایا، اور حسرت بھرے انداز میں کہا،

"مس کملا، حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں، عبدل کا واقعہ اپنی نوعیت میں کوئی انفرادیت نہیں رکھتا، ہر روز ایسے نہ جانے کتنے حادثے پیش آتے رہتے ہیں، میں تو ایک اور خبر لے کر آیا تھا، اور کم از کم میرے لیے، وہ بے انتہا روح فرسا ہے، شاید اتنی ہی جتنی آپ کے لیے عبدل کی ہوسکتی ہے ——

شیام اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا،!

اوما اور کملا کے دل میں سوال پیدا ہورہا تھا، شیام کون سی خبر لے کر آیا ہے جو اس کے لیے اتنی روح فرسا اور غم انگیز ہے، دونوں نے چاہا کہ پوچھیں مگر ہمت نہ پڑی، دل دھڑکنے لگا، بات زبان تک آکر رہ گئی،!

پھر خاموشی طاری ہوگئی، تینوں کے تینوں مہر بہ لب بیٹھے تھے،!

آخر تھوڑی دیر کے بعد خود شیام نے قفل سکوت توڑا، اور انکشاف راز کرتے ہوئے کہا،

"میں بڑی دکھ بھری خبر لایا ہوں، میرا خیال ہے آپ بھی اسے سنکر تڑپ اٹھیں گی،!"

اب کملا ضبط نہ کرسکی، اس نے کہا، "تو شیام بتاتے کیوں نہیں وہ کیا خبر ہے؟ ——!"

اوما نے بھی اتنی دیر میں حوصلہ پیدا کرلیا تھا، وہ بولی، "اب تو ہر روز دل پر اتنے چرکے لگتے رہتے ہیں کہ کوئی خبر بھی نئی نہیں رہ گئی ہے، ہر ناممکن بات

ممکن ہوگئی ہے، اور دل اس کے سننے کے لیے تیار ہے، ——— بتایئے شیام بابو، کیا ہے وہ خبر؟

شیام نے غم انگیز، اور افسردہ لہجہ میں کہا، "وہ خبر یہ ہے کہ انعام، سول ہسپتال میں بستر مرگ پر دراز ہے، شاید ہی بچ سکے، ———

انعام کا نام سنتے ہی اوما اور کملا چونک پڑیں، اور دونوں نے تقریباً بیک وقت گھبرائے ہوئے لہجہ میں سوال کیا،

"انعام ———؟

شیام نے بتایا، "ہاں، کیا آپ نہیں جانتیں اسے؟ ———؟

کملا بولی، "رضیہ کا بھائی؟"

شیام نے تائید کی، "ہاں وہی، ——— کتنا وجیہہ، کتنا خوب صورت، کتنا ہونہار، اور کتنا شریف آدمی تھا، ہم لوگ کتنا چھیڑا کرتے تھے اس کے لیگی ہونے پر، اور وہ مسکرا مسکرا کر شائستگی، ادب اور متانت کے ساتھ ہمارے اعتراضات رد کر دیا کرتا تھا، ——— بیچارہ،!

"لیکن کیا ہوا اسے؟" کملا نے پوچھا، "شیام بابو پوری بات تو بتایئے؟"

"کسی کام سے شاید کسی دوست سے ملنے، قرول باغ کے آخری نکڑ پر، پہاڑ گنج کے قریب گیا تھا، وہاں دیر ہوگئی باتوں میں، رات کو نو بجے کے بعد، واپس چلا، تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ کچھ نامعلوم لوگوں نے اس پر حملہ کر دیا، سر، سینہ، بازو پیٹ پر، خنجر کے کئی زخم لگا کر، وہ بزدل حملہ آور فرار ہو گئے اتفاق سے میرا گزر ہوا ادھر سے، میں لالہ رام لال کے ہاں دعوت میں گیا ہوا تھا، اندھیرے میں بیچ سڑک پر کوئی چیز پڑی نظر آئی، میں نے موٹر سائیکل روکی، اتر کر دیکھا، تو خون میں لت پت ایک شخص پڑا تھا، ٹارچ روشن کر کے دیکھا تو وہ انعام تھا، بھاگم بھاگ

الہ جی کے ہاں پہنچا، ان سے کار لی، اور اسے اٹھا کر ہسپتال میں پہنچایا، انچارج ڈاکٹر
یرا دوست بھی ہے اور مسلمان بھی، اس نے پوری توجہ اور ہمدردی سے دیکھ بھال
ی، اس کا خیال ہے کہ زخم اتنے کاری لگے ہیں، اور خون اتنا زیادہ نکل چکا ہے کہ
ب بچنے کی کوئی امید نہیں، رات شاید ہی کٹ سکے،! ــــــــــــ سمجھ میں
نہیں آتا، اس حادثہ کی اطلاع رضیہ کو کس طرح دوں؟ کیا گزر جائے گی اس کے
ل پر، یہ سنکر یا ایسے بوڑھے باپ کو، یہ حادثہ کیسے بتاؤں؟ کہیں ان کا ہارٹ نہ فیل
ہو جائے،؟ سارے گھر پر، یہ خبر سنکر کیا کیفیت غم الم اور گریہ ماتم کی طاری ہوگی
یری چشم تصور اسے دیکھ رہی ہے، کچھ سمجھ میں نہ آیا، یہاں چلا آیا، یہاں آیا،
آپ نے ایک دوسری ہی خبر سنادی،!

اتنا کہہ کر وہ پھر خاموش ہو گیا، اور پہلے کی طرح سر ہتیلی پہ رکھ کر کچھ سوچنے
لگا، ذرا دیر کے بعد، گویا ہوا، "نہ یہ خبر چھپائی جا سکتی ہے، نہ ظاہر کی جا سکتی ہے
ں آپ کے پاس درماندہ ہو کر آیا ہوں، بتایئے کیا کیا جائے؟"

اوما اور کملا پر خبر سنکر بجلی گر پڑی، اوما نے ایک آدھ بار، اور کملا نے
کثر انعام کو دیکھا تھا، وہ اس کی شرافت، سعادت، اور بھلمنساہٹ سے بہت
متاثر تھی، وہ ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے یہ حادثہ صرف رضیہ ہی کا نہیں اس
بھی ہے، اس کی ذات کا بھی اس سے تعلق ہے،!

شیام نے کہا، میں نے سوچا تھا آپ کو اپنے ساتھ لے کر رضیہ کے ہاں جاؤں
، ہم دونوں مل کر، شاید زیادہ بہتر اور موزوں طور پہ اس حادثہ کی اطلاع
نام کی بدنصیب بہن، اور بدنصیب باپ کو دے سکیں، لیکن اب آپ سے بھی کچھ
نے کا حیاؤ نہیں پڑتا، جاوید صاحب کو اس حالت میں چھوڑ کر آپ کیسے جا
سکیں گی،!"

کملا اٹھ کھڑی ہوئی، "شیام بابو میں چلوں گی میرا چلنا ضروری ہے، بہت ضروری ہے، کیوں اوما جاؤں؟"

اوما نے جواب دیا، "ضرور، ——— یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، ؟" ❖

## (۵)

# ہذیان ہیجان

جاوید پر سرسامی کیفیت طاری تھی رات بھر ہذیان بکتا رہا، اور ماں اس کی پٹی سے لگی بیٹھی رہی، کبھی نبض دیکھتی، کبھی تھرمامیٹر سے بخار کی شدت کا اندازہ کرتی، کبھی ماتھے پر برف رکھتی، کبھی پاشویا کرنے لگتی، اور جب کچھ نہ بن پڑتا تو رونے لگتی،!

آج یہ گھر کتنا بھیانک، کتنا ویران، کتنا سنسان، اور کتنا ڈراونا نظر آرہا تھا، یہی گھر تھا، جہاں جمگھٹ رہتے تھے، رونق رہتی تھی، گہما گہمی اور چہل پہل رہتی تھی، قہقہوں کے شور سے بام و در گونجا کرتے تھے، عبدل کی خاموش خدمت گزاریاں، ببلا کی لن ترانیاں، جاوید کی باوقار اور شوخ سنجیدگی، شیام کی بنائی ہوئی، اور لائی ہوئی خبریں، رضیہ کا معصوم اور پرجوش جذبۂ حب وطن، اقبال کی مجلس آرائیاں انجم اور شہناز، اور شاہینہ کی بزم افروزیاں، دوسرے دوستوں اور ساتھیوں کی آمد، مباحثے، تنقیدیں، تند و تیز گفتگو، سیوا سدن ایک گھر نہ تھا، ایک سوسائٹی تھی، ایک تہذیبی اور سیاسی مرکز تھا،

لیکن آج،!

عبدل کسی سنگ دل کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکا تھا۔

کملا رضیہ کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے لگی تھی،
رضیہ اپنے محبوب، اور نیک و شریف بھائی کے غم میں نڈھال تھی، نہ جانے کس عالم میں ہوگی اس وقت؟ نہ جانے کس طرح رو رو کے جل نقل کر رہی ہوگی،
اور اس کا بوڑھا باپ؟ ——— جس نے بیٹی کی محبت میں سب کچھ داؤں پر لگا دیا تھا، اپنے ہونہار، قابل اور سعادت مند بیٹے کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہوگا،
شیام، جس کے لبوں پر ہمیشہ تبسم کھیلتا رہتا تھا آج آیا تھا، لیکن کتنا ہراساں کتنا پریشان، کتنا دل گرفتہ، !
ساری رونق ختم ہوگئی، ساری گہما گہمی ویرانی سے بدل گئی، !
اس سوسائٹی کا ہر فرد کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا تھا،
اس مرکز کا ہر رکن کسی نہ کسی آفت کا شکار تھا، !
جیسے آفتوں، اور مصیبتوں نے ایکا کر کے بیوا سدن کے باشیوں کو یہاں کے رہنے والوں، اور آنے جانے والوں کو تاک لیا تھا، !
وہ سوچ رہی تھی، یہ دفعتہً ہوا کیوں بدل گئی؟
یہ ایک انقلاب آ گیا جس نے خوشی چھین لی، اور غم کا پہاڑ لاکر سامنے کھڑا کر دیا ———؟
یہ کیسی آزادی ہے جو اپنے ساتھ، غموں، اور تباہیوں کا توشہ لائی ہے؟
———!
کیا آزادی کی اسی لیے آرزو کی جا رہی تھی؟ کیا آزادی کا یہی مقصد تھا!
کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہونے والا ہے؟ ——— کیا ہو کر رہے گا، ؟
ذہن و دماغ میں اسی طرح کے لاجواب سوالات آ رہے تھے، ان کی یورش سے

وہ یہی جا رہی تھی کہ یکایک مسٹر سنگھ اور مسٹر تردیدی یاد آ گئے، ——————
ایک موت کا پیام بر، دوسرا خود قضائے مبرم"!

اسی سوچ اور فکر میں وہ بار بار پہلو بدل رہی تھی کہ جاوید نے آنکھیں کھولیں۔
یہ آنکھیں دیکھ کر اوما ڈر گئی، تن بدن سے کانپنے لگی۔

اس نے جاوید کو ہر رنگ میں دیکھا تھا، اور جس رنگ میں دیکھا تھا اچھا پایا تھا، دل اس کی طرف کھچتا تھا محبت کی لہریں اٹھنے لگتی تھیں اسے دیکھ کر،

مگر اس وقت یہ سرخ سرخ، لال بھبوکا آنکھیں کتنی خوفناک، کتنی ڈراؤنی نظر آ رہی تھیں، —————؟

اوما نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے مغموم، اور افسردہ لہجہ میں پوچھا،
اب طبیعت کیسی ہے؟

جاوید نے اسے گھورا، اور کچھ دیر تک گھورتا رہا، پھر کڑے تیور سے پوچھا،
تم کون ہو؟،

"تم کون ہو؟" یہ سوال جاوید کر رہا تھا، کس سے؟ اوما سے"! اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا،

آپ مجھے نہیں پہچانتے،؟ ————— میں اوما ہوں"!"

جاوید نے ایک مرتبہ پھر اسے تیز نظروں سے دیکھا، پھر سوال کیا۔
"تم اوما ہو؟ ————— تم اوما نہیں ہو، میں بھی جاوید نہیں ہوں، تم نہ جانے کون ہو، میں نہ جانے کیا ہوں،؟ ————— لیکن پھر تم کون ہو؟ اور میں کیا ہوں"؟"

اوما سرہانے آ کر بیٹھ گئی، پیار اور محبت کے انداز میں اس نے اپنا دست نازک اس کے سر پر رکھا، اور سہلاتی ہوئی بولی،

"آپ جاوید ہیں، میں اوما ہوں، ————— بتلائیے اب طبیعت کیسی ہے؟"

جاوید نے کوئی جواب نہیں دیا، آنکھیں بند کر لیں، اوما حسرت بھری نظروں سے اسے تکنے لگی۔ ان نگاہوں میں کتنا اضطراب تھا، کتنی پریشانی تھی، کتنا دکھ تھا!

ذرا دیر کے بعد پھر جاوید نے آنکھ کھولی، ——— وہی سرخ سرخ آنکھیں جن سے انگارے برس رہے تھے،!

اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر اوما کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اس ہاتھ کو آنکھوں سے لگالیا، اوما نے محسوس کیا، اس کا ہاتھ گیلا ہوتا جا رہا ہے، جاوید کی چشم غمناک نے اس کے ہاتھ کو بالکل تر کر دیا تھا، لیکن اس نے جنبش نہیں کی، ہاتھ نہیں ہٹایا، اسی طرح بیٹھی رہی، وہ سوچ رہی تھی، اچھا ہے اگر اس طرح دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے ———!

دفعتہً، پرخروش انداز میں جاوید نے سوال کیا،

"میرا پستول کہاں ہے؟"

یہ آواز، یہ بدلی ہوئی آواز سنکر اوما سہم گئی، اس نے آہستہ سے کہا،

"ہے، ——— میرے پاس رکھا ہے، پستول کا کیا ہوگا،؟ اسے کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟"

جاوید اٹھ بیٹھا، اس نے کرب آمیز نظروں سے اوما کی طرف دیکھا، پھر کہا،

"تمہارے پاس کیوں ہے؟ اسے میرے پاس ہونا چاہیے، لاؤ، مجھے دو، میں اس سے کام لوں گا،!"

اوما لرزنے لگی، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

ہاں اس سے ضرور کام لیجئے گا، لیکن، اس وقت؟ ——— اب رات ہے، ساری خلقت پڑی سو رہی ہے، اس وقت اس سے کیا کام لیا جا سکتا ہے،؟"

جاوید نے جواب دیا، اس سے میں ان لوگوں کو قتل کر دوں گا جو بے گناہوں
ہلاک کرتے ہیں، جو انسانوں کا خون بہاتے ہیں، جو ان لوگوں کی جان لیتے ہیں۔
ن کا اس کے سوا کوئی جرم نہیں کہ وہ فلاں مذہب، یا فلاں قوم سے کیوں تعلق
رکھتے ہیں، ———— کیوں اوما کیا ایسے لوگ اس قابل نہیں ہیں
کہ انھیں شوٹ کر دیا جائے، بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ انہیں موت کے گھاٹ
اتار دیا جائے، !؟

اوما نے جواب دیا ضرور ایسے لوگوں کو سزا ملنی چاہیے، میں منع نہیں کرتی
اس طرح کا جو آدمی نظر آ جائے آپ اس کا سینہ چھلنی کر دیجئے، لیکن ————

تیوری چڑھا کر برہمی کے عالم میں جاوید نے پوچھا،

لیکن؟ ———— لیکن کیا؟ کیا تم مجھے روکنا چاہتی ہو؟ سنگ گراں
بنکر میرے فرض کے راستہ میں حائل ہونا چاہتی ہو؟"

اوما نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا، میں منع کرنے والی کون؟ بھلا نیک اور اچھے
کام سے بھی کوئی روکتا ہے کسی کو؟ مگر آپ بیمار بھی تو ہیں، دیکھئے تو کیسا بھسا بھوت
بخار چڑھا ہوا ہے، اچھے ہو جایئے پھر جو چاہئے کیجئے گا، ———— !"

جاوید چیخا، "لیکن میرے اچھے ہونے تک تو نہ جانے کتنے بے گناہ لقمۂ اجل
ہو چکے ہوں گے، ———— نہیں میں اپنے اچھے ہونے کا انتظار نہیں
کر سکتا، میں ابھی جاؤں گا، ———— ابھی، اسی وقت، ————

یہ کہہ کر وہ اٹھا، اوما نے اسے روکنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ
ہو سکی، بستر سے اٹھ کر وہ جوش اور جذبہ کے عالم میں چند قدم چلا، اور
پھر تیورا کر گر پڑا، شاید اس کا سر پھٹ جاتا، جان پر بن جاتی، لیکن اوما نے
جس طرح بنا اسے سنبھال لیا، اور بستر پہ لا کر لٹا دیا، ————

وہ پھر بے ہوش ہو چکا تھا، !

اب اتنی رات کو ڈاکٹر بھی تو نہیں آ سکتا تھا، ——— !

جاوید بے ہوش پڑا تھا، اور ادما اس کے سرہانے پیکر یاس والم بنی بیٹھی تھی، ٭

(۶)

# گریۂ الم

ساری رات اسی طرح گزر گئی'!

اوما جاوید کی پٹی سے لگی بیٹھی رہی'!

صبح ہوئی تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ڈاکٹر کو فون کیا، ڈاکٹر اوما کی شخصیت اور قابلیت اور جذبۂ ایثار سے بہت متاثر تھا، فوراً بھاگا بھاگا آیا، آتے ہی شکایت کی،

"آپ نے اس وقت کیوں نہ بلا لیا مجھے'؟"

پھر اچھی طرح دیکھا بھالا، ایک انجکشن لگایا، دوا کے لیے کہا، ابھی جا کر بھیجتا ہوں، بڑی دیر تک اظہار ہمدردی کرتا رہا، اطمینان دلایا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے، اب بخار کا زور ٹوٹ چکا ہے، سرسام اور ہذیان کا دورہ نہیں پڑے گا،! جب تک یہ سوتے رہیں سونے دیجیے، جگانے کی کوشش نہ کیجیے جی نہیں اب بے ہوش نہیں ہے، وہ ایک عارضی کیفیت تھی، جو دور ہو چکی ہے'!

ڈاکٹر کی ان باتوں سے اوما کے قلب ناشکیب کو کسی حد تک تسکین ہوئی،

اس کے جاتے کے بعد وہ ایک آرم چیئر پر بالکل جاوید کے بستر کے قریب بیٹھ گئی، دودھ والا دودھ دے گیا، روٹی والا روٹی دے گیا، اخبار والا اخبار پھینک گیا دھوپ صحن تک پہنچ گئی، لیکن اوما اسی طرح اپنی جگہ بیٹھی رہی'! اسے نہ جانے کی فکر تھی، نہ ناشتہ کی، نہ اس کی کہ رات بھر میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی، اور دلی میں کیا کچھ گزر گیا'،!؟

کوئی آٹھ بجے کے قریب کملا آئی'،!

بال پریشان، آنکھیں اشک آلود، منہ فق، حواس گم'،!

آتے ہی جاوید کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے پوچھا،

"اب کیسے ہیں؟"

اس نے مختصر الفاظ میں ساری روداد شب سنادی، پھر سوالیہ نظروں سے، اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا،

"شیام کہاں رہ گیا؟"

کملا نے بتایا، وہ رضیہ کے ہاں ہے'!

اوما نے سوال کیا، انعام پر کیا گزری؟ اچھا تو ہے'؟ —— بچ تو جائے گا'،!؟"

کملا نے ایک آہ سرد کے ساتھ بتایا، "وہ جان ہار اب اس دنیا میں کہاں؟" —— زخموں کی تاب نہ لا سکا، مر گیا ——

اوما کا دل ہل گیا، آنکھوں میں آنسو آ گئے، بڑی حسرت سے پوچھا،

"مر گیا؟ —— زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا؟"

کملا نے جواب دیا، ہاں —— رضیہ کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی، کئی مرتبہ جب سے اب تک بے ہوش ہو چکی ہے، اور اس کا بوڑھا باپ، خدا ہی ہے

ب نیچے، نہیں ادما اس غم کو وہ نہیں جھیل سکے گا،! اس انعام کے بجائے ان
دوں نے اس بوڑھے کی گردن کاٹ لی ہوتی،! ۰

ادما چپ چاپ بیٹھی یہ باتیں سنتی رہی، پھر کملانے دریافت کیا،
چائے تو کیا پی ہوگی تم نے ؟ "

وہ بولی، " نہیں پی، نہ پیونگی،! " ——— بالکل جی نہیں چاہتا،!،

کملانے کوئی جواب نہیں دیا، اور کمرہ سے باہر چلی گئی، ذرا دیر کے بعد چائے
لی، اور چند سکے ہوئے ٹوسٹ لے کر آ گئی، اور ایک چھوٹی سی تپائی پر یہ سامان
ہوئی بولی،

" رات بھی تم نے کچھ نہیں کھایا، منہ جھٹال لو، ویسے ہی بڑی تندرست ہو، یہ
ں فاقہ اور زیادہ نڈھال کردے گا،!،

ادما انکار کرتی رہی، لیکن، کملانے زبردستی ایک پیالی چلے، اور ٹوسٹ
کسی طرح اس کی حلق سے اصرار اور زبردستی کرکے اتار ہی دی، پھر کہنے لگی،
" کم سے کم ہمیں یہ گھر تو چھوڑ دینا چاہیے،! " ——— یہ تواب کاٹنے
تا ہے، عیدل کی یاد ہر وقت بے چین رکھتی ہے، پھر مصلحت کا تقاضہ بھی یہی
!،

ادما دلگیر لہجہ میں بولی، کہنی تو ٹھیک ہو، لیکن اس افراتفری کے عالم میں کوئی
ں سکتا ہے بھلا؟ شہر میں ایک عجیب طرح کی سرد جنگ جاری ہے، اور ساتھ
تو گرم جنگ بھی، سرد جنگ کی وجہ سے ایک فرقہ کے لوگ، اپنے گھر چھوڑ چھوڑ
گ رہے ہیں، اور فوراً ہی دوسرے فرقہ کے لوگ ان پر قابض ہو جاتے ہیں،
م جنگ کا حال یہ ہے کہ جو زد میں آ گیا، مارا گیا بیچارہ، چاہے وہ کتنا ہی
کیوں نہ ہو،؟ دیکھو نا، عیدل غریب نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟ مگر مارا گیا،

انعام نے کب کسی سے لڑائی کی تھی، مگر، نہ بچ سکا، ہر روز اخبار میں اس طرح کی اطلاعیں آتی رہتی ہیں،—

کملا بولی، "ہاں، اب تو اخبار پڑھتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے'!"

اتنے میں جادید نے کروٹ بدلی، پھر آنکھیں کھول دیں، کملا نے اسے بتایا،

"اب آپ کا بخار اتر چکا ہے'!"

اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری، اور پھیکا سا تبسم اس کے لبوں پر کھیلنے لگا،

کملا نے پوچھا، "چائے دوں؟"

اور پھر جلدی سے ایک پیالی بنا کر سرہانے پہنچ گئی، گھونٹ گھونٹ کر کے چمچہ سے چائے پلانے لگی'! ٭

(۷)

# پیا چلے پردیس۔۔۔

معاملہ اب اکا دکا حملوں سے آگے بڑھ چکا تھا، اب پہلے سے زیادہ تنظیم، اور منصوبے کے ماتحت، بدامنی، اشتعال انگیزی، اور فتنہ و فساد کا سلسلہ جاری تھا، دہلی کی اصل آبادی، اقلیت بنتی چلی جا رہی تھی، ——— اس اقلیت میں ہندو بھی تھے، اور مسلمان بھی، ——— اور، باہر سے آنے والے لوگ، اکثریت کی صورت اختیار کرتے جا رہے تھے، اس اکثریت میں ہندو بھی تھے، اور سکھ بھی، اس اقلیت کا ایک حصہ ——— مقامی ہندو ——— سہما اور دبکا ہوا تھا، دوسرا حصہ ——— مسلمان ——— دہشت زدہ، اور سراسیمہ تھا، کیونکہ وہی ہدف ستم تھا، اس پر تابڑ توڑ حملے ہو رہے تھے، اسی کے افراد روز روشن میں قتل کیے جا رہے تھے، اس کے مظلوموں کی دادرسی، نہ پولیس کے ایوان میں ہوتی تھی، نہ وزارت داخلہ کے قصر عالی شان میں،

ایک طرف آنے والوں کا ریلا تھا، جو انبوہ در انبوہ انتقام، اشتعال، اور نفرت کا پیکر بنا ہوا، ایک فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو رہا تھا، دوسری طرف وہ سہمے ہوئے، دبکے ہوئے، ڈرے ہوئے لوگ تھے، جن کے لیے بھاگنے

کا راستہ بھی بند تھا،

سارے شہر میں عجیب طرح کا کھچاؤ محسوس ہو رہا تھا، عوام میں بھی اور پڑ
لکھے لوگوں میں بھی، حد یہ ہے کہ جو لوگ، قومیت متحدہ کے علمبردار تھے، اب وہ
عملی اور زبانی طور پر، دو قومی نظریہ کو تسلیم کرنے لگے تھے، ہندو مسلم اتحاد کا ن
لگاتے جن کی عمر گزری تھی، اب وہی تھے، ہندو کے ساتھ مسلم لفظ کا پیوند لگاتے ہو
جن کی جبیں پر شکن ہو جاتی تھی، گاندھی، نہرو، اور ان کے مٹھی بھر ہم خیالوں کے سو
کوئی نہ تھا، جو اب ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت محسوس کرتا ہو، جو ہندوستان میں رہ
والے مسلمانوں کو ہندوستانی سمجھتا ہو، جو انہیں غدار نہ خیال کرتا ہو، ——
انھیں بھی جنہوں نے کبھی کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیا تھا، اور ہمیشہ پر ام
زندگی بسر کرتے رہے تھے، اور —— انہیں بھی جنہوں نے، ہر نازک مرح
پر کانگرس کا ساتھ دیا تھا، کانگرس کے لیے پولیس کی لاٹھیاں کھائی تھیں، گول
سینے پر روکی تھیں، جیل گئے تھے، برخاست ہوئے تھے، اور طرح طرح کی مصیب
اور تکلیفیں خندہ جبینی کے ساتھ برداشت کی تھیں، !

پریم ناتھ، ایسوسی ایٹڈ پریس کا نمائندہ تھا، زندہ دل، ہنس مکھ، یار باش
بڑا کٹر قوم پرور، کئی مرتبہ جیل کی سیر بھی کر چکا تھا، وزیر داخلہ کی پریس کانفرنس
میں وہ بھی موجود تھا، وزیر داخلہ یعنی سردار پٹیل گاندھی جی سے ملنے ان کی قیام گا
پر گئے ہوئے تھے، اور ابھی تک نہیں آئے تھے، وقت گزاری کے لیے حاضر الوقت
نمائندگان صحافت نے آپس میں بات چیت اور بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع کر د
کئی لوگوں سے ملنا، باتیں کرنا، لطیفے سنانا، مخالف سیاسی مسلک رکھنے والی بعض
شخصیتوں پر طنز کرنا، آیا، اور جاوید کے پاس بیٹھ گیا، دو کرسیاں چھوڑ کر کملا بھی
بیٹھی ہوئی تھی، جاوید اگرچہ تندرست ہو چکا تھا، لیکن اب تک کمزور اور نڈھال تھا

کرسی کی پیٹھ سے ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لگا رہا اور کچھ سوچ رہا تھا،
پریم ناتھ نے جاوید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا،
"کہئے آپ پاکستان کب جا رہے ہیں'؟"
جاوید چونک پڑا، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ سنبھل کر بیٹھ گیا، اس نے زہر خند کرتے ہوئے کہا،
"کیوں جاؤں'؟ ——— وہاں کیا رکھا ہے،
پریم ناتھ نے لطف لیتے ہوئے جواب دیا، "وہاں اسلام ہے، ملت اسلامیہ ہے، ملت اسلامیہ کا قومی وطن ہے' کیا نہیں ہے؟"
آپس میں باتیں کرتے ہوئے لوگ، پریم ناتھ کی یہ جلی کٹی باتیں سنکر چپ ہو گئے توجہ اور دلچسپی سے یہ نوک جھونک سننے لگے، جاوید نے کہا،
"میرا اسلام، میرے ساتھ ہے، میری ملت اسلامیہ کروڑوں کی تعداد میں یہاں بھی موجود ہے، لہذا مجھے کہیں جانے کی ضرورت نہیں، رہی یہ بات کہ پاکستان مسلمانوں کا قومی وطن ہے، تو مسلمانوں کا قومی وطن انڈونیشیا بھی ہے، ایران بھی ہے، ترکیہ بھی ہے، مصر بھی ہے، عراق بھی ہے، شام بھی ہے، لبنان بھی ہے، اور سعودی عربیہ بھی ہے، یمن بھی ہے مراقش بھی ہے، جب میں ان ممالک میں سے کسی ملک میں نہیں گیا، تو پاکستان کیوں جاؤں؟"
کملا کھل کھلا کر ہنس پڑی، اس نے کہا، "پریم ناتھ جی' یہاں آپ کی دال نہیں گلے گی، اب دیکھئے جواب جاوید صاحب کو'!"
پریم ناتھ اب تک سنجیدہ تھا، اب کچھ مشتعل سا نظر آنے لگا، کملا کو نظرانداز کر کے اس نے جاوید سے کہا،
"آج نہیں تو کل جائیں گے، جانا ہی پڑے گا جاوید صاحب'!"

جاوید کا چہرہ تمتما اٹھا، وہ بولا، "کیوں جانا پڑے گا؟ کیا اس دنیا میں کوئی ایسی طاقت بھی ہے جو مجھے میرے وطن سے نکال سکتی ہے، ؟"

پریم ناتھ: ہاں ہے، حقائق کی طاقت،

جاوید: حقائق کی نہیں اوہام کی، تعصب کی، تنگ دلی کی، اس طاقت کا وجود تسلیم کرتا ہوں، لیکن اسے اپنے پاؤں تلے روندنے کی طاقت بھی رکھتا ہوں،!!"

پریم ناتھ: (قہقہہ لگا کر) نہیں جاوید صاحب، اگر یہ طاقت ہوتی تو پاکستان نہ بننے دیتے آپ، ؟"

جاوید: مسٹر پریم ناتھ، یہ طاقت مجھ میں تو ہے آپ میں نہیں ہے، پاکستان میں نے نہیں بنوایا ہے، قائد اعظم کے سر بھی اس کام کا سہرا نہیں ہے، یہ تو آپ کا، آپ جیسوں کا لازوال غیر فانی کارنامہ ہے،

پریم ناتھ: یہ تو بہت عجیب سی بات کہدی آپنے،

جاوید: عجیب تو نہیں ہے، بس کہئے آپ اسے ماننا نہیں چاہتے، آپکے دل کا چور اسے تسلیم کرتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے، عجیب بات تو یہ ہے کہ اکثریت اقلیت سے ڈرے، آپ اکثریت میں تھے، لیکن اقلیت سے خوف کھاتے رہے، عجیب بات یہ ہے کہ اکثریت اقلیت سے لین دین کرے، آپ اکثریت میں ہونے کے باوجود، کبھی فیاض نہ بن سکے، کبھی معاملہ فہم نہ بن سکے، ہمیشہ رتی، ماشہ تولہ کا حساب کرتے رہے، عجیب بات یہ ہے کہ آپ کی اکثریت اس پر مصر رہی کہ پنجاب، سندھ، سرحد، بنگال اور مسلم اکثریت کے دوسرے علاقے خود ارادیت کا نام نہ لیں، ہندوستان سے وابستہ رہیں، مگر یہ گوارا نہ کرسکی کہ متحدہ ہندوستان میں چند روز کے لیے آسام، بنگال سے ملحق ہو جائے، عجیب بات یہ ہے کہ آپ کی اکثریت نے سب کچھ خود لے لینا چاہا، اور اقلیت سے سب کچھ چھین لینا

پاپا، آپ اگر ذرا رواداری سے عالی ظرفی سے، حوصلہ مندی سے، معاملہ فہمی سے کام لیتے، تو کس کی مجال تھی کہ پاکستان بنا سکتا، ؟ اور آج بھی آپ کی شرافت اور عالی ظرفی کا یہ عالم ہے کہ آپ مجھ سے، جو ہمیشہ پاکستان کا مخالف رہا، جس نے پاکستان کی مخالفت کر کے اپنی قوم کی گالیاں کھائیں، مار کھائی، ذلیل ہوا، فرما رہے ہیں کہ پاکستان چلا جاؤں، ؟ آپ کیوں نہیں جاپان چلے جاتے ؟ لنکا، برما نیپال، ان سب کی آغوش محبت آپ کے لیے وا ہے، تشریف لے جایئے،

پریم ناتھ: یہ تو ضد کی باتیں ہیں، صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ ملک کی تقسیم مذہب کی بنا پر ہوئی ہے، لہذا کسی مسلمان کو اب اس ملک میں رہنے کا حق نہیں ہے،

جاوید: یہ ان لوگوں سے کہیے جو مذہب کی بنیاد پر تقسیم ملک کے مخالف تھے، مگر، مان گئے، اور آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ ان مجرموں میں گاندھی جی پنڈت جی، سردار صاحب، اور سارے کانگرسی لیڈر شامل ہیں، میں تو مذہبی، سیاسی، تہذیبی، ہر اعتبار سے تقسیم کا مخالف پہلے بھی تھا، اب بھی ہوں، اور آئندہ بھی رہوں گا، مجھے کون نکال سکتا ہے،

پریم ناتھ: آخر اب آپ کا یہاں ہے کیا ؟ کس لیے پڑے ہیں آپ ؟"

جاوید: کیا یہ کوئی معمولی سبب تھا کہ یہ ملک میرا وطن ہے، ؟ اور یہ آپ نے کیا کہا کہ اب میرا یہاں ہے کیا ؟"

پریم ناتھ: جی ہاں، اپنے یہ الفاظ اب بھی دہرانے کو تیار ہوں، ——!

جاوید: پریم صاحب، میرا جو کچھ یہاں ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو آپ کا یہاں ہے، —— کیا تاج محل میرا نہیں ہے ؟ کیا جامع مسجد حسن دل آویز میرا نہیں ہے ؟ کیا علی گڑھ میرا نہیں ہے ؟ ندوہ میرا نہیں ہے ؟

فرنگی محل میرا نہیں ہے ؟ دیو بند میرا نہیں ہے'؟ کیا وہ زبان جو آپ بول رہے ہیں میری نہیں ہے ؟ کیا وہ لباس جو آپ کا "سرکاری" لباس ہے، یعنی شیروانی اور پاجامہ "میرا نہیں ہے ؟ کیا وہ برتن میرے دیے ہوئے نہیں ہیں جن میں آپ لنچ اور ڈنر کھاتے ہیں ؟ کیا وہ صدہا دیہات، قصبے، اور شہر میرے نہیں ہیں، جن پر آج بھی میری چھاپ لگی ہوئی ہے، احمد نگر، حیدر آباد، فرخ آباد لکھنؤ، آگرہ، فیض آباد، جونپور، اعظم گڑھ، آپ کے وزیر اعظم کا وطن مالوف الہٰ آباد آپ کے وزیر داخلہ کی جنم بھومی احمد آباد، میرے نہیں ہیں'، ؟ اجازت ہے کیا ان سب کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں ؟ ——— لیکن پھر آپ کے پاس کیا رہ جائے گا ؟،

پریم ناتھ : یہ نہایت مہمل، اور ناقابل برداشت باتیں کر رہے ہیں آپ،

جاوید : جی ہاں، لیکن مہمل اور ناقابل برداشت باتوں کے جواب ہیں، سچی، اور کھری باتیں، ——— مسٹر پریم ناتھ، اس ملک کو ابھی میری ضرورت ہے، ابھی میں بہت کچھ دوں گا اسے، بہت کچھ سکھاؤں گا۔!

پریم ناتھ : (آنکھیں نکال کر، حیرت سے) اچھا، !

جاوید : جی ہاں، ——— ایک سبق تو ابھی دیتا ہوں، --

——— شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات، ! ———

وہ سبق یہ ہے کہ آج سے ۱۴ سو برس پہلے، ایک بے آب و گیاہ ملک ——— عرب ——— میں ایک شخص پیدا ہوا، جس کا نام محمدؐ تھا، جس نے بت پرستی کے خلاف کہا، اور توحید کی دعوت دی، یہ دعوت سنکر اس کی قوم اس کی مخالف ہوگئی، ایذا رسانی پر آمادہ ہوگئی، قوم نے اسے تنگ، انتہائی تکلیفیں پہنچائیں، ان کا بائیکاٹ کر دیا، اس پر زندگی اجیرن کر دی، اسے اور

اس کے ساتھیوں کو بالآخر ہجرت پر مجبور کر دیا، اور وہ مدینہ چلا گیا، ———

پریم ناتھ: تاریخ کی یہ ابتدائی باتیں ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے،

جاوید: لیکن آپ نہیں جانتے، سنیے، غور سے سنیے میں کیا کہہ رہا ہوں،

پریم ناتھ: آپ اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہیں،

جاوید: آپ کو میری بات سننی پڑے گی، ——— ہاں تو وہ مدینہ چلا گیا، وہاں اس کے پیرووں کا حلقہ بڑھا، یہ چھوٹی سی جماعت ایک قوم بن گئی، ایک مضبوط، طاقتور، اور توانا قوم، فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے اپنے ملک میں داخل ہوئی، یہ بڑا عجیب منظر تھا، اس نئی قوم کو فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے آتا دیکھ کر مکہ کی ساری قوم بید لرزاں کی طرح کانپنے لگی، اسے اپنے جرائم ایک ایک کر کے یاد آنے لگے، قتل، ایذا رسانی، تشدد اور ننگ انسانیت مظالم کے وہ تمام ہولناک واقعات ایک ایک کر کے یاد آنے لگے، جو اس نے اس نئی قوم کے میر کارواں ؐ، اور اس کے ساتھیوں پر توڑے تھے، وہ دہل رہی تھی کہ اب نہ اس کی جان کی خیر ہے، نہ مال کی، نہ عزت کی، نہ ناموس کی، اور واقعتہً یہ لوگ اپنے اعمال زشت کے لحاظ سے مستحق بھی اس کے تھے کہ آج ان کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جاتا اور وہ یہی تھا کہ انہیں تلوار کے حوالے کر دیا جاتا، ——— لیکن مسٹر پریم ناتھ، اگر آپ جانتے ہیں تو یہ معلوم کر کے آپ کو حیرت ہو گی کہ اس نئی قوم کے میر کارواں ﷺ نے بلا تحقیق ان تمام مجرموں کو، ان تمام گنہگاروں کو، معاف کر دیا، یہی نہیں بلکہ ان زشت کاروں کے سردار ابوسفیان کے مکان کو جائے امن قرار دیدیا، جو مجرم اس کے گھر میں پناہ لے محفوظ۔ اس عفو و کرم کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگل کی آگ کی طرح اسلام پھیلنے لگا، بڑھ بڑھ کر، رضاکارانہ طور پر وہ لوگ مسلمان ہونے لگے، جنھوں نے اسلام کی جڑ کاٹنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا،

ان لوگوں پر اعتماد کیا گیا، انہیں نوازا گیا، ان کی قدر کی گئی، آپ کو یہ معلوم کر کے اور زیادہ حیرت ہوگی محمدؐ کے سب سے بڑے دشمن ابو لہب کا بیٹا عکرمہ جلیل القدر صحابی رسولؐ بن گیا، ——— کیا یہ واقعہ سبق آموز نہیں ہے؟ اگر ہے تو ذرا اپنے وزیر داخلہ صاحب کے سمع مبارک تک اسے پہنچا دیجئے گا، جو ہر مسلمان سے "وفاداری" کا ثبوت طلب کر رہے ہیں، گویا اس کا غدار ہونا، ثبوت اور دلیل کا محتاج نہیں ہے، وہ تو ایک طے شدہ حقیقت ہے، البتہ اس کا وفادار ہونا اتنا ناقابل یقین حادثہ ہے کہ اس کے لیے ثبوت کی ضرورت ہے، اور ثبوت بھی وہ جو ان کے لیے ناقابل قبول ہو، محض اعلان، و اعتراف کافی نہیں، اگر ہوتا، تو جب مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر، چودہری خلیق الزماں نے دستور ساز اسمبلی میں ہندوستان سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا تھا اور ترنگے جھنڈے کو سلامی دی تھی، تو وزیر داخلہ صاحب ان کو یہ طعنہ دے کر کہ ایک رات میں ملک کی یہ تبدیلی ناقابل یقین ہے، اپنی شرمناک تنگ دلی کا ثبوت نہ دیتے، اگر عالی ظرفی اور معقولیت ہوتی، تو وہ خلیق صاحب کو گلے سے لگا لیتے، اعلان کر دیتے کہ ہر وہ مسلمان جو ہندوستان میں رہ رہا ہے وفادار ہے جب تک اس کی غداری اور وطن دشمنی ثابت نہ ہو جائے، اعلان کر دیتے کہ ہم نے چونکہ بہ ثبات ہوش و حواس بغیر کسی جبر و اکراہ کے ملک کی تقسیم قبول کی ہے، لہذا قبول از تقسیم کا صفحہ بند کیا جاتا ہے، پچھلے واقعات پر نہ کوئی باز پرس ہوگی، نہ سزا دی جائے گی، نہ طعنہ زنی کی جائے گی، ——— کہتے مسٹر پریم ناتھ آپ کو یقین آیا کہ انہیں میری اس ملک کو ضرورت ہے، مجھے یہاں رہنا چاہیے، اور انسانیت کبریٰ کا یہ بھولا ہوا سبق بار بار آپ کو، آپ کے وزیر داخلہ کو، اور ان تمام لوگوں کو، جن کی فکر میں کجی ہے، دینا چاہیے"!

جاوید یہ تقریر کر رہا تھا، اور حاضرین دم بخود اس کی تقریر سن رہے تھے—!

سب پر سناٹا چھایا ہوا تھا، سب کھوئے کھوئے سے نظر آ رہے تھے، ! —
ن لف بھی، اور موافق بھی، دوست بھی اور دشمن بھی، حریف بھی اور ساتھی بھی، !

پریم ناتھ کی ہستی گم تھی، ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا، !

اس نے زہر خند کرتے ہوئے کہا،

" مجھے خوشی ہے کہ میں نے مشتعل کر کے وہ باتیں کہلوا لیں، جو شاید آپ کبھی نہ
ہتے، ان باتوں سے ثابت ہو گیا کہ آپ لاکھ کھدر پہنیں، کانگرسی بنیں، قوم پرور اور
شنلسٹ ہونے کا دعویٰ کریں، لیکن در حقیقت آپ بھی اتنے ہی کٹر مسلم لیگی ہیں، جتنا
ب کٹر مسلم لیگی کو ہونا چاہیئے، ——— اس قسم کی باتیں، ڈان بھی لکھتا ہے
ائدِ اعظم اور لیاقت علی خاں بھی فرماتے ہیں، آج آپ نے بھی ان کے سر میں سر ملا
یا، !، بس اب صرف اتنی کسر ہے کہ پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگا دیجئے، !،

جاوید نے کہا، پاکستان جب بنا ہے تو زندہ رہنے کے لیے ہی بنا ہے، لہذا
ندہ باد کا نعرہ لگانا ایک حقیقت کا اعتراف کرنا ہے، باقی رہا میرا مسلم لیگی ہونا، یا
نگرسی نہ ہونا، تو اس کے لیے مجھے نہ آپ سے سند لینی ہے، نہ تصدیق کرانی ہے،

رقیب سرٹیفکٹ دیں تو عشق ہو تسلیم
یہی ہے عشق تو پھر ترک عاشقی اولیٰ

! ———

یہ کہہ کر جاوید اٹھا، اور کاغذات کا پلندا بغل میں دبایا، اور خاموشی سے باہر
کل گیا، !

اس کے جلتے جلتے حاضرین میں سے کسی دل جلے نے فقرہ چست
کیا،

" پیا چلے پردیس، ———

جس پر بیعت سے لوگ ہنس پڑے، لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا، اپنی راہ چلا گیا،!

پریم ناتھ جاوید کے جانے کے بعد، چٹکلے اور لطیفے سنتا اور سناتا رہا ہنستا اور قہقہے لگاتا رہا، غیر متاثر اور مطمئن نظر آتا رہا، لیکن اس کا رنگ رخ بتا رہا تھا کہ جاوید کی کھری باتیں اس کے لیے دشنہ و خنجر سے کم نہیں ثابت ہوئیں وہ قائل نہ ہو سکا، لیکن دل کی خلش کا شکار ضرور بن گیا،! •

---

## (۸)

# "مرا حق ہے فصلِ بہار پر!"

کملا گھر پہونچی تو رات کے آٹھ بج چکے تھے، ادما ایک آرام کرسی پر نیم دراز کوئی بنگالی رسالہ پڑھ رہی تھی، چاپ سن کر نظر اٹھائی، کملا کو سامنے کھڑا دیکھا، اور تیکھے لہجہ میں بولی،

"اکیلی؟ ——— جاوید صاحب کہاں رہ گئے،؟ کے دفعہ کہا ہے آج کل کی فضا میں انہیں اِدھر اُدھر گھومنے نہ دیا کرو، اسی لیے خاص طور پر تمہیں ان کے ساتھ پریس کانفرنس میں بھیجا تھا، ——— کہاں گئے ہیں کچھ منہ سے بولو تو سہی،"!،

ایک مجرم کی طرح کملا نے کہا، "وہ تو یہیں آئے تھے"!"

ادما گھبرا گئی، لیکن وہ یہاں تو نہیں آئے، کب چلے تھے یہاں کے لیے؟"

کملا خود بھی کافی پریشان نظر آرہی تھی، کہنے لگی، انہیں تو چلے ہوئے دو گھنٹے سے قریب ہو چکے ہیں،"!"

ادما کا چہرہ سفید پڑ گیا، "کیا کہا دو گھنٹے؟ ——— پھر وہ کیوں نہیں آئے،؟ ——— کہیں کوئی حادثہ تو نہیں پیش آ گیا، کملا یہ تم نے کیا کیا؟"

یہ کہتے کہتے، اوما کی آواز لرزنے لگی، اور آنکھیں پرنم ہو گئیں،

کملا نے ویسے ہی کھڑے کھڑے کہا، " جاتی ہوں ڈھونڈ لاتی ہوں، انہیں کوئی حادثہ نہیں پیش آ سکتا، تم تو خواہ مخواہ پریشان ہو کر دوسروں کو بھی پریشان کر دیتی ہو،" ———

وہ جانے کے لیے مڑی تھی کہ اوما کی آواز آئی، ——— لیکن تم ان کے ساتھ کیوں نہ آئیں وہاں کیا کر رہی تھیں اب تک؟"

وہ بولی، " ان سے اور پریم ناتھ سے چوٹ ہو گئی، وہ خفا ہو کر کانفرنس سے اٹھ آئے، اچھا خاصا دن تھا اس وقت، میں نے سوچا، آئی ہوں تو رپورٹ لے لوں، وہاں سے دفتر گئی، دفتر ہی سے آ رہی ہوں"!

اوما نے سوال کیا، پریم ناتھ سے کیوں الجھ پڑے؟ ذرا چڑچڑے تو ہو گئے ہیں بیماری کے سبب ——— لیکن نہ اتنے کہ ہر کسی سے لڑ جائیں، ضرور اس نے کوئی ایسی ویسی بات کی ہو گی،"!

کملا نے جواب دیا، ہاں آج نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا، چھٹتے ہی پوچھ بیٹھا کہیے جاوید صاحب کب جا رہے ہیں آپ پاکستان؟ ——— یہی نہیں اور بھی بہت سی ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگا، پھر جاوید صاحب بولنے پر آئیں تو، تو کون روک سکتا ہے انہیں؟ وہ وہ سناتی ہیں کہ دماغ جھک ہو گیا ہو گا حضرت کا، سچ اوما، جاوید صاحب بگڑ بگڑ کر بول رہے تھے تو ان کا بانکپن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، اچھا ہوا تم نہیں تھیں ورنہ وہیں سجدے میں گر پڑتیں، کیا سج دھج تھی، کیا ادا تھی، کیا شان تھی، سب کی زبان بند تھی، اور دم بخود بیٹھے اس شیر کی گرج سن رہے تھے،

اوما نے تنک کر کہا، " ابھی بھیگی بلی بنی تھیں، اب آ گئیں اپنے رنگ پر،؟

جاتی ہو یا یہیں کھڑی ٹرٹر کرتی رہو گی،؟

کملا نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ جاوید آگیا، کملا اسے نہ دیکھ سکی کیونکہ دروازے کی طرف پیٹھ کیے کھڑی تھی، اوما نے دیکھ لیا، اور دیکھتے ہی اوما کی باچھیں کھل گئیں اس کی، بے ساختہ بولی، "وہ آ بھی گئے،!"

کملا نے پلٹ کر دیکھا تو جاوید دروازے میں کھڑا تھا، اسے دیکھتے ہی کملا نے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور بولی، "شکر ہے مالک تیرا، جاوید صاحب آج تو نہ جانے کس جرم کی سزا دی تھی آپ نے، آخر کہاں رہ گئے تھے،؟ یہاں تو روتے روتے ——————

اوما نے ڈانٹا، "بکواس بند کرو،"

کملا نے بکواس بند کر دی، جاوید حیرت سے اوما اور کملا کی طرف دیکھنے لگا، اتنے میں شیام بھی آ گیا، اس کے ساتھ مہندر بھی تھا، گوپی چند بھی، مہیش بھی اور جگت نرائن بھی، یہ سب ہم پیشہ لوگ تھے، اسٹیمن ڈی پریس ٹائمز آف انڈیا اور امرت بازار پتریکا کے نمائندے تھے، ہندوستانی صحافت میں ان کے بیباک طرز نگارش نے ایک نئی زندگی پیدا کر دی تھی، سب قوم پرست تھے، کانگرس کے وفادار اور علمبردار، نوجوان، اور حب وطن کے جوش سے معمور،

ملہوترا نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، جاوید صاحب ہم سب آپ کو منانے آئے ہیں، پریم نے بڑی بے ہودگی کی آج،!"

جاوید نے کوٹ ایک طرف رکھ کر اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے کہا، لیکن یہ بیہودگی اب عام ہوتی جا رہی ہے،!

ملہوترا نے کہا، عام ہوتی تو ہم ایک گناہ گار کی طرف سے یہاں معافی مانگنے آتے ؟

جاوید نے جواب دیا اس نوازش کا شکر گزار ہوں لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب سے پاکستان بنا ہے، ملک تقسیم ہوا ہے، دوستوں اور ساتھیوں کی نظریں بدلی ہوئی پا رہا ہوں، مجھے اور مجھ جیسے دوسرے کانگرسی مسلمانوں کو ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں جو پکار پکار کر کہتی ہیں کہ تم مسلمان ہو، لہذا، نہ وطن پرست ہو سکتے ہو، نہ قابل اعتماد، نہ مخلص، تمہارا یہ کھدر کا لباس دھوکا ہے، تمہاری یہ کانگریسیت فریب ہے، تمہارا یہ نیشنلزم، عیاری ہے، تم وطن دوست ہو ہی نہیں سکتے، اخلاص سے تمہیں کیا واسطہ، ؟ تم اور وطن، ؟ یہ دونوں متضاد باتیں ہیں، ان ہونی، ناقابل یقین، ان نگاہوں میں مجھے یہ لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ پاکستان بنانے میں تمہارا ہاتھ بھی ہے، تم بھی پاکستانی ہو، خیریت چاہتے ہو تو جاؤ، ورنہ تیار ہو جاؤ، پٹنے یا مرنے کے لیے، بتایئے ایسا کیوں ہے ؟"

مہندر نے گفتگو میں حصّہ لیتے ہوئے کہا، بات در اصل یہ ہے کہ تقسیم ملک نے جذبات مشتعل کر دیے ہیں،——

جاوید نے پوچھا، کس کے جذبات مشتعل کر دیے ہیں ؟"

" سب کے !" مہندر نے کہا، "ہر ہندو اور سکھ، اس غم سے بے چین ہے خاص طور پر وہ ہندو اور سکھ جو لٹ پٹ کر یہاں آئے ہیں، !"

" دیکھو مہندر، ایسی باتیں نہ کرو، جو خود فریبی، یا فریب کاری کی غماز ہوں میں پوچھتا ہوں، یہ اشتعال کیوں ہے" ؟ کس پر ہے ؟ اگر کانگرس اڑ جاتی کہ ہندوستان تقسیم نہیں ہوگا، لیکن ہو جاتا تو آپ سب کانگریسیوں کو مشتعل ہونے کا حق تھا، لیکن گاندھی جی سے لے کر، سردار پٹیل تک، سب نے بہ ثبات ہوش و حواس اور بلا جبر و اکراہ وائسریگل لاج میں ماؤنٹ بیٹن کے سامنے تقسیم کا اصول تسلیم کیا، اس کی تائید میں بیانات دیے، ریڈیو پر تقریریں کیں، امن، دوستی، اور

اخوت کے ترانے الاپے اور پھر مشتعل ہو گئے، یہ کیا بات ہوتی؟ گاندھی جی،
جواہر لال، پٹیل، کرپلانی، سب نے تقسیم مان لی، مولانا آزاد اور ہم جیسے ان کے
پیرو، آخر وقت تک اڑے رہے، کہ تقسیم نہیں ماننی چاہیے، مشتعل ہمیں ہونا
چاہیے تھا، لیکن ہو رہے ہیں آپ؟ اس دھاندلی کی بھی کوئی انتہا ہے؟ الٹا چور
کوتوال کو ڈانٹے اسی کو کہتے ہیں، اب پنجاب کو لیجیے، اگر وہاں کے ہندو اور سکھ
چاہتے تو پنجاب ہرگز تقسیم نہ ہوتا، لیکن انھوں نے خود چاہا، ووٹ دیے، اسمبلی
میں تجویز منظور کی، اور یہ سب کچھ کر کے مشتعل ہو گئے، کتنی بڑی ستم ظریفی ہے یہ
بھی پنجاب اگر تقسیم نہ ہوتا، یا اگر تقسیم ہوا تھا، مگر جبری تبادلۂ آبادی نہ ہوتا، تو
ہرگز اتنے عظیم اور وسیع پیمانہ پر کشت و خون نہ ہوتا، لیکن جن لوگوں نے اس
کی تقسیم منظور کی تھی، انہی نے جبری تبادلۂ آبادی کا اصول بھی منظور کیا، اور منظور
کرایا، جناح صاحب، اور لیاقت علی خاں تو تبادلۂ آبادی کے حامی نہ تھے، بڑی
مشکل سے راضی ہوئے، تو انبالہ ڈویژن کے لیے، پھر زور دیا گیا تو جالندھر ڈویژن
تک کے لیے، لیکن بالآخر انہیں پورے مشرقی اور مغربی پنجاب سے ہندو سکھ
مسلم انخلا کا اصول ماننے پر مجبور کر دیا گیا، اور جب اس تقسیم، اور تبادلۂ آبادی
کے ناگزیر نتائج سامنے آئے، تو اشتعال پھیلنے لگا، ہر بے تکا اصول منظور کرتے
جاییے، اور پھر مشتعل ہو ہو کر، ان لوگوں کو جنہوں نے ان بے تکے اصولوں کو
ماننے سے انکار کیا تھا، گالیاں دیجیے، مذاق اڑائیے ان کا، طنز کیجیے ان پر،
یہ بھلمنسائت ہے؟ پریم ناتھ صاحب مجھ سے فرما رہے تھے میں پاکستان چلا
جاؤں؟ کیا ہندوستان میرا نہیں ہے صرف انہی کا ہے، کیا یہ آزادی جو ملی ہے
اس میں میرا حصہ نہیں ہے؟ کیوں چھوڑ دوں اس حصہ کو؟ ——— میں
چمن میں چاہے جہاں رہوں، میرا حق ہے فصل بہار پر،

مہندر بڑی محویت سے جاوید کی باتیں سنتا رہا، پھر بولا،

"لیکن اگر کچھ لوگ اس طرح کی بکواس کرتے ہیں تو آپ کیوں کان دھرتے ہیں ان کی باتوں پر، !"

کملا بولی، "ہاں اور کیا یہی تو میں بھی کہتی ہوں، !"

شیام نے بھی تائید کی، "اس کان سنئے، اُس کان اڑا دیجئے، ان بیہودہ اور لایعنی باتوں کو، !"

جاوید نے جواب دیا، اگر "کچھ لوگ، اس طرح کی باتیں کرتے تو واقعی میں ایسا ہی کرتا، لیکن میں تو اگر سب کو نہیں، تو بہتوں کو اسی طرح کی باتیں کرتے دیکھ رہا ہوں، کس کس کی باتیں سنی کی ان سنی کردوں؟ کس کس کے طنز یات کا جواب نہ دوں؟ کس کس کے چبھتے ہوئے فقروں کو اس کان سنوں اُس کان اڑا دوں؟ مجھے تو ساری فضا میں یہی نعرے سنائی دے رہے ہیں، "، یہ صحیح ہے کہ عملاً میں ان سے متاثر نہیں ہو سکتا، نہ میرے مسلک میں فرق آ سکتا ہے، نہ اس ملک سے رخت سفر باندھ سکتا ہوں، لیکن سنوں، اور ذہن و دماغ کو مفلوج بنا لوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، !"

مہیش نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، "لیکن جاوید صاحب ایک بات تو ماننی پڑے گی، !"

جاوید نے کچھ پوچھا نہیں سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھنے لگا، وہ کہنے لگا،

"یہ بہر حال واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا کہ ہندوستان آزاد نہ ہو، پھر آزادی ملنے کے بعد اس کی نعمتوں میں وہ اپنا حق کیوں طلب کرتے ہیں، ؟"

جاوید نے زہر خند کرتے ہوئے کہا، "مہیش بابو، آپ بھی اسی رو میں بہ رہے ہیں جس میں پریم ناتھ بہ رہا ہے، مجھے اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ نے جنگ آزادی کے اس آخری مرحلہ میں ہمارا ساتھ نہیں دیا، لیکن کیا مہاسبھا نے دیا؟ جن سنگھ نے دیا؟ لبرل پارٹی نے دیا؟ کیا ان جماعتوں کے ساتھ لاکھوں کروڑوں ہندو نہیں ہیں، پھر کیا ان جماعتوں اور ان کے پیروؤں کو بھی آزادی کی نعمتوں سے محروم کرنے کا آپ نے فیصلہ کر لیا ہے؟ پھر اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کیجئے کہ، مہاسبھا وغیرہ نے اپنے پیروں سمیت ہمیشہ کانگرس کی مخالفت کی، انگریزوں کا ساتھ دیا، لیکن مسلمانوں نے کانگرس کو کانگرس بنایا، اسے نئی زندگی دی، نیا خون دیا، اسے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے لاکھوں روپیہ دیا، اس کی ہر پکار پر لبیک کہا، جب مہاسبھا کے لیڈر بنارس ہندو یونیورسٹی کو انگریزوں کی سرپرستی میں قائم رکھنے پر مصر تھے، خلافت کے لیڈروں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے دروازے پر تالا ڈال دیا تھا، جب گاندھی جی کا کوئی ساتھ نہیں دے رہا تھا، پٹیل صاحب احمد آباد میں وکالت کر رہے تھے، موتی لال الہ آباد میں پریکٹس کر رہے تھے، سی آر داس کلکتہ میں بیرسٹری کر رہے تھے وہ محمد علی، شوکت علی تھے جنھوں نے گاندھی جی کا ساتھ دیا، انہیں لے کر ہندوستان کے شہر شہر اور دیہات دیہات گھومے، اور سارے ملک میں آزادی کی تڑپ اور لگن پیدا کر دی، کیا مسلمانوں کا یہ تاریخی کارنامہ فراموش کیا جا سکتا ہے؟ ابھی چند سال پہلے کا واقعہ ہے کہ جب گاندھی جی آغا خاں پیلس میں مرن برت رکھے ہوئے تھے، مہاسبھائی لیڈر، وائسرائے کی اکزیکٹو کونسل میں شریک تھے، لیکن جناح صاحب نے ایک لیگی کو بھی اجازت نہ دی برائی کے ساتھ بھلائی کا یاد رکھنا بھی سیکھیے مہیش بابو!"

"آپ میں سے جو صاحب "پینا" چاہتے ہوں وہ تشریف لائیں، ——— چلئے حاضر ہے"!

سب لوگ ہنستے ہوئے ڈائننگ روم کی طرف بڑھے، مہندر نے کہا، "گندم اگر بہم نہ رسد بھُس غنیمت است چلئے چائے سہی"!

پھر ایک قہقہہ پڑا، ! ٭

---

گوپی ناتھ نے ہنستے ہوئے کہا، "اب بھی آپ کو انکار ہے کہ آپ لیگی اور پاکستانی نہیں ہیں، یہی باتیں تو جناح صاحب بھی کہتے ہیں، !"

جاوید نے جواب دیا، "جناح صاحب اگر سچ بولتے ہیں — تو کیا ان کی ضد میں جھوٹ بولنا شروع کر دوں؟"

اس جملہ پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا، جاوید نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، "یہ آزادی جان جوکھوں میں ڈال کر ہم نے حاصل کی ہے، اگر ہم اپنے دل میں وسعت نہ پیدا کر سکے، اگر تعصب سے اپنا دامن نہ بچا سکے، اگر تنگ نظری کو ترک نہ کر سکے، تو یہ آزادی وبال بن جائے گی، اسے قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا،! مجھے صدمہ اسی بات پر ہوتا ہے، غصہ اسی بات پر آتا ہے'! اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ لوگ اپنے کیے پر مشتعل ہو رہے ہیں، اور اس اشتعال کا نشانہ ان لوگوں کو بنا رہے ہیں جو ناکردہ گناہ ہیں، ممکن ہے میں معاف کر دوں، ممکن ہے میری قوم معاف کر دے، لیکن کیا قدرت بھی معاف کر دے گی، ، نہیں قدرت کبھی نہیں معاف کرتی کسی کو نہیں معاف کرتی، —— خدا اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعزیریں ——!"

مہندر نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا، لیکن قدرت تو نہ جانے کب ،ہمیں مستحق تعزیر سمجھے گی اس وقت تو آپ سزا دے رہے ہیں، اور وہ بھی نہایت سخت قسم کی'!"

جاوید نے پوچھا، "وہ کیسے؟"

مہندر نے جواب دیا، "بھوکوں مار کے یا کھلائیے یا یہ بحث کسی آئندہ وقت کے لیے ملتوی رکھئے'!"

کملا اٹھ کھڑی ہوتی، اس نے کہا،

## (۹)

# دہاوا

ادما بہت صبح اٹھنے کی عادی تھی، کملا البتہ، ۸ - ۹ بجے تک بستر پر لیٹی کروٹیں بدلا کرتی تھی، لیکن آج اسے بھی علی الصباح اٹھنا پڑا، ادما اور کملا دونوں ابھی سو رہی تھیں کہ باہر کا دروازہ زور زور سے کسی نے کھٹکھٹایا، سب سے پہلے ادما کی آنکھ کھلی، کچھ دیر تک وہ یہی سوچتی رہی کہ اتنے سویرے، اور اتنی بدتمیزی کے ساتھ کون دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے، لیکن جب تسلسل بڑھتا گیا، تو اسنے کملا کو بیدار کیا، وہ آنکھ ملتی اٹھ بیٹھی، اور خفا ہوتی ہوئی بولی، "توبہ ہے اب سونا بھی مشکل ہے، کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر ڈر گئی ہوگی، ہم تو بڑا اچھا خواب دیکھ رہے تھے، سارا مزا کرکرا کر دیا، !"

ادما نے ایک ٹھوکا لگایا، اور بولی، دیکھو دروازہ کون اتنے زور زور سے کھٹکھٹا رہا ہے'؟

اب تو کملا کے بھی کان کھڑے ہوئے، وہ بستر سے اٹھی، "جاتی ہوں، دیکھوں کون سی بلا نازل ہوئی ہے'!"

ادما بھی اس کے ساتھ ہولی، دونوں نے ساتھ ساتھ صحن طے کیا، پھر دروازہ

کے پاس آکر کھڑی ہو گئیں، کملا نے بآواز بلند پوچھا، "کون ہے اس وقت ——
جواب میں آواز آئی، "دروازہ کھولو، ورنہ توڑ دیا جائے گا، !"

کملا نے حیرت سے اوما کی طرف دیکھا، وہ اس لب و لہجہ اور آواز کی درشتی سے گھبرا گئی، سوچنے لگی، یہ کون لوگ ہیں، جو اتنے ناوقت آکر دروازہ بھی توڑنے پر تیار ہیں، اشاروں اشاروں میں پوچھا، کیا کروں؟ کھول دوں دروازہ؟ اوما نے گردن ہلا کر اجازت دے دی، اس نے دروازہ کھولا، تو یک دم پندرہ بیس پولیس کے سپاہی اس طرح داخل ہو گئے، جیسے دشمن کے قلعہ میں فاتح فوج داخل ہوتی ہے. کملا اور اوما پیچھے ہٹ گئیں، یہ سب لوگ اندر آگئے، اب پو پھٹ چلی تھی، اور آنے والوں کے چہرے صاف نظر آنے لگے تھے، ان لوگوں میں کئی جانی پہچانی صورتیں بھی نظر آئیں،

اس فوج ظفر موج کا کمانڈر انچیف ترویدی سب میں ممتاز اور نمایاں تھا،! فیلڈ مارشل کی حیثیت سے اچھپال سنگھ بھی اپنی جمعیت میں سب سے پیش پیش تھا، اور، ان سب کے بیچ میں جاوید تھا،! ———— دونوں ہاتھ ہتکڑی میں جکڑے ہوئے،!

جاوید کو اس حالت میں دیکھ کر کملا اور اوما کا خون سوکھ گیا، جب سے وہ بیمار پڑا تھا، اسی گھر میں رہ رہا تھا، چند روز ہوئے اصرار کر کے اپنے فلیٹ میں پھر اٹھ گیا تھا، ویسے آمد و رفت اور نشست و برخاست کا سلسلہ جاری تھا، آج اتنے سویرے وہ آئے گا، اور اس حالت میں آئے گا، اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا، اوما اپنی جگہ کھڑی رہی، کملا لپک کر اس کی طرف بڑھی، جاوید صاحب کیا ان لوگوں نے آپ کو گرفتار کر لیا؟"

جاوید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، جی ہاں توقع کے عین مطابق، یہ تو ہیں تے

اسی دن سمجھ لیا تھا جس روز مسٹر سنگھ کی تشریف آوری کی خبر آپ نے سنائی تھی، اسی دن میں نے سمجھ لیا تھا کیا ہونے والا ہے، اور جب دہلی میں ترویدی صاحب کے نزول اجلال کا حال معلوم ہوا، تو وہ یقین ایمان سے بدل گیا،

سنگھ بگڑ گیا۔— "مسٹر جاوید میں اس طرح کی بات چیت کی اجازت نہیں دے سکتا، !"

جاوید کی تیوری پر بل پڑ گئے، ——— "مسٹر سنگھ میں نے آپ سے اجازت لے کر بات چیت نہیں کی ہے، آپ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا سکتے ہیں، پاؤں میں بیڑیاں بھی ڈال سکتے ہیں، لیکن میری زبان پر تالا نہیں ڈال سکتے، !"

سنگھ نے زہر خند کرتے ہوئے کہا، ——— وہ بھی پڑ جائے گا، !"

ترویدی نے مداخلت کی، ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، (اوما اور کملا سے) جاوید صاحب، اس گھر کے گویا مستقل مکیں ہیں، ویسے ظاہری طور پر انھوں نے ایک الگ فلیٹ بھی لے رکھا ہے، ———

اوما نے ڈانٹا، "مسٹر ترویدی تہذیب سے گفتگو کرنا سیکھیے" آپ جس لیے آئے ہیں وہ کام بتائیے، میں اس طرح کی لغو اور بیہودہ باتیں سننا نہیں چاہتی ——— کیوں آئے ہیں آپ؟"

ترویدی نے جواب دیا، ——— تلاشی لیتے، جاوید صاحب کو جس الزام میں گرفتار کیا گیا ہے، ہمارا خیال ہے، یہاں بہت سی مفید شہادتیں، کاغذات، خطوط، اور ڈاکومنٹ کی صورت میں مل سکتی ہیں، !"

اوما نے حقارت اور نفرت سے بھری ہوئی ایک نظر ترویدی پر ڈالی اور کہا، "ہم اور کملا یہیں کھڑے ہیں، چلیئے، اپنی یہ حسرت بھی پوری کر لیجیے، !

ترویدی، سنگھ کو اور دو تین کانسٹیبلوں کو لے کر آگے بڑھ رہا تھا کہ کملا نے کہا، ”ٹھہریئے ——— آپ میں سے جو صاحبان تلاشی لینے گھر کے اندر جانا چاہتے ہیں، وہ پہلے اپنی ضرور تلاشی دیں، پھر قدم بڑھانے کی اجازت ملے گی!“

ترویدی چلتے چلتے ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا ——— ”آپ کو جیسا سنا تھا ویسا ہی، بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی پایا، خیر سے آپ قانون بھی جانتی ہیں!“

”آپ سے زیادہ جانتی ہوں!“ کملا نے کہا، ”بلکہ آپ کو پڑھا سکتی ہوں!“

ترویدی سٹ پٹا گیا، سنگھ نے ہمت بندھائی، ”چلئے، ان باتوں میں کیا رکھا ہے!“

کملا نے کہا، ”ذرا قدم بڑھا کے دیکھئے، (آگے بڑھ کر راستہ روکتے ہوئے) پہلے تلاشی دیجئے، پھر آگے بڑھیئے۔“

سنگھ نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا، ”ہم آپ کو بھی گرفتار کر لیں گے!“

وہ بولی، ”اگر وارنٹ ہے آپ کے پاس تو ضرور گرفتار کر لیجئے، لیکن تلاشی اس کے بعد بھی دینا پڑے گی!“

بڑی مشکل سے یہ مرحلہ طے ہوا، کملا نے تلاشی لیے بغیر کسی کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی، جاوید چند سپاہیوں کے جلو میں وہیں کھڑا رہا، ترویدی، سنگھ اور دو کانسٹبل اندر چلے گئے، تلاشی لینے۔

کملا نے جاوید سے سوال کیا، ”ان لوگوں نے کس الزام میں گرفتار کیا ہے آپ کو؟“

جاوید نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا،

وہ بات سارے فسانہ میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات، ان کو بہت ناگوار گزری ہے

مجھ پر الزام یہ ہے کہ حکومت کے خلاف نفرت اور اشتعال پھیلاتا ہوں، گویا سردار پٹیل ایک شخص نہیں، حکومت ہیں کیونکہ میں نے تو جو کچھ لکھا ہے انہی کے خلاف لکھا ہے، حکومت کے خلاف تو کچھ نہیں لکھا، گاندھی جی، اور پنڈت نہرو کی حقیقی پر زور تائید و حمایت میں نے کی ہے، کیا کوئی کہے گا، !"

"گویا، انجم صاحب کے بعد، اقبال صاحب نے آپ پر وار کیا ہے؟ —— اچھے دوست ہیں، خوب حق دوستی ادا کیا جا رہا ہے، !"

"(ہنستے ہوئے) جو صرف اپنا دوست ہوتا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا وہ صرف اپنا دوست ہے، انجم کی یا میری دوستی کا حق کس طرح ادا کر سکتا ہے، ؟"

"شاہینہ سے کبھی ملاقات ہوئی تو پوچھوں گی ضرور، !"

"کیا فائدہ؟ وہ کہے گی سرکاری فرائض میں کس طرح مداخلت کی جا سکتی تھی، ؟"

"کیا سرکاری فرائض میں جھوٹے مقدمے چلانے کی اجازت دینا بھی شامل ہے، !"

"(ہنستے ہوئے) اس کا جواب تو کوئی سرکاری آدمی ہی دے سکتا ہے، (اوما سے مخاطب ہو کر) اوما تم اتنی دور کیوں کھڑی ہو؟"

اوما پاس آکر کھڑی ہو گئی، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، بہت بے کل، مضطر، اور پریشان نظر آ رہی تھی، دل دہی اور تسلی کے لہجہ میں جاوید نے کہا،

"بس اتنے سے پریشان ہو گئیں، ؟ کیا یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے؟ قتل کر دیں گے، ؟ تم اتنی سراسیمہ کیوں ہو؟ مقدمہ چلنے دو، دیکھنا کس شان سے لڑتا ہوں، تمہیں تو میری ہمت بندھانی چاہیے تھی۔ اس طرح تو میں معاملہ ہار جاؤں گا، (جذباتی لہجہ میں) اوما مسکراؤ، ہنسو، تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ میں آزمائش

میں ڈالا گیا ہوں، سیاست کا میدان پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کا بستر ہے، — اس میں دو چار بڑے سخت مقام آتے ہیں''!،

ادما نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، " آپ پر یہ مصیبتیں میری وجہ سے آ رہی ہیں، ——— یہ ہاتھ اور ہتکڑی، ؟ جی چاہتا ہے سنکھیا کھا کر سو رہوں''!،

اور پھر وہ کچھ نہ کہہ سکی، رونے لگی'، !

کملا نے محبت بھرے لہجہ میں اسے پکارا، " ادما ———"

اور پھر وہ بھی کچھ نہ کہہ سکی، اس کے ہونٹ بھی لرزنے لگے''!

جاوید سخت کشمکش میں مبتلا ہو گیا، اس نے ذرا سخت لہجہ میں ادما اور کملا سے کہا،

" تر ویدی اور سنگھ کے سامنے اپنی تو ہین نہ کرو، میں نہیں چاہتا کہ دشمن کو اپنی کمزوری پر خوش ہونے کا موقع دوں''!"

یہ سنتے ہی ادما اور کملا نے آنسو پونچھ لیے، جاوید نے کہا، " اب صرف مسکرانے کی کسر ہے، مسکراؤ، اور مجھے خوش خوش رخصت کرو'!"

اتنے میں تر ویدی اپنے ساتھیوں سمیت واپس آ گیا ——— لیکن خالی ہاتھ، شاید تلاشی میں اسے کوئی کام کی چیز نہیں ملی، کملا نے طنز کرتے ہوئے پوچھا،

" کہیے تر ویدی صاحب، کیا کیا اڑا لائے ؟" ——— لیکن میں تو دیکھ رہی ہوں، جیسے خالی ہاتھ واپس آتے ہیں، کچھ ملا نہیں ؟"

تر ویدی نے جل کر جواب دیا، " آپ جیسے ہوشیار لوگ ہر ایمرجنسی کے لیے پہلے ہی سے تیار رہتے ہیں، بہر حال کچھ ملا تو نہیں لیکن شاید پوچھ گچھ کے لیے پولیس اسٹیشن

تک آنے کی زحمت آپ دونوں کو، آج یا کل کرنا پڑے گی، !،

جو بات تردیدی نہیں کہہ سکا، وہ سنگھ نے کہہ دی،

"ہمارا خیال تھا، اور کچھ نہیں ملا، تو کم از کم یہاں سے کچھ بے انتہا دلچسپ قسم کے رومانی خط، تو ضرور مل جائیں گے، لیکن نہ آپ کی کوئی چٹھی دستیاب ہوئی، نہ مس ادما کی، نہ مسٹر جاوید کی، نہ جانے کہاں چھپا دیا اس بہترین ادبی ذخیرہ کو آپ نے ہم جیسے باذوق لوگوں پر اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں ہو سکتا،

کملا نے بلند آواز سے کہا، "مسٹر سنگھ خاموش !"

سنگھ ہنسنے لگا، ——— "شاید اس ذکر سے شرم آتی ہے، لیکن (ادما کی طرف اشارہ کرکے) اصل مجرم تو خاموش ہے، شاید آپ اس سے زیادہ ڈھیٹ ہیں!"

یہ کہہ کر داد طلب نظروں سے اس نے تردیدی کی طرف دیکھا، وہ پھبتی کستے ہوئے جملہ پر ہنسنے لگا، لیکن دفعتہً تردیدی کے قہقہہ کی گونج ایک اور گونج سے دب گئی، !

یہ کملا کا طمانچہ تھا، جو سنگھ کے گال پڑا تھا، !،

یہ اتنا بڑا، اور ایسا سخت حادثہ تھا کہ دو منٹ تک سناٹا سا چھایا رہا سب پر، سب اس طرح بے حس و حرکت کھڑے تھے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، سنگھ کی ساری بذلہ سنجی اور شوخی کافور ہو چکی تھی، وہ وفور غضب سے تھر تھر کانپ رہا تھا، تردیدی کی انبساطی کیفیت بھی دور ہو چکی تھی، وہ بھی اس طرح کھڑا تھا، جیسے کسی نے حرکت اور جنبش کی قوت سلب کر لی ہو، سیاہی اگرچہ سر جھکائے کھڑے تھے، لیکن دل میں خوش تھے، تردیدی اور سنگھ کی باتیں انہیں بھی بری لگ رہی تھیں، اور کملا کی بہادری نے تو اسے ان کی نظر میں ہیروئن بنا دیا تھا، ایسے محیر العقول واقعات انھوں نے فلم میں تو دیکھے تھے، لیکن، بچشم خود ان کے نظارہ کا موقع کبھی

ملیسر نہ آیا تھا، آج یہ ان ہونی بات دیکھ کر یقین ہوگیا، فلم میں جو "تماشہ" دکھایا جاتا ہے، وہ واقعہ بھی بن سکتا ہے۔

ذرا دیر کے بعد جب تر ویدی کو ہوش آیا، تو اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

مس کملا یہ آپ نے بہت برا کیا، !"

وہ بولی، میں نے برائی کا بدلہ برائی سے دیا ہے'!"

تر ویدی نے اور زیادہ طیش میں آکر کہا،

آپنے سرکاری کام میں مداخلت کی، آپنے ایک سرکاری ملازم کی توہین کی جب وہ سرکاری فرائض انجام دے رہا تھا، ! "

کملا نے ترشی سے جواب دیا، " آپ جھوٹ کہتے ہیں، میں نے کسی سرکاری کام میں مداخلت نہیں کی، میں نے ایک سرکاری ملازم کی اس وقت توہین کی جب وہ میری توہین کر رہا تھا، کیا کسی شریف آدمی کی توہین کرنا بھی آپ کے نزدیک سرکاری فرائض میں شامل ہے؟ (سنگھ کی طرف اشارہ کرکے) یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ سرکار کی ملازمت کر سکے، یہ بدمعاش ہے، لفنگا ہے، شہدا ہے اسے یہ تک نہیں معلوم شریف عورتوں سے کس طرح بات چیت کی جاتی ہے، میں اپنے اخبار میں اس سرکاری ملازم کی، اور سرکاری محکمۂ پولیس کی دھجیاں اڑا دوں گی، اس مسئلہ کو ایک "ایشو" بناؤں گی، اور آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ دہلی کا، اور دہلی سے باہر کا ہر اخبار میرا ہم نوا ہوگا، اس سرکاری ملازم کو جس کی آپ پشت پناہی کر رہے ہیں برخاست ہونا پڑے گا، آپ کو، جو اس طرح بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں اور یقیناً اس شخص کی طرح یا وہ گو نہیں تو پست خیال ضرور ہیں معافی مانگنا پڑے گی، شاید آپ کے محکمۂ پولیس کی تطہیر میرے ہی ہاتھوں

قدرت نے لکھ دی تھی، میں صرف اخبار میں لکھنے پر اکتفا نہیں کروں گی، اگر اس کا فوری اور خاطر خواہ اثر نہ ہوا تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی، ملک آزاد ہو گیا، لیکن آپ لوگ اب تک یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ وہی انگریزی دور حکومت ہے کہ جو چاہے کیجئے کوئی آپ کی خدائی میں دخل نہیں دے سکتا، ـــــ جائیے تشریف لے جائیے، اب آپ سے عدالت کے کٹہرہ ہی میں باتیں ہوں گی، ـــــ

کملا کی اس برجستہ اور کھری تقریر نے ترویدی کے ہوش بران کر دیے، اچھپال سنگھ کو بھی دن میں تارے نظر آنے لگے اس کا تو بیچارے کو خیال بھی نہیں تھا کہ یہاں آ کر لینے کے دینے پڑ جائیں گے، کملا کی تقریر میں مستقبل کا عکس دیکھ کر ترویدی نرم پڑ گیا اس نے مصالحت آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے اور گفتگو میں ذاتی "ٹچ" دیتے ہوئے کہا،

"میں تو یہاں آ کر کماری کا قائل ہو گیا، اس نے مس ادما کی خاموشی، سنجیدگی، اد متانت کی جو تصویر کھینچی تھی، ہو بہو، وہ وہی ہیں اور آپ کی تیزی، شوخی، اور بذلہ سج کا جو نقشہ کھینچا تھا، اس میں سر مو فرق نہیں،

پھر ذرا رک کر وہ بولا، مجھے افسوس ہے کہ مسٹر سنگھ کے ناشائستہ الفاظ سے آپ کو تکلیف پہنچی، سچ تو یہ ہے کہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ انہیں تنبیہ کر دوں گا کہ آ زبان قابو میں رکھا کریں، لیکن، قبل اس کے کہ مجھے لب کشائی کا موقع ملتا، آپ نے خود ہ فیصلہ کر دیا، "قضیہ زمیں بر سر زمیں"!"

یہ کہہ کر اس نے ایک قہقہہ لگایا، اور بہت زیادہ اپنایت کے لہجہ میں گویا ہوا، ـــــ ـــــ مس کملا، بھول جائیے، جو کچھ ہوا، اسے فراموش کر دیجئے، آپ کا اور مس ادما کا ناموس میرا ناموس ہے، کس میں ہمت ہے کہ آپ کی توہین کر سکے، مجھے امید ہے آپ کے دل میں کوئی بات نہ ہو گی"!

خوشامد، چاپلوسی، اور تملق کی ان باتوں سے کملا ذرا متاثر نہ ہوئی اس نے کہا — ترویدی صاحب میں اوما نہیں ہوں، کملا ہوں، نہ میں بھول سکتی ہوں، نہ معاف کر سکتی ہوں، میرے دل میں بہت سی باتیں ہیں اور وہ اظہار کے لیے مچل رہی ہیں، وہ نمودار ہو کر رہیں گی، اخبار کے صفحات پر بھی، اور عدالت کے ایوان میں بھی، اور وزیر داخلہ کے قصر عالی شان میں بھی، ادھر آپ پولیس اسٹیشن پہنچے، ادھر ایک وفد لے کر میں وزیر داخلہ کے پاس پہنچی جو کچھ میں نے آپ کے سامنے کہا ہے وہی ان کے سامنے بھی کہوں گی، بلکہ ان کے سامنے زیادہ تلخ لہجہ ہوگا میرا، آپ کو تو اس لیے زیادہ اہمیت نہیں دیتی کہ آپ کا پیشہ ہی ملازمت ہے، پہلے انگریز کے ملازم تھے اور اب کانگرسی حکومت کے نوکر ہیں، آداب اور سلیقہ کی تربیت پہلے آپ کو بالکل نہیں ملی اب ملے گی، تو رفتہ رفتہ آئے گی، لیکن سردار صاحب تو اس ملک، اور اس قوم کی خودی خودداری، اور خود نگری کے امین اور پاسباں ہیں، ان سے پوچھوں گی کہ بتایئے کیا آپ میں اور آپ سے پہلے کے ہوم ممبر سر میکسویل میں کوئی فرق نہیں ہے،؟ عوام اور شرفا کے لیے آپ کے عوامی دور حکومت میں بھی پولیس کو اتنی ہی انسانیت سوز حرکتیں کرنے کی آزادی حاصل رہے گی، جتنی بدنام انگریزوں کے زمانہ میں تھی، اور وہ جو کچھ جواب دیں گے آپ کو، سنگھ صاحب کو، اور مجھے، سب کو معلوم ہو جائے گا،

یہ باتیں سنکر ترویدی کا رنگ اڑ گیا، اس نے کہا، مس کملا کیا میں فون کر سکتا ہوں،؟"

کملا نے چڑھی ہوئی تیوریوں سے جواب دیا، جایئے، کر آیئے جا کر، ترویدی گیا، اور کوئی پانچ منٹ کے بعد، فون کر کے آ گیا، اس نے کہا، "مس اوما چاہے آپ بے غیرت کہہ لیں، لیکن چلائے بیئے بغیر تو میں نہیں

جاتے گا۔"

کملا نے اوما کی طرف سے جواب دیا، "بھلا سردار، (جاوید، ہتکڑیوں میں جکڑا کھڑا ہے، اس حالت میں نہ ہم چائے پی سکتے ہیں، نہ پلا سکتے ہیں، معاف کیجئے، !"

ترویدی نے اس طرح جیسے نہ اس نے دیکھا تھا، نہ اسے کوئی خبر تھی، جاوید کو دیکھا، اور ملامت آمیز نظروں سے سنگھ کو گھورتے ہوئے کہا، "یہ کیا لغویت ہے"۔ ——— جاوید صاحب ڈاکو نہیں ہیں، ایک سیاسی ملزم ہیں، (زور دے کر) ملزم، مجرم نہیں، تحقیقات کے بعد ممکن ہے ہم مقدمہ ہی نہ چلائیں، یا اگر چلائیں تو بھی وہ ضمانت پر رہا ہو سکتے ہیں، کم از کم میں تو مخالفت نہیں کروں گا، اس تماشہ کو ختم کیجئے، ہتکڑیاں کھولیے، جاوید صاحب بھی ہمارے ساتھ چائے پئیں گے، !

اچپال سنگھ کا ایک رنگ آرہا تھا، ایک جا رہا تھا، یہ اس توہین کے باعث جو گو مصلحت کی بنا پر سہی، لیکن ترویدی کے ہاتھوں ہو رہی تھی، وہ مارِ دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا، لیکن یہ بھی سوچ رہا تھا، بلکہ دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ اگر معاملہ آگے نہ بڑھے یہیں رفت گزشت ہو جائے تو بہتر ہے، کیونکہ کملا کی تقریر میں اسے نہایت خطرناک مستقبل کی جھلک نظر آگئی تھی، چنانچہ اس نے زیرِ لب تبسم کے ساتھ فوراً جاوید کی ہتکڑی کھولی، پھر سپاہی تو وہیں صحن میں کھڑے رہے، لیکن ترویدی، سنگھ، اوما، کملا، اور جاوید ڈرائنگ روم میں پہنچے، جب سب بیٹھ لیے تو ترویدی گویا ہوا،

مسٹر سنگھ کانسٹبلوں کے سامنے تو میں نے آپ کو بے عزت کرنا مناسب نہ سمجھا، لیکن یہاں چونکہ کوئی غیر نہیں ہے لہٰذا اب کہتا ہوں، آپ نے جاوید صاحب کی، مس کملا کی، اور مس اوما کی جو توہین کی ہے، اسے افسرانِ اعلیٰ نو خیر، میں بھی معاف نہیں کر سکتا، جب تک یہ لوگ خوش دلی سے آپ کو معاف نہ کر دیں ———

کیا آپ ان تینوں سے معافی مانگنے کو تیار ہیں؟"

خفیف سے تامّل کے بعد سنگھ نے نہایت ادب کے ساتھ کہا،

"میں بہت نادم ہوں،!" ——— نہ جانے آج مجھے کیا ہو گیا تھا،!،

کملا بولی، آپ تو ڈاکٹر سکسینہ ہو گئے تھے، یاد ہے اس سے پہلے بھی عبدل کے قتل کے موقعہ پر تشریف لائے تھے، اور آپ نے، بہت سی جلی کٹی باتیں کی تھیں

اچھپال سنگھ نے ایک مجرم کی طرح گردن جھکا کر کہا، یاد ہے، اور یقین کیجئے میں صدق دل سے معذرت کر رہا ہوں،!"

ترویدی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، مس کملا، اگر آدمی اپنی غلطی محسوس کرلے اور تائب ہو جائے، تو پھر تقاضائے انسانیت یہی ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے، ——— مس ادما میں آپ سے پوچھتا ہوں، اور آپ کی شرافت سے اپیل کرتا ہوں، بتایئے آپ نے اس مجرم کو معاف کر دیا، بلکہ میں نے غلطی کی، جاوید صاحب آپ جواب دیجئے میرے سوال کا،!

جاوید مسکرانے لگا، پھر اس نے کملا سے مخاطب ہو کر کہا، "جو آپ ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا؟"

کملا چڑ گئی ——— "بس شروع ہو گیا آپ کا فلسفہ، میں تو عاجز آ گئی ہوں آپ کی فلسفہ طرازی سے،!"

اتنے میں بھڑا ہوا پٹ زور سے کھلا اور کماری داخل ہوئی، آتے ہی ادما اور کملا سے لپٹ کر رونے لگی،!

جواب میں جاوید نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "کیا بات ہوئی بھئی، ؟"

وہ کہنے لگی۔ "میں کے مرتبہ کہہ چکی ہوں، اپنے سرگذشت نہ کیا کیجئے، لیکن آپ ہیں کہ وقت دیکھیں نہ بے وقت، جدھر منہ اٹھا چل دیے، یہ تو سوچئے فضا کیسی ہے، ؟ حالات کیا ہیں ؟ آج ابھی تھوڑی دیر ہوئی کملا خبر لائی تھی کہ، وارداتوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، نہ گاندھی جی کی اپیل کام کر رہی ہے، نہ پنڈت جی کا خلوص، !

جاوید نے بے پروائی سے سگریٹ سلگایا، اور گویا ہوا، "میں ان باتوں کی پروا نہیں کرتا ——— ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا، !"

جواب میں اوما پھر کوئی جلی کٹی بات کہنے والی تھی کہ ریڈیو سے خبریں نشر ہونے لگیں، اور پہلی ہی خبر ایسی تھی کہ جاوید ہمہ تن محو ہو کر، اسے سننے لگا، خبر میں بتایا گیا تھا کہ لکھنؤ میں یو پی اسمبلی کا جو اجلاس ہو رہا ہے، اس نے تقریباً بالاتفاق یہ تجویز منظور کر لی ہے کہ یو پی کی سرکاری اور تعلیمی زبان ہندی ہو گی، !

خبر سنکر جاوید نے کہا، "لیجئے یک نہ شد، دو شد، ! نہ جانے کیا ہونے والا ہے اوما کچھ سمجھ میں نہیں آتا، !"

پھر وہ نڈھال ہو کر کرسی پر گر پڑا، اوما بولی، واقعی نہ جانے ہمارے کانگرسی نیتاؤں کو کیا ہو گیا ہے، ایسی ناسمجھی کی باتیں کر بیٹھے، یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، ! نہ صرف یو پی کی بلکہ سارے ہندوستان کی زبان وہی ہونی چاہئے تھی، جس کا برسہا برس سے آج تک کانگرس پرچار کرتی چلی آ رہی تھی، یعنی نہ اردو نہ ہندی، بلکہ ہندوستانی، یعنی وہ زبان، جو شمالی ہند میں عام طور پر بولی جاتی ہے جسے ہندو اور مسلمان دونوں بولتے ہیں سمجھتے ہیں، جو سارے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، جس کے لیے گاندھی جی کی توانائیاں صرف ہوئیں، اور جسے سرپرد اب تک سینہ سے لگائے ہوئے ہیں، جو ہمارے وزیر اعظم نہرو کی مادری اور آبائی

(۱۰)

# نیا شوشہ

تروبیدی اور سنگھ نے جو منصوبہ بنایا تھا، وہ چلا نہیں، جاوید کو گرفتار تو کر لیا، لیکن گرفتار رکھ نہ سکے، کچھ اس لیے کہ کیس میں کچھ دم نہ تھا، زیادہ تر اس لیے کہ کملا نے جو دھونس دی تھی وہ کام کر گئی، پولیس اسٹیشن پہ لے جانے کے تھوڑی دیر بعد، اسے ضمانت پر رہا کرنا پڑا اور چند روز میں کاغذات بھی داخل دفتر ہو گئے، تروبیدی نے کملا سے اجازت لے کر جو فون کیا تھا، وہ درحقیقت کماری کو کیا تھا، وہ اس کے بلاوے پر آئی تھی، اور اس نے آتے ہی اس خوبی سے اپنا پارٹ کیا کہ آخر کار کملا کو بھی ہتھیار ڈال دینا پڑے، اور اس طرح جو لوگ دشمن بن کر آئے تھے، اپنی کمزوری محسوس کرنے کے بعد، نیاز مند بنکر واپس گئے،

اس واقعہ کو پیش آئے ابھی مشکل سے چند روز گزرے ہوں گے کہ ایک روز حسب معمول سہ پہر کو جاوید "سیوا سدن" پہنچا، کملا کہیں باہر گئی ہوئی تھی، صرف اوما موجود تھی، اس نے ہمیشہ کی طرح گرم جوشی اور تپاک سے پذیرائی کی، پھر ایک شفیق دوست کی طرح پوچھا،

آپ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے،؟"

زبان ہے، یہ ایک نیا شوشہ چھوڑ کر، دیکھئے کیا نیا گل کھلاتے ہیں یہ صاحبان‘!“

جاوید نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا، ”رونا تو اسی کا ہے کہ غلط قسم کے کانگرسی لیڈروں نے عوام کو پرچا کر، اور مبتلائے فریب کر کے، اصل لیڈروں کو بے بس کر دیا ہے، یوپی میں سمپورنانند کے سامنے پنڈت جی کی نہیں چلتی، مرکز میں سردار کے سامنے پنڈت جی بے بس ہیں، بمبئی میں بال گنگا دھر کھیر جیسا نیک اور شریف شخص اپنے ساتھیوں کے سامنے ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتا، بہار سے راجندر پرشاد یہاں آ گئے، اور وہاں نام کے کانگرسی درحقیقت مہاسبھائی لیڈروں کو وزارت حوالے کر آئے، سی پی میں مصرا اور شکلا جیسے لوگ حکومت کر رہے ہیں، ——

ریڈیو سے خبروں کا سلسلہ جاری تھا، ایک خبر میں بتایا گیا کہ گاندھی جی نے یوپی اسمبلی کی اس تجویز پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، ——

اوما خوش ہو گئی، ”لیجئے، مایوس کو تاریکی میں امید کی کرن نظر آئی اب سب ٹھیک ہو جائے گا، !“

مایوسی کے عالم میں انکار کی گردن ہلاتے ہوئے جاوید نے کہا،

”نہیں اوما یہ تمہاری خوش فہمیاں ہیں، ایسا نہیں ہوگا، گاندھی جی واحد اور مسلمہ لیڈر اس وقت تک تھے، جب تک ملک آزاد نہیں ہوا تھا، اب ان کی کون سنتا ہے، ؟ کیا یوپی اسمبلی کے ممبر اس بارے میں گاندھی جی کی رائے اور رجحان سے ناواقف تھے ؟ خوب جانتے تھے، مگر وہی کیا جو کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے، —— یہ حالات دیکھ کر بعض وقت تو زندہ رہنے سے جی اکتا جاتا ہے نفرت ہونے لگتی ہے زندگی سے، خودکشی ——“

قطع کلام کرتے ہوئے گھبرائے ہوئے لہجہ میں اوما نے کہا ”ایسی باتیں نہ کیجئے،

یہ ہنگامی اور وقتی حالات ہیں، ہمیشہ نہیں رہیں گے، !

"خدا کرے ایسا ہی ہو، !" جاوید نے کہا، "مگر، ———

"نہیں مگر وگر کچھ نہیں، !" اوما بولی، "آپ تو خواہ مخواہ کی پریشانیاں مول لے لیتے ہیں، !"

سلسلۂ کلام جاری رکھتی ہوئی وہ بولی، "گاندھی جی جب تک زندہ ہیں کوئی ایسی بات نہیں ہو سکتی جو ملک کے کسی فرقہ کے لیے بھی کسی جائز شکایت کا سبب بن سکے، !"

اسی دل گرفتگی کے عالم میں جاوید نے کہا، "مجھے تو گاندھی جی کی زندگی کی بھی خیر نظر نہیں آتی، تمہیں شاید نہیں معلوم انہیں برابر دھمکی کے خطوط مل رہے ہیں، ان کی پرارتھنا میں کئی دفعہ گڑبڑ کی جا چکی ہے، کسی دن اگر وہ مار ڈالے جائیں تو مجھے ذرا تعجب نہ ہوگا، گو میری دلی دعا یہ ہے کہ ایسا نہ ہو، اس لیے کہ ان کا وجود ہی بہت بڑی ضمانت ہے اس بات کی پاکستان میں خواہ کچھ ہو، لیکن، ہندوستان میں انسانیت مسخ نہیں ہونے پائے گی، گو مجھے یہ اعتراف بھی کرنا چاہیے کہ جناح صاحب، ایمانداری کے ساتھ، فسادات کی آگ دبانے کی کوشش کر رہے ہیں، ریڈ کلف ایوارڈ نے ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، لیکن وہ اپنے عہد پر قائم ہیں، سیاسی لیڈروں میں اگر اتنی دیانت بھی نہ ہو تو پھر قوم کا خدا حافظ ہے، !"

یکایک الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ اضطراب و حرماں کی تصویر بنی کملا داخل ہوئی، اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اوما اور جاوید دونوں کے حواس جاتے رہے، دونوں نے تقریباً بیک آواز پوچھا، "کیا بات ہے کملا اتنی ہراساں کیوں نظر آ رہی ہو، ؟"

وہ تن بدن سے کانپ رہی تھی، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں اس کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا "ہائے" ——

اور پھر کچھ نہ کہہ سکی، سامنے رکھا ہوا پانی سے لبریز گلاس اٹھا کر، غٹ غٹ چڑھا گئی، پورا گلاس پی چکنے کے باوجود ہونٹ خشک تھے، بار بار خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی، وہ بے انتہاد ہشت زدہ اور سراسیمہ نظر آ رہی تھی،! ٭

(۱۱)

# جادۂ وفا

بڑی مشکل سے اور بڑی دیر کے بعد کملا اس قابل ہوئی کہ کچھ بول سکے، اس نے اٹک اٹک کر بتایا کہ دلّی میں تاریخ کی ہولناک ترین خون ریزی شروع ہو چکی ہے، ایسے مہیب اور ہولناک فساد کا نظارہ چشمِ فلک نے کم کیا ہوگا، قرول باغ کی سڑکوں پر مسلمانوں کا خون بہ رہا ہے، سبزی منڈی کے مسلمان گھروں میں بیٹھے، چھتوں پر چڑھے لڑ رہے ہیں، دس مرتے ہیں تو دس کو مارتے ہیں، اب ان کے ہاتھ قتل کرنے کے لیے فوج پہنچ چکی ہے، ـــــ پہاڑ گنج میں مسلمانوں کا شکار ہو رہا ہے، مہرولی میں یہ نعرہ ہے کہ قطب صاحب کی درگاہ تک زمین کے برابر کر دی گئی، نئی دہلی کے فلیش ایریا، اور پرامن علاقہ میں بھی مسلمانوں کی نہ جان کی خیر ہے نہ مال کی، نہ ناموس کی،

پھر بڑی دیر تک دیوانوں کی طرح ادھر ادھر تکنے کے بعد کملا نے بتایا کہ اخبار نویسوں کی ایک پارٹی گشت کے لیے پولیس کی حفاظت میں نکلی مجھے سب سے زیادہ فکر رضیہ کی تھی، سب سے پہلے میں وہیں گئی، اور وہاں جا کر میں نے کیا دیکھا ـــــ

ـــــ وہاں جا کر میں نے کیا دیکھا، ـــــ

پھر اس کے ہونٹ لرزنے لگے، اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی،

جاوید کا چہرہ ستا ہوا تھا، اوما کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، کہ دیکھئے اب کیا سنا وُنی سننا پڑتی ہے، اس نے کملا کے شانے پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا، ہاں کملا کیا دیکھا تم نے وہاں'؟

کملا کا چہرہ دھوئے ہوئے کپڑے کی طرح سفید تھا، اس نے بڑے زور سے اوما کا بازو پکڑ لیا، پھر بولی، میں نے وہاں دیکھا، اس کا عالی شان گھر کھنڈر بن چکا ہے، لاشیں بکھری پڑی ہیں، اوما، میں نے رضیہ کے بوڑھے باپ کی جھلسی ہوئی لاش دیکھی، میں نے رضیہ کے نوجوان اور خوبصورت اور کڑیل بھائیوں کی جلی ہوئی لاشیں دیکھیں، میں نے، ———— آہ! اوما میں نے ان آنکھوں سے، ان بدنصیب آنکھوں سے رضیہ کی جلی ہوئی، اور اکڑی ہوئی لاش دیکھی، وہ جھاڑ، وہ فانوس، وہ قیمتی قالین اور غالیچے، وہ بیش قیمت کراکری، وہ زرکار، اور زرنگار ملبوسات، وہ قیمتی زیور یہ چیزیں یا لوٹی جا چکی تھیں، یا غارت کی جا چکی تھیں،" آہ کتنا بھیانک منظر تھا، کیا میں زندگی بھر کبھی رضیہ کو بھول سکوں گی'؟ لیکن شیام نے حق وفا ادا کر دیا، گو اس نے زبان سے کبھی نہ کہا ہو، لیکن یقیناً وہ اس سے پاک اور سچی محبت کرتا تھا، وہ پہنچا، لیکن دیر میں اس وقت جب وہ ہو چکا تھا جو نہ ہونا چاہیئے تھا، اس پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہو ہو گئی، اس نے پستول نکال کر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی، شاید دو تین غنڈے مر بھی گئے، لیکن وہ اکیلا اتنے بڑے مجمع کا کیا بگاڑ سکتا تھا، لوگ ٹوٹ پڑے اس پر، اور اس کی تکا بوٹی کر دی، ————

اوما چیخ پڑی کیا شیام مر گیا، ؟"

کملا کے چہرے پر رونق آ گئی، اس نے کہا، ہاں اوما وہ مر گیا، کتنی اچھی موت، اس پر انسانیت کو اور محبت کو فخر ہے، اور یہ فخر رہتی دنیا تک قائم رہے گا، کیا نہیں؟

رضیہ کے بعد وہ زندہ رہ کر کیا کرتا؟ اور کیا رضیہ کو موقع ملتا تو وہ اس کے لیے اسی طرح اپنی جان نثار نہ کر دیتی؟ تم تو خود بھی محبت کرتی ہو، کیا اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتیں، ہاں مرگیا، وہ نام کر گیا، امر ہوگیا، ادما اس کے مرنے پر، صدمہ نہ کرو، خوشی کا اظہار کرو، کم سے کم میں تو بہت خوش ہوں، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے پاک اور سچی محبت کرنے والوں کی محفل میں اس نے بڑی اونچی جگہ بنا لی ہے اپنے لیے ——————

اور پھر وہ دیوانوں کی طرح ہنس پڑی، — کیوں ادما میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا، !"

ادما نے جواب دیا، ہاں کملا تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، لیکن ذرا آدمی تو بنو، ٹھیک سے باتیں تو کرو، ! ذرا سی کافی پیو گی؟

وہ بولی، "مجھے تو بھوک لگی ہے، کھانا کھاؤں گی، ہے کچھ؟

ادما نے جواب دیا کیوں نہیں ہے، ابھی لاتی ہوں،'!'

نعمت خانہ میں کھانا رکھا ہوا تھا، وہ لا کر اس نے سامنے رکھ دیا، وہ کھاتی ہوئی بولی، اور تم؟"

ادما نے جواب دیا، میں تو کھا چکی کب کا، !

کملا نے جاوید سے پوچھا، اور آپ؟

جاوید نے وہی جواب دیا جو ادما نے دیا تھا، —— دونوں نے جھوٹ کہا تھا!

چند لقمے کھا کر کملا اٹھ کھڑی ہوئی، ادما نے کہا، بھوک اتنے زور کی لگی تھی، کھایا کیا دو لقمے؟ اور کھاؤ،

وہ ہاتھ دھوتی ہوئی بولی، بس، پیٹ بھر گیا، '!' ❖

——————

(۱۴)

# جیت

کوئی دو تین گھنٹہ کے بعد کملا کی جنونی کیفیت کم ہوئی، جب اچھی طرح ہوش میں آئی، تو ایک مرتبہ پھر، رضیہ اور شیام کو یاد کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اوما اور جاوید نے دلاسا دیا، طرح طرح سے طبیعت بہلائی، تب جاکر اس کی حالت سنبھلی،

باتوں باتوں میں جاوید نے پوچھا، "نہ جانے دریا گنج کی کیا حالت ہے؟"

کملا نے بتایا، وہاں بھی آگ لگی ہے، ڈان کے دفتر میں تو آگ لگا دی گئی، .

"آگ لگا دی گئی،؟" بے ساختہ جاوید کے منہ سے نکلا،

کملا نے گردن ہلا کر اقرار میں جواب دیا، جاوید پریشانی کے عالم میں رہنے لگا، کچھ دیر اوما اس کی کیفیت دیکھتی رہی، آخر خاموش نہ رہ سکی، پوچھا،

کیا سوچ رہے ہیں آپ؟ کیا انجم صاحب یاد آ رہے ہیں؟"

جاوید نے جواب دیا، ہاں اوما، ——— ڈان کے دفتر میں آگ لگنے کے معنی یہ ہیں کہ انجم بھی آگ کی لپیٹ میں آ گیا، دفتر کے بالکل پاس ہی تو وہ رہتا ہے، وہ کس حالت میں ہوگا! اس کی بیوی کس حالت میں ہوگی، اس کی نوزائیدہ بچی کس طرح آگ کے شعلوں میں کھیل رہی ہوگی، کہیں اس کا بھی وہی حشر نہ ہوا ہو،

جو رضیہ کا اور شیام کا ہوا ہے'!"

فکر مندی کے عالم میں اوما بولی، "یہ تو واقعی بہت برا ہوا، ——— لیکن سوا ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھ کر بیٹھے رہنے کے اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟"

وہ ایک عزم کے ساتھ بولا، "میں کر سکتا ہوں'!"

اوما نے پوچھا، "کیا کریں گے آپ؟"

وہ کہنے لگا، "جاؤں گا، اور یا تو آگ کے شعلوں سے اسے نکال لاؤں گا، ورنہ خود بھی اس کے ساتھ بھسم ہو جاؤں گا،! کیا دوستی کا حق کچھ نہیں ہوتا؟"

وہ اور زیادہ مضطرب اور پریشان ہو کر بولی، "کیوں نہیں ہوتا، اگر جا سکیں تو ضرور جانا چاہیے، لیکن وہاں تک پہنچ سکیں گے آپ؟"

وہ بولا، "یہ میں نہیں جانتا، لیکن اس اندیشہ سے کہ نہ معلوم وہاں تک پہنچ سکوں گا یا نہیں پاؤں توڑ کر بھی نہیں بیٹھ سکتا، جاؤں گا، اور ضرور جاؤں گا؟"

اوما نے کہا، "یہ تو خودکشی ہے'!"

وہ کہنے لگا، میں خودکشی کر کے انسانیت کو ذلت کی موت مرنے سے بچاؤں گا، یہ کہہ کر اٹھا، اور کوٹ پہننے لگا، اوما بےبسی کے ساتھ اسے جانے کی تیاری کرتا دیکھتی رہی، کملا بھی ٹکٹکی باندھے "دم بدم دم نہ کشیدم" کے مصداق اسے دیکھے جا رہی تھی، اس نے کہا، جب ہماری پارٹی شہر کا گشت کرنے نکلی، تو ہم سب کو حفاظت خود اختیاری کے لیے ایک ایک پستول دے دیا گیا تھا، اسے استعمال کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی، لیکن حاشتہ آید بکار، اب وقت آگیا ہے اسے استعمال کرنے کا'!'

جاوید حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا، اوما کی نگاہیں بھی اس کی طرف اٹھ گئیں یکایک پستول کی نال کملا نے اپنی کنپٹی پر رکھ لی، اور بولی،

"اگر ایک قدم بھی آپ نے بڑھایا تو ———

جاوید نے کوٹ اتار کر ٹانگ دیا، "اس دھمکی کی کیا ضرورت تھی، یوں کر دیا ہوتا تو کیا میں نہ مانتا،؟

وہ کہنے لگی، اوما نے منع تو کیا تھا، کب مانے آپ؟،

اس نے جواب دیا، "اوما کی بات خالی جا سکتی ہے، مگر کملا کی نہیں،"!،

کملا کے چہرے پر رونق آ گئی، کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر جماہی لیتے ہوئے جاوید نے کہا، "اب سونا چاہیے،"!"

اوما اٹھ کھڑی ہوئی، ہاں بہت دیر ہو گئی، "آؤ کملا چلیں اپنے کمرہ میں، جاوید صاحب کو سونے دو،"!

کملا کچھ جواب دیے بغیر اوما کے ساتھ چلی گئی، اوما نے اندر سے دروازہ بند کر لیا، دونوں اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئیں،

اسٹڈی روم سے ملا ہوا ایک کمرہ تھا، جو مہمان خانہ کی حیثیت رکھتا تھا، اپنی بیماری کے زمانہ میں جاوید یہیں رہتا تھا، ان دونوں کے جانے کے بعد، وہ اسی کمرہ میں آ گیا، زور سے دروازہ بھیڑا اور ٹہلنے لگا،

کوئی دو بجے کے قریب جب اسے یقین ہو گیا کہ اب اوما اور کملا سو چکی ہوں گی وہ دبے پاؤں کمرہ سے باہر نکلا، اور چوروں کی طرح ادھر ادھر دیکھتا، باہر نکلا، صحن میں آیا، پہلے تو ارادہ ہوا کہ سامنے کا دروازہ کھولے اور باہر نکل جائے پھر نہ جانے کیا سوچا پچھواڑے کا دروازہ آہستہ سے کھولا، اور چپ چاپ باہر نکل گیا،

بیوا سدن سے باہر نکل کر، اسنے سیدھا دریا گنج کا رخ کیا، رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی، فضا پر ایک عجیب قسم کا دہشت انگیز سناٹا چھایا ہوا تھا، اللہ اکبر اور جے ہند کے نعرے، مختلف مکانوں کے اندر لوگ اب تک لگا رہے تھے، شہر پر فوج اور پولیس کا مکمل کنٹرول تھا،

کوئی ایک میل چلنے کے بعد، ایک جیپ اس کے پاس سے گزری، ،
قدم جانے کے بعد رک گئی، کچھ لوگ اس میں سے نکلے، اور ا
گھیرے میں لے لیا، اس پارٹی کے لیڈر نے ٹارچ روشن ک
ہو تم ؟" اور قبل اس کے کہ جاوید جواب دے، وہ
باڑی،
"آہا جاوید صاحب آپ، ؟" جاوید نے جواب
لے ہوئے پو
تردیدی صاحب آپ سے، !،

تردیدی نے طنز بھرے لہجہ میں سوال کیا، "شاید آپ ، ہم اس ک
ہیں ؟ "

وہ بولا، "جی ہاں، وہیں سے آرہا ہوں، !"

تردیدی نے پوچھا، کیا آپ کو نہیں معلوم شہر میں کرفیو نافذ ہے، اور جب تک اجازت نامہ نہ ہو، گھر سے باہر نکلنا جُرم ہے، ؟"

جاوید نے کہا، میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں، !"

تردیدی بولا، لیکن ہم آپ کو گرفتار کرنے پر مجبور ہیں، درحقیقت اس وقت شہر پر فوج کا قبضہ ہے، اگر میں نے آپ کے ساتھ کوئی رعایت کی، تو خود پھنس جاؤں گا، !"

جاوید گرفتاری سے خائف نہیں تھا، لیکن اس وقت وہ گرفتار نہیں ہونا چاہتا تھا، وہ ہر قیمت پر انجم کے پاس پہنچنا چاہتا تھا، اس نے بڑے نیازمندانہ لہجہ میں کہا،

"میں بہت ضروری کام سے جارہا ہوں، یہ تو سوچیے، قانون انسان کے لیے بنا ہے، انسان قانون کے لیے نہیں بنا ہے، میں ایک دوست کی خبر لینے، اور ہو سکے تو اسے موت کے پنجہ سے چھڑانے جارہا ہوں، !"

جاوید اس طرح نہتے ؟ ——— آپ موت کے منہ میں جا رہے ہیں یا کسی کو
کردیا ہوتا تو کیا... سے چھڑانے ؟ کون ہے وہ دوست؟ "
وہ کہنے لگی، "ادما، دوست کا نام انجم ہے"!"
اس نے جواب دیا، "اخبار کا ایڈیٹر؟"
کملا کے چہرے پر رونق!"
چلتے ہوئے جاوید نے کہا، "اسے کہتے ہیں میرے دونوں میٹھے، ایک طرف لیگ سے
اور ادھر کھڑی طرف کانگریس سے یارانہ، سچ ہی کہا ہے کسی نے،" بھولی
جاوید صاحب شکل والے ہوتے ہیں بلا کے بھی"! "جب آپ ایک دوست کے لیے موت سے
لڑنے چلے ہیں، تو غیر مسلح نہیں ہو سکتے"! "میں آپ کی تلاشی لینا چاہتا ہوں"!"
پھر تردیدی کا اشارہ پا کر کئی آدمی بڑھے، تلاشی لی گئی، تو جاوید کے پاس
سے بھرا ہوا پستول برآمد ہوا"!
پستول لے کر تردیدی نے جیب میں رکھ لیا، اور زہرخند کرتے ہوئے کہا،
"پستول بھی ہے آپ کے پاس؟"
جاوید نے کہا، "میرے پاس اس کا لائسنس ہے"
تردیدی نے دفعتہً لب ولہجہ بدل لیا، اس نے گرج کر کہا، "کیا لائسنس اس
لیے دیا گیا ہے آپ اس سے قتل عام کرتے پھریں، تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن
پر، ——— آیئے تشریف لے چلئے، ہمیں اپنی میزبانی کا شرف بخشئے"!"
پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، "گرفتار کر لو"!"
جاوید گرفتار ہو گیا"!
تردیدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا، "گرفتار ہو کر بہت سے چھوٹ گئے آپ
اور عین اس وقت جب اس کی گرفتاری عمل میں آئی، دفعتہً پندرہ بیس

، دیوار پر چڑھ کر صحن میں کود

ے دروازے پر پہنچے جہاں اوما اور کم

ڑانا شروع کیا، اوما اور کملا ہڑبڑا کر اٹھ

بانی سامنے کھڑا تھا، صاف ظاہر تھا، بد رنگی

طرح کے ہتھیاروں سے مسلّح تھے، تلوار، پستول، کلہاڑی،

اوما نے ہوش و حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پو

لوگ کیا چاہتے ہیں؟"

ایک غنڈا آگے بڑھا، کہنے لگا، "ہم چور کو پکڑنا چاہتے ہیں، ہم اس ک

گردن کاٹیں گے،"

اوما کی آواز حلق میں پھنسنے لگی، وہ بولی، "یہاں تو کوئی چور نہ

اس غنڈے نے کہا، "ہے کیسے نہیں، ہماری اطلاع غل

——— کیا جاوید یہاں نہیں ہے؟"

جاوید کا نام سنکر اوما کا دل ہونے لگا، کلیج

کیا جاوید قتل ہوگا؟ میرے گھر میں؟ میری آنک

پاکر وہ شخص بولا،

"بتاؤ جاوید کہاں ہے؟ ور

کوئی غرض نہیں، ہم تو صر

کس کمرہ میں ہے

جلی کی سی ت

بنکر کھڑ

اکر جمو

ادمی بولا، "جائیں گے،——

جاو اس طرح نہتے ؟ —— "

کردیا ہوتا تو کیا... سے چھڑانے؟ کون پستول چلا دیا، لیکن نشانہ خطا گیا، دفور

وہ کہنے لگی" ادما بہت کا

پ رہا تھا، اور ہاتھ بھی،"!

اس نے جواب دیا، "

...ز تو لی چلی، اور کملا خون میں نہا کر فرش پر گر پڑی، سب

کملا کے چہرے

...رتے ہوئے کمرہ میں گھسے، لیکن وہاں جاوید تھا کہاں جو ملتا،

بیلتے ہوئے دا

...ی دوسرے کمروں کا دو دو ایک ایک آدمی نے جائزہ لیا، اور جب

ہو گیا کہ جاوید یہاں نہیں ہے تو بغیر کچھ کہے سنے نو دو گیارہ ہو گئے،

جاوید

...ب کچھ اتنی سرعت اور تیزی کے ساتھ ہوا کہ پہلے تو ادما حق دق یہ

رٹتے پ

...، مگر جیسے ہی کملا خون میں لت پت نظر آئی، دوڑی دوڑی اس

پھر ترو

...ے ایک ایک کمرہ کی تلاشی لیتے پھر رہے تھے وہ بم جان

سے بھرا ہوا پستول

، وہ خون میں نہاتی ہوئی پڑی تھی، اومانے روتے

پستول لے کر ترو... کملا؟"

"پستول بھی ہے آپ کے پا

ور بول رہا ہو، اٹکتے ہوئے الفاظ اس کے

جاوید نے کہا، میرے پاس

، ہوگئی، ادما!! میں بھی جاوید سے محبت

ترویدی نے دفعتہً لب ول... حو

بیے دیا گیا ہے آپ اس سے قتل عام کرتے پھر ر

پر، —— آیئے تشریف لے چلئے، ہمیں!

پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، "گرفتار ک

جاوید گرفتار ہو گیا"!

ترویدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا، "گرفتار ہو کر بہت ۔

اور عین اس وقت جب اس کی گرفتاری عمل میں آئی، دفعتہ